محمود المواعظ

جلد ہفتم

ذکر اللہ کی اہمیت

شیطانی وساوس کی حقیقت اور ان سے بچنے کے نبوی طریقے

موت کی تیاری

وقت کی قدر وقیمت اور لایعنی ولغویات سے بچنے کی اہمیت

تبلیغی کام کی اہمیت اور اس میں پائے جانے والی کچھ کوتاہیوں پر تنبیہ

مجموعۂ مواعظ

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

سابق صدر مفتی وحال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

مکتبہ محمودیہ، محمودنگر، ڈابھیل

محمود المواعظ

(جلد ہفتم)

مجموعۂ مواعظ

حضرت اقدس **مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری** دامت برکاتہم

سابق صدر مفتی وحال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

مرتب

مولانا عظیم الدین ارنالوی

مدرس مدرسہ مفتاح العلوم، تراج، سورت، گجرات

ناشر

مکتبۂ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل

تفصیلات

کتاب کانام:............................ محمودالمواعظ (جلد ہفتم)

افادات:............ حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

مرتب:............ مولانا عظیم الدین ارنالوی (استاذ مدرسہ مفتاح العلوم تراج)

صفحات: ۴۵۶

ناشر:.................... مکتبۂ محمودیہ، محمودنگر، ڈابھیل، گجرات

حضرت دامت برکاتہم کے مواعظ، کتابیں حاصل کرنے اور ہر سنیچر کو براہِ راست حضرتِ اقدس کی مجلس سننے کے لیے حسبِ ذیل ویب سائٹ کا استعمال کریں:

www.muftiahmedkhanpuri.com

ملنے کے پتے

- ادارۃ الصدیق، نزد جامعہ تعلیم الدین، ڈابھیل Mo:99133,19190
- مکتبۂ انور، ڈابھیل (مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی) Mo:99246,93470
- مکتبۃ الاتحاد، دیوبند Mo:98972,96985
- ادارۂ علم وادب، جمبوسر (مفتی فرید صاحب کاوی) Mo:98987,55200
- مکتبہ محمدیہ، ترکیسر (مفتی سلیمان صاحب شاہوی) Mo:88666,21229
- مکتبۂ ابوہریرہ، کھروڈ (مولانا جاوید صاحب مہاراشٹری) Mo: 99256,52499
- مفتی صدیق اسلامپوری (جامعہ خیر العلوم ادگاؤں، کولہاپور) Mo:99220,98249

اجمالی فہرست مضامین...... جلد ہفتم

تفصیلی فہرستِ مضامین...... جلد ہفتم

ذکراللہ کی اہمیت وفضیلت

شیطانی وساوس کی حقیقت اور ان سے بچنے کے نبوی طریقے (۱)

شیطانی وساوس کی حقیقت اور ان سے بچنے کے نبوی طریقے (۲)

شیطانی وساوس کی حقیقت اوران سے بچنے کے نبوی طریقے (۳)

شیطانی وساوس کی حقیقت اور ان سے بچنے کے نبوی طریقے (۴)

(نماز میں آنے والے وساوس کا علاج)

موت کی تیاری

(۱) وقت کی اہمیت اور قدر و قیمت

(۲) تبلیغی کام کی اہمیت اور اس میں پائی جانے والی کچھ کوتاہیوں پر تنبیہ

وقت کی قدر و قیمت اور لایعنی ولغویات سے بچنے کی اہمیت

ذکر اللہ کی اہمیت وفضیلت

حضرت دامت برکاتہم کے ۱۰؍ مختلف مواقع پر بیان کردہ مواعظ کو مدِّ نظر رکھ کر اس بیان کو ترتیب دیا گیا ہے۔

اقتباس

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

من نہ گردم پاک از تسبیح شاں		پاک ہم ایشاں شوند و دُرفشاں

سبحان اللہ کا ترجمہ ہوتا ہے: اے اللہ! میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں، تیری ذات پاک ہے تو ان بندوں کے میری تسبیح پڑھنے اور سبحان اللہ کہنے سے میں پاک نہیں ہو جاتا، بلکہ ان کے سبحان اللہ کہنے سے ان کی گندی زبانیں پاک ہوتی ہیں اور ان کی گندگیاں دور ہوتی ہیں۔ ہماری گندی زبانیں اس لائق نہیں تھیں کہ اللہ کا نام لیتیں، پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ اللہ کا نام لینے کی ہمیں اجازت دے دیتے؛ تو یہ بھی ہمارے لیے بڑی سعادت کی بات تھی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، صلى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا.

أمابعد: فَأَعُوْذُ بِاللہ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوااللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾ [الأحزاب]

وقال تعالىٰ: ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْالِيْ وَلَاتَكْفُرُوْنِ﴾ [البقرة۱۵۲]

وقال تعالىٰ: ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ [الرعد:۲۸]

وقال تعالىٰ: ﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾ [طه:۱۲۴]

و قال تعالىٰ: ﴿فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِكُمْ﴾ [النساء: ۱۰۳]

وقال النبي ﷺ فيما يرويه عن ربه تبارك وتعالىٰ، قال الله تعالىٰ: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ

ذَكَرَنِي فِي مَلأٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلأٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً①.

وقال النبی ﷺ: مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لاَ يَذْكُرُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ②.

دل کہے ''اللہ اللہ'' یہ زندگی کا ساز ہے

محترم حضرات! حضرت شیخ نوَّ راللہ مرقدہ ''فضائلِ ذکر'' کے مقدمے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں جو برکت، لذت، حلاوت اور طمانینت ہے، اس کا اندازہ وہی آدمی کرسکتا ہے جس نے کچھ دنوں تک اللہ کے نام کی رٹ لگائی ہو۔ حضرات عارفین اسی ذکراللہ کو کائنات کی روح قرار دیتے ہیں، گویا پوری کائنات کا وجود ذکراللہ پر قائم ہے؛ اسی لیے حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب روئے زمین پر ایک بندہ بھی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا تو قیامت قائم ہوجائے گی۔

سب چھوڑ خیالات، بس اِک یادِ خدا کر

قرآن وحدیث میں ذکراللہ کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے اور قرآن وحدیث کا پورا ذخیرہ اللہ کے ذکر کی تاکید سے بھرا پڑا ہے جس میں سے نمونے کے طور پر آپ کے سامنے چند آیتیں اور حدیثیں پیش کی گئیں۔ حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ اللہ

① صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: وَيُحَذِّرُكُمُ اللهُ نَفْسَهُ.
② صحیح البخاری، عَنْ أَبِي مُوسَى ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، باب فَضْلِ ذِكْرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ.

تعالیٰ کے جو احسانات وانعامات جن کو ہم ہر لمحہ اور ہر وقت استعمال کرتے ہیں، ان کا تقاضہ تو یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہ ہوتا، تب بھی ہم ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہتے، چہ جائے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ اس کا حکم دیا ہے۔

لب پے ہر دم ذکر ہو، دل میں ہر دم فکر بھی

باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو، اللہ تعالیٰ کا ذکرِ کثیر کرو۔

حضرت مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ: صبح ایک تسبیح پڑھ لی اور شام کو ایک تسبیح پڑھ لی؛ اس کا نام ذکرِ کثیر تھوڑا ہی ہے بلکہ کثرت سے یاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اٹھتے، بیٹھتے، چلتے، پھرتے، سوتے، جاگتے ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا رہے۔

﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور دن ورات کی آمد ورفت میں عقل مندوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک عقل مند کون ہے؟

اب عقل مند کون ہیں؟ تو اللہ تبارک وتعالیٰ خود ہی بتلا رہے ہیں: ﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِهِمْ﴾ وہ لوگ جو کھڑے کھڑے، بیٹھے بیٹھے، اور پہلوؤں پر لیٹے لیٹے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ انسان کی تین ہی حالتیں

ہیں؛ کھڑا ہوگا یا بیٹھا ہوگا یا لیٹا ہوگا۔ گویا جو بندہ ہر وقت اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا، تب ہی اس کا شمار اُولوا الْاَلْبَابِ (عقل مندوں) میں ہوگا۔

قرآنِ کریم میں جہاں صلوٰۃ الخوف کا تذکرہ ہے وہاں صراحۃً حکم دیا گیا ہے: ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ﴾ اللہ کو یاد کرو کھڑے کھڑے، بیٹھے بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے لیٹے۔ گویا وہاں عقل مندوں کا حال بیان کیا تھا، اور یہاں ان تینوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا حکم دیا ہے۔

ذکر اللہ کائنات کی روح ہے

اس ذکر کے نتیجے میں بندے کو وہ کیفیت حاصل ہوتی ہے کہ بندہ کہتا ہے: ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [ال عمران:۱۹۱] یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو یاد کرنا ہماری زندگی کی روح ہے۔ ویسے بھی علماء نے لکھا ہے کہ ساری کائنات کی روح اللہ کا ذکر ہے؛ اسی وجہ سے حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ جب تک روئے زمین کے اوپر ایک آدمی بھی ''اللہ اللہ'' کہنے والا ہوگا، اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کو قائم نہیں فرمائیں گے۔

ذکر اللہ سے غفلت باعثِ ہلاکت ہے

پانی جب تک کہ بہتا ہے، اللہ کا ذکر کرتا ہے، جب ذکر بند ہو جاتا ہے تو بہنا بند ہو جاتا ہے اور بہنا بند ہو جاتا ہے تو وہ ٹھیر جائے گا اور اس میں عفونت پیدا ہوگی، بدبو آئے گی، بگڑ جائے گا۔ مچھلیاں جب اللہ کے ذکر سے غافل ہوتی ہیں تو وہ شکاری کی

جال میں پھنستی ہیں، یہ کتابوں کے اندر لکھا ہے①۔ ویسے قرآن بھی کہتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز اللہ کا ذکر کرتی ہے:﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾[الإسراء:٤٤]

ذکرِ الٰہی تمام عبادتوں کا عطر اور خلاصہ ہے

بلکہ یوں کہا جائے کہ ساری شریعت کا خلاصہ اللہ کی یاد ہے: یہ سارے احکام جو ہمیں دیے گئے، جو کام کرنے کے ہیں، ان کو کرنے کا حکم دیا گیا، جو چیزیں بچنے کی ہیں، ان سے بچنے کا حکم دیا گیا، ان سب کا مقصد یہی ہے کہ آدمی ہر وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے دل ودماغ میں بسائے رکھے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کا استحضار رہے، ایک لمحے کے لیے بھی اس کی طرف سے غفلت نہ ہو اور ہر وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد میں ڈوبا ہوا ہو، مشغول ہو، یہ اصل مقصود ہے اور تمام اعمال کا خلاصہ یہی ہے۔

---

①[١]قال بعض الصالحين رأيت صياداً بالهند كلما صاد سمكة دفعها إلى ابنة له فترسلها في الماء وهو لا يعلم فلما فرغ جاء فلم يجد شيئاً فسألها عن ذلك قالت سمعتك تقول عن النبي ﷺ لاتقع سمكة في شبكة إلا إذا غفل عن ذكر الله فكرهت أن تأكل شيئاً غفل عن ذكر الله وقيل أنها كانت السمكة تسبح في يدها فقالت البنت ما دفعت إلي سمكة إلا وسمعتها تقول سبحان الله فقطع الشبكة وتاب عن الصيد.[٢] قال إبراهيم الخواص رضي الله عنه خرجت أطلب الحلال فأخذت شبكة وألقيتها في البحر فأخذت سمكة ثم ثانية ثم ثالثة فهتف بي هاتف يا إبراهيم لم تجد معاشاً إلا فيما يذكرنا فقطعت الشبكة.

(نزهة المجالس ومنتخب النفائس، لعبد الرحمن بن عبد السلام الصفوري (المتوفى: ٨٩٤هـ)

ذکرِ الٰہی کے لیے کوئی قید اور شرط نہیں ہے

اسی لیے دوسری جتنی بھی عبادتیں ہیں، ساری عبادتوں کے لیے شرائط ہیں: نماز ہے تو اس کے لیے شرطیں ہیں: کپڑا پاک ہو، بدن پاک ہو، جگہ پاک ہو، قبلے کی طرف منہ کیے ہوئے ہو۔ روزے کے لیے بھی کچھ شرطیں ہیں، اس کے اوقات مقرر ہیں، ہر عبادت کے لیے شرطیں ہیں، اوقات متعین ہیں کہ فلاں وقت میں یہ عبادت نہیں کی جا سکتی: سورج طلوع ہو رہا ہو، سورج سر پر ہو، سورج غروب ہو رہا ہو تو نماز کی اجازت نہیں ہے۔ روزہ ہے تو ایّامِ تشریق اور ایامِ عیدین میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ حج ہے تو مخصوص زمانے میں مخصوص جگہ پر ادا کیا جاتا ہے، ہر وقت آدمی ادا نہیں کر سکتا تو جتنی بھی عبادتیں ہیں، وہ شرائط کے ساتھ، زمانوں کے ساتھ، مکانوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا ذکر ایسا ہے کہ اس کے لیے کوئی قید نہیں ہے، کسی بھی وقت، آدمی کسی بھی حالت میں ہو، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو یاد کر سکتا ہے اور یہ حکم ہے کہ آدمی ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہے۔

رہے مشغول جو یادِ خدا میں

باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾ تم مجھے یاد کرو، میں بھی تمھیں یاد کروں گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسا عجیب وغریب معاملہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بایں کبریائی وعظمت اپنے ناپاک بندے کو یاد کرے!

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

اس پر تو بندوں کو قربان ہو جانا چاہیے۔منی کے ناپاک قطرے سے بنا ہوا ایک بندہ،جس کا وجود ہی گویا گناہ اور گندگی میں ڈوبا ہوا ہے مگر جب وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو یاد فرماتے ہیں۔

ہے اس کا ذکر دربارِ خدا میں

صوفیاء نے لکھا ہے (اکمال الشیم کی تعلیم میں جو عصر کے بعد پڑھی جاتی ہے آپ نے سنا ہوگا) کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو یاد فرماتے ہیں۔ گویا بندہ جب اللہ کا ذاکر بنتا ہے تو وہ اللہ کا مذکور بن جاتا ہے اور مذکور بننے والا مقام ذاکر سے بھی اونچا ہے لیکن یہ مقام اسی وقت حاصل ہوگا جب کہ آدمی پہلے اللہ کو یاد کرے گا۔ذاکر بنے گا تو مذکور بنے گا،گویا مذکور بننا ذاکر بننے پر موقوف ہے۔جب بندہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا تو اللہ تعالیٰ اپنی عظمت وجلالتِ شان کے باوجود اس بندے کو یاد فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا بندے کو یاد کرنا بہت بڑی چیز ہے

آج کوئی آدمی آکر کسی کو بتلائے کہ میں وزیر اعظم یا صدر جمہوریہ کے پاس گیا تھا تو انھوں نے آپ کا تذکرہ کیا تھا تو آپ کہیں گے کہ کیا انھوں نے میرا تذکرہ کیا تھا؟ اور یہ سن کر آپ پھولے نہیں سماتے۔جب دنیا کے حاکموں کے تذکرہ کا یہ حال ہے تو اللہ تعالیٰ جس کو یاد فرمائیں،اس کا مقام کیا ہوگا؟

﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾[العنکبوت: ۴۵]اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔بعض حضرات

نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندے کو یاد کرنا بہت ہی بڑی چیز ہے یعنی ایک شکل تو یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔

اور دوسری شکل یہ ہے کہ اللہ تعالی بندے کو یاد کریں، یہ سب سے بڑی چیز ہے اور بہت اونچا مقام ہے لیکن یہ تب حاصل ہوگا، جب بندہ اللہ تعالی کو یاد کرے، اس مقام کو حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے بندہ اللہ تعالی کا ذکر کرے، تب اللہ تعالی اس کا تذکرہ ملائکہ میں فرمائیں گے اور اس کو یاد کریں گے۔

کوئی تیرے ذکر کے برابر مزے کی شے اے خدا! نہیں

باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد ہی سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔ غور کیجئے کہ ”بِذِكْرِ اللهِ“ کو مقدم کیا گیا اور ”تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ“ کو بعد میں لایا گیا، یہ نہیں کہا گیا ”تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ بِذِكْرِ اللهِ“ بلکہ کہا ”بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ“ اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو سکون پہنچتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اگر ہم اپنے دلوں کو سکون وطمانینت دینا چاہتے ہیں تو اللہ کا ذکر کریں، اس کے علاوہ اور کوئی علاج نہیں ہے لیکن آج اسی کو ہم نے چھوڑ دیا ہے، اس کے بعد اگر دل کا سکون حاصل کرنے کے لیے دوسری ساری تدبیریں کرتے رہیں تب بھی کوئی تدبیر کارگر ہونے والی نہیں ہے۔

ہماری پریشانیوں کا سبب

آج کل لوگ اللہ کے ذکر سے بہت غفلت برت رہے ہیں، دراصل اسی کا نتیجہ

ہے کہ ہماری زندگیاں بے چینی کا شکار ہیں، باری تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُـقَيِّضْ لَه شَيْطٰنًا فَهُوَلَه قَرِيْنٌ﴾[الزخرف:۳۶] جو اللہ کی یاد سے غفلت برتتا ہے، ہم اس کے اوپر شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں اور وہ اس کا دوست بن جاتا ہے۔ ہماری زندگیاں اللہ کی یاد سے غفلت میں گذریں گی تو اب ہماری دوستی شیطان کے ساتھ ہو جائے گی، پھر ہمارے دلوں کو کبھی بھی سکون اور چین حاصل ہونے والا نہیں ہے۔

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلّی میں

اللہ کا نام ہمارے دلوں کے لیے سکون کا ذریعہ ہے۔ آج پوری دنیا جس طرح بے چینی کا شکار ہے، وہ مجھے اور آپ کو معلوم ہے، باری تعالی فرماتے ہیں:﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَه مَعِيْشَةً ضَنْكًا﴾[طه: ۱۲۴] میری یاد سے جو منہ موڑے گا، اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی۔ آج ہماری زندگی میں جو تنگی آ گئی ہے اور ہمارے قلوب کے اندر سے سکون اور طمانینت چھن چکی ہے، اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ذکر اللہ سے ہماری زندگیاں خالی ہو چکی ہیں۔

ذکرِ خدا کا حکم قرآنِ پاک کی بہت سی آیات میں ہے

اس سلسلے میں اور بھی بے شمار آیات ہیں، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے فضائل کے جو رسالے لکھے ہیں: فضائل نماز، فضائل قرآن، فضائل درود، فضائل ذکر، ان میں سے کسی بھی رسالے میں اتنی کثرت سے قرآنِ پاک کی آیتیں اور حدیثیں بیان نہیں کی ہیں، جتنی فضائل ذکر میں کی ہیں۔ فضائلِ قرآن اٹھا کر دیکھ لیجئے، چند آیتیں اور چند

حدیثیں ذکر کی ہیں، اسی طرح اور رسائل کے اندر بھی یہی طرز رہا ہے لیکن فضائل ذکر میں بے شمار آیتیں بیان فرمائی ہیں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ قرآنِ پاک میں ذکر سے متعلق بہت ساری آیات ہیں۔

جس کو خدا مل گیا، اسے سب کچھ مل گیا

ایک حدیث قدسی ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد نقل کرتے ہیں: ’’أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي‘‘ میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں ’’وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي‘‘ بندہ جب مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ گویا بوقتِ ذکر اس کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ کسی کو اللہ کی معیت حاصل ہو جائے، گویا اللہ تبارک وتعالی اس کے ساتھ ہوں تو دنیا کی ساری چیزیں اس کو حاصل ہیں۔ اللہ تبارک وتعالی جو ساری کائنات کا خالق و مالک ہے، وہ مل گیا تو سب کچھ مل گیا۔

اسی پہ رکھ اپنی نظر تو، نگاہ نہ دوڑا اِدھر اُدھر تو

محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ بتلایا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے دربار میں اعلان کیا کہ یہاں دربار میں جو ہے، جو شخص ان میں سے جس پر ہاتھ رکھ دے، وہ اس کا ہو جائے گا۔ یہ اعلان سنتے ہی بھگدڑ مچ گئی، کوئی اِدھر بھاگ رہا ہے، کوئی کسی چیز پر قبضہ جمانے کے لیے کدھر جا رہا ہے۔ ایک باندی محمود غزنوی کے پیچھے کھڑی تھی، وہ وہیں کی وہیں رہی اور اس نے محمود غزنوی کے سر پر ہاتھ رکھ دیا، محمود نے اس سے پوچھا

کہ سب لوگ چیزیں لینے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں، تو کیوں نہیں جا رہی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے بھی تو ہاتھ رکھ دیا ہے؛ کیوں کہ آپ نے کہا: ''دربار میں جو ہے'' تو دربار میں تو آپ بھی ہیں؛ اس لیے میں نے آپ پر ہاتھ رکھ دیا، آپ اگر میرے ہو گئے تو سب کچھ میرا ہو گیا۔

رہے مشغول جو یادِ خدا میں

پھر آگے فرماتے ہیں ''فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي'' اگر وہ مجھے اپنے جی میں اور تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو تنہائی میں یاد کرتا ہوں ''وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلأٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلأٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ'' اور اگر وہ کسی مجمع میں (انسانوں کے مجمع میں) مجھے یاد کرتا ہے تو مَیں اس سے بہتر مجمع (فرشتوں کے مجمع) میں اس کو یاد کرتا ہوں ''وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا'' اور اگر بندہ ایک بالشت میری طرف قریب ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھتا ہوں۔ ہاتھ دو بالشت کا ہوتا ہے، کوئی بھی اپنے ہاتھ کو ناپ لے تو اس کے دو بالشت ہی ہوں گے۔

''وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا'' اور اگر بندہ ایک ہاتھ میری طرف آگے بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف چار ہاتھ بڑھتا ہوں۔ ''باع'' کا ترجمہ عام طور پر دو ہاتھ سے کرتے ہیں، لیکن حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ چار ہاتھ فرماتے ہیں۔ جب دونوں ہاتھوں کو پھیلایا جائے تو ایک ہاتھ کی انگلی سے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں تک چار ہاتھ ہوتے ہیں۔ ''وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً'' اور اگر بندہ چل

کر میری طرف آتا ہے تو میں دوڑ کر اس کی طرف جاتا ہوں۔

خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے!

اللہ تعالیٰ کی شان تو بڑی بے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں کے ساتھ کیسا شفقت کا معاملہ کرتا ہے! کہاں ہمارا اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا! لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر کتنا نوازا جاتا ہے اور کیسا عظیم بدلہ دیا جاتا ہے! اس پر تو ہمیں مر مٹنا چاہیے۔

اسے زندہ مت سمجھو، مردہ ہے وہ انسان

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لاَيَذْكُرُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ'' جو آدمی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور جو نہیں یاد کرتا اس کی مثال ایسی ہے جیسے زندہ اور مردہ۔ یاد کرنے والا زندہ ہے اور جو یاد نہیں کرتا وہ مردہ ہے۔ اور واقعہ یہی ہے کہ آدمی کی زندگی اللہ تعالیٰ کی یاد ہی سے قائم ہے۔

اللہ کی یاد سے غفلت موت ہے: ایک قصہ

ایک اللہ والے تھے، وہ اپنے جیسے دوسرے اللہ والوں کی ملاقات کے لیے جارہے تھے، جاتے جاتے راستے میں تھکن محسوس ہوئی تو ایک درخت کے نیچے کچھ دیر آرام کے لیے بیٹھ گئے، درخت کے اوپر دو پرندے آپس میں بات کررہے تھے: ایک نے دوسرے سے پوچھا: یہ کہاں جارہے ہیں؟ دوسرے نے کہا: فلاں صاحب کی ملاقات کے لیے جارہے ہیں تو پہلے نے کہا: ان کا تو انتقال ہوگیا۔ انھوں نے سنا کہ ان کا تو انتقال ہوگیا ہے تو سوچا کہ میں تو ان کی ملاقات کے لیے جارہا ہوں، اب واپس لوٹنا چاہیے پھر

خیال آیا کہ اتنا سارا راستہ جب قطع کر چکا ہوں تو اب ہو ہی آؤں، اگر زندہ ہوں گے تو ملاقات ہو جائے گی، ورنہ تعزیت کر آؤں گا۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہ تو زندہ سلامت موجود ہیں۔ کہا: حضرت! کیسا زمانہ آ گیا ہے کہ پرندے بھی جھوٹ بولتے ہیں۔ پوچھا: کیا ہوا؟ تو بتایا کہ: ایک جگہ میں آرام کے لیے بیٹھا ہوا تھا، وہاں دو پرندے اس طرح کی باتیں کر رہے تھے۔ پوچھا: وہ کون سا وقت تھا؟ انھوں نے سوچ کر بتایا کہ فلاں وقت تھا۔ تو ان بزرگ نے سوچ کر کہا کہ: ہاں! اس پرندے نے سچ کہا، دراصل اس وقت میں اللہ کی یاد سے غافل تھا تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی یاد سے غفلت موت ہے۔

نور میں ہو یا نار میں رہنا، ہر جگہ ذکرِ یار میں رہنا

ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن بسر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اسلام کے احکام بہت ہیں (فرائض وواجبات کا تو اہتمام کرنا ہی ہے، لیکن نوافل کا بھی ایک طویل سلسلہ ہے) اس لیے مجھے کوئی ایسا عمل بتلا دیجیے جس کو میں مضبوطی کے ساتھ کروں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لَايَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللهِ'' تمھاری زبان ہمیشہ اللہ کی یاد سے تر و تازہ رہنی چاہیے، ہر وقت اللہ کی یاد کرتے رہنا چاہیے [1]۔

قیامت میں بلند مرتبے پر فائز ہونے والے

اور پھر جنت کے جتنے بھی درجات ہیں، وہ سب اسی پر موقوف ہیں، حضرت

[1] سنن الترمذی، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُسْرٍ رضی اللہ عنہ، بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الذِّكْرِ.

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ قیامت کے روز کون سا بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں مقام اور مرتبہ کے اعتبار سے بلند اور افضل ہوگا؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''الذَّاكِرُونَ اللّٰهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتُ'' جو اللہ کے بندے اور بندیاں کثرت سے اللہ کو یاد کرتی ہیں، وہ سب سے اونچے مقام پر ہوں گے①۔

جملہ عبادات کی مشروعیت کی غرض ذکرِ الٰہی کا قیام ہے

بہرحال! اللہ کے ذکر کی بڑی تاکید ہے اور بے شمار آیتیں اور احادیث ہیں جن میں ذکر اللہ کو سارے اعمال سے افضل بتلایا گیا ہے اور در حقیقت عبادات بھی اسی لیے مشروع کی گئی ہیں؛ تاکہ ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے، جیسے: نماز کے بارے میں قرآنِ پاک میں یہ ارشاد موجود ہے:﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾ [طه:١٤] نماز اسی لیے قائم کی جاتی ہے؛ تاکہ اس کے ذریعہ اللہ کی یاد ہمارے دلوں کے اندر بسے۔

ہمارے ذکر سے شانِ خداوندی میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا

اللہ تعالیٰ نے کثرت سے یاد کرنے کا جو حکم دیا ہے تو ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہمارے ذکر کرنے کی وجہ سے (نعوذ باللہ) کوئی فائدہ ہے؟ یا ہم بندوں کا فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہمارے یاد کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اللہ تعالیٰ کی شان تو بہت اونچی ہے وہ تو بے نیاز ہے، اس کی کبریائی، اس کی عظمت، اس کی جلالت

① سنن الترمذی، رقم الحدیث:٣٧٠٣.

شان تو نہایت عظیم ہے، اس کو ہمارے یاد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، ہمارے یاد کرنے سے اس کی شان اور کبریائی میں اور اس کے مقام ومرتبہ میں کوئی اضافہ ہونے والا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے

مسلم شریف میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے، حدیث قدسی ہے، بڑی لمبی چوڑی روایت ہے اور ایسی عظیم الشان روایت ہے کہ امام ابوادریس خولانی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے محدث ہیں، جب وہ اس روایت کو بیان کرتے تھے تو دوزانو بیٹھ جایا کرتے تھے [۱]، اس کے آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں ''يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَتْقَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا زَادَ ذَلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا'' اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے، انسان اور جنات؛ تم میں سے سب زیادہ متقی (اللہ سے ڈرنے والے نیک بندے) جیسے ہوجائیں (''اتقیٰ قلب'' کی تشریح میں شراح نے لکھا ہے کہ سب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے ہوجائیں) تو میری شان میں کوئی اضافہ اور زیادتی ہونے والی نہیں ہے۔

''يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا'' اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور

---

① كَانَ أَبُو إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيُّ إِذَا حَدَّثَ بِهَذَا الْحَدِيثِ جَثَا عَلَى رُكْبَتَيْهِ.(صحيح مسلم، بَابُ تَحْرِيمِ الظُّلْمِ،رقم الحديث:۲۵۷۷)

پچھلے، انسان اور جنات سب سے زیادہ گنہگار اور نافرمان بندے (شیطان) جیسے بن جائیں تو اس کی وجہ سے میری شان میں کوئی کمی آنے والی نہیں ہے[1]۔

معلوم ہوا کہ ہمارے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے سے اس کی شان میں کوئی فرق آنے والا نہیں، ہم اللہ تعالیٰ کی تعریف کریں یا نہ کریں، اس کی شان اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اللہ کی شان کے اندر نہ کوئی اضافہ ہوتا ہے، نہ اس میں کمی آتی ہے۔

بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ

مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم نے اپنے اسپین کے ایک سفر کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا: جب میں اسپین گیا اور قرطبہ کی جامع مسجد دیکھنے کے لیے گیا تو دیکھا کہ مسجد نبوی کی جو نئی تعمیر ہوئی ہے، اس سے پہلے تک دنیا کی سب سے بڑی مسقّف مسجد وہی تھی۔ وہاں پہنچے تو دل میں خیال آیا کہ نماز پڑھ لیں، میں اور میرا ایک ساتھی تھا، نماز کا وقت ہو رہا تھا، میں نے وہاں آہستہ سے اذان دی اور نماز کے لیے کھڑے ہوئے، انھوں نے اقامت کہی اور دو رکعت پڑھ لی۔

مولانا فرماتے ہیں کہ جس وقت میں سجدہ میں گیا تو اس وقت دل میں خیال آیا کہ یہی وہ مسجد ہے کہ ایک زمانے میں جب اذان کی آواز یہاں سے گونجتی تھی تو ہزاروں قدم اللہ کی عبادت کے لیے اس مسجد میں آنے کے لیے آگے بڑھتے تھے اور جب نماز قائم ہوتی تھی تو ہزاروں پیشانیاں اللہ کے حضور میں سجدہ ریز ہوتی تھیں، آج اذان کی

[1] مسلم شریف، باب تَحْرِيمِ الظُّلْمِ.

آواز سن کر ایک قدم بھی یہاں بڑھنے والا نہیں لیکن نہ اس وقت اللہ کی شان میں کوئی اضافہ ہوا اور نہ اِس وقت اللہ کی شان میں کوئی کمی ہوئی۔ بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ: ؎

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند		بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ

اللہ کی شان تو بہت بڑی ہے، ساری دنیا اس کی عبادت کرے تب بھی اور اگر کوئی عبادت نہ کرے، سب اس کی نافرمانیوں پر تل جائیں تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا، اگر ہم اس کا ذکر کریں گے تو ہمارا ہی فائدہ ہوگا۔

من نہ گردم پاک از تسبیح شاں

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

من نہ گردم پاک از تسبیح شاں		پاک ہم ایشاں شوند وُدُر فشاں

سبحان اللہ کا ترجمہ ہوتا ہے: اے اللہ! میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں، تیری ذات پاک ہے۔ ان بندوں کے میری تسبیح پڑھنے اور سبحان اللہ کہنے سے میں پاک نہیں ہوجاتا، بلکہ ان کے سبحان اللہ کہنے سے ان کی گندی زبانیں پاک ہوتی ہیں اور ان کی گندگیاں دور ہوتی ہیں۔ ہماری گندی زبانیں اس لائق نہیں تھی کہ اللہ کا نام لیتیں، پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ اللہ کا نام لینے کی ہمیں توفیق دے دیں تو یہ بھی ہمارے لیے بڑی سعادت کی بات تھی۔

ہنوز نامِ گفتن کمال بے ادبی است

ہزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب		ہنوز نامِ گفتن کمال بے ادبی است

میں اپنے منھ کو ہزار مرتبہ مشک وگلاب سے دھوؤں، تب بھی اے اللہ! تیرا نام لینا بڑی بے ادبی کی بات ہے۔

لیکن اللہ کا کرم ہے کہ اس نے نام لینے کی اجازت ہی نہیں، بلکہ حکم دیا کہ میرا ذکر کرو اور میرا نام لو، اللہ کے حکم کو سن کر تو ہمیں مرمٹنا چاہیے۔ اپنی زندگی کے ہر لمحہ اور ہر گھڑی کو اللہ کی یاد سے آباد کرنے کی ضرورت ہے۔

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی

مجھے بھی اس کی (جامعِ قرطبہ کی) زیارت کی سعادت نصیب ہوئی، ہم لوگ برطانیہ سے گئے تھے، ہم بارہ ساتھی تھے۔ وہاں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ جب وہاں عیسائیوں کا تسلط ہوا تو انھوں نے وہاں جتنی مسجدیں تھی، ان سب کو گرجے بنالیے۔ اس میں بھی ایک مسجد کے دو تین گرجے بنا رکھے ہیں، البتہ محراب والا جو حصہ ہے، اس کو اپنی حالت پر تاریخی حیثیت برقرار رکھتے ہوئے باقی رکھا ہے اور جیسے تاریخی عمارت کی زیارت کے لیے ہر جگہ فیس دے کر ٹکٹ لینی پڑتی ہے، اس طرح جس وقت ہم بھی زیارت کے واسطے ٹکٹ لینے گئے تو ہماری شکل وصورت دیکھ کر ان کو خیال ہوا کہ یہ لوگ ضرور نماز پڑھیں گے تو اس نے تاکید کی تھی کہ اندر نماز نہیں پڑھ سکتے، اگر نماز پڑھو گے تو ہم نکال دیں گے۔ اور فون کر کے باقاعدہ ایک الگ دستہ بلایا گیا اور ہم میں سے ہر ایک آدمی کے ساتھ ایک ایک آدمی کر دیا گیا؛ تاکہ کوئی بھی کسی کونے میں جاکر نماز پڑھنے کی کوشش نہ کرے۔

دو عالم سے کرتی ہے بے گانہ دل کو

میں عرض کررہا تھا کہ ذکر کرنے سے کیا اللہ تعالیٰ کا فائدہ ہے؟ نہیں! بلکہ ہمارا فائدہ ہے، اللہ کا ذکر کرنے کی وجہ سے ہماری گندگیاں دور ہوتی ہیں، ہماری ناپاکیاں ختم ہوتی ہیں اور ہمارے قلوب میں صفائیاں آتی ہیں، ہمارے اعمال کے اندر صلاح اور تقوی آتا ہے، ہمیں اللہ کی ذات کا استحضار نصیب ہوتا ہے اور اللہ کی ذات کا استحضار ہی ہمیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری کے لیے آمادہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہوں سے ہم کو روکے گا۔

گناہوں میں مبتلا ہونے کا سبب

دراصل آدمی گناہ کیوں کرتا ہے؟ یہ گناہ کرنے والا جس وقت گناہ کررہا ہوتا ہے، اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کا استحضار نہیں ہوتا، اس کو یہ یاد نہیں رہتا کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ ہم سب کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھتے ہیں لیکن جس وقت ہم گناہ کررہے ہوتے ہیں، اس وقت ہم بھول جاتے ہیں، ہمیں اس وقت یہ یاد نہیں رہتا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے، اگر یہ استحضار ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے تو کبھی کوئی بندہ اس کی نافرمانی نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کا استحضار گناہوں سے روکنے والا ہے

حدیث پاک میں آتا ہے: لَايَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهْوَ مُؤْمِنٌ وَلاَ يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُ وَهْوَ مُؤْمِنٌ ، وَلاَ يَسْرِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهْوَ مُؤْمِنٌ کہ: زنا

کرنے والا جس وقت زنا کررہا ہوتا ہے، اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا، شراب پینے والا جس وقت شراب پی رہا ہوتا ہے، اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا، چوری کرنے والا جس وقت چوری کررہا ہوتا ہے، اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا[۱]۔

شرّاح نے اس کی یہی تشریح کی ہے کہ مومن نہیں ہوتا یعنی گویا اس کو اس وقت اللہ کی ذات کا استحضار نہیں ہوتا[۲]، اگر اللہ تعالیٰ کی ذات کا استحضار ہوتا تو کبھی زنا کا ارتکاب نہ کرتا۔

تمھارا نام ہی کافی ہے روشنی کے لیے

جیسے ایک آدمی جب دیکھ رہا ہو کہ مجھے لوگ دیکھ رہے ہیں، میرا باپ دیکھ رہا ہے، میرا استاذ دیکھ رہا ہے، میرا شیخ دیکھ رہا ہے بلکہ میرا بیٹا دیکھ رہا ہے، میرا شاگرد دیکھ رہا ہے، میرا مرید دیکھ رہا ہے، ارے چھوٹا بچہ دیکھ رہا ہے، تو کیا کوئی زنا کرے گا؟ نہیں کرے گا! تو جب یہ استحضار ہو کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے تو بھلا کون زنا کرے گا لیکن جس وقت زنا کرنے والا زنا کررہا ہوتا ہے، اس وقت یہ بھول جاتا ہے اور ہم یہی بات بھولنے نہ پاویں، ہمیں ہر وقت اللہ کی یاد تازہ رہے، خلوت میں بھی، جلوت میں بھی، تنہائی میں بھی، لوگوں کے درمیان بھی؛ اس کے لیے ذکر اللہ کی کثرت کا حکم دیا ہے۔

---

[۱] صحیح البخاری، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، باب إِثْمِ الزُّنَاةِ.

[۲] معنى قوله ليس بمؤمن أي ليس بمستحضر في حالة تلبسه بالكبيرة جلال من آمن به فهو كناية عن الغفلة التي جلبتها له غلبة الشهوة وعبر عن هذا ابن الجوزي بقوله فان المعصية تذهله عن مراعاة الإيمان (فتح الباری۱۲/ ٦۱، رقم الحدیث:٦۳۹۰)

جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کو یاد کریں گے، اس کی وجہ سے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد ایسی بیٹھ جائے گی کہ ایک لمحہ کے لیے بھی پھر ہم اللہ تعالیٰ کو بھلا نہیں پائیں گے، پھر ہر وقت اللہ تعالیٰ ہمیں یاد رہے گا۔

موت کا ہر وقت استحضار رکھ

﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّه وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى﴾ [النازعات] کہ: جو اللہ تبارک وتعالی کے سامنے حاضر ہونے سے ڈرا، اس نے یہ سوچا کہ کل اللہ تبارک وتعالی کے سامنے پیش ہونا ہے، مجھے اپنے اعمال کا جواب دینا ہے، اگر آج یہاں نافرمانی کر لیتا ہوں تو کل وہاں کیا جواب دوں گا۔ یہ سوچ کر کے ﴿وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى﴾ اپنے نفس کو خواہشات پر چلنے سے روکا، ﴿فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾: اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔

اللہ کی یاد اور اس کا استحضار ہی آدمی کو اللہ کی نافرمانی سے روکتا ہے، یہی آدمی کو اپنے فرائضِ منصبی کی انجام دہی پر ابھارتا ہے۔

اللہ تو دیکھ رہے ہیں!

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ سفر میں نکلے، توشہ ختم ہو گیا، جنگل میں تھے، دیکھا کہ ایک چرواہا بکریاں چرا رہا ہے۔ اس سے کہا: بھائی! تمہاری بکریوں میں سے کسی کا دودھ دوہ کر تھوڑا سا دودھ دے دو۔

وہ ایک حبشی غلام تھا۔ اس نے کہا: میں تو غلام ہوں اور یہ بکریاں میری نہیں، میرے آقا کی ہیں اور میرے آقا نے چرانے کے لیے میرے حوالے کی ہیں، اس کا

دودھ دوہ کر کسی کو دینے کی مجھے اجازت نہیں دی ہے، اس لیے میں نہیں دے سکتا۔

اس نے یہ جواب دیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سوچا کہ لاؤ اس کو آزما کر دیکھیں! چنانچہ اس سے کہا کہ: میں ایک بات کہتا ہوں جس میں تمہارا بھی فائدہ ہے اور میرا بھی فائدہ ہے: میں تمہیں دس درہم دیتا ہوں تم ایک بکری مجھے دے دو۔ تمہارا فائدہ یہ ہے کہ دس درہم مل جائیں گے اور میرا فائدہ یہ ہے کہ بکری مجھے مل جائے گی جس کا دودھ میں استعمال کرتا رہوں گا اور جب ضرورت پڑے گی، کاٹ کر کھالوں گا۔ اب رہا آقا کا معاملہ! تو اس سے کہہ دینا کہ بھیڑیا آ کر ایک بکری لے گیا؛ اس لیے کہ عام طور پر جنگلوں میں بھیڑئے بکریوں کے غولوں پر حملہ کر کے بکریاں اٹھا لے جاتے ہیں۔

تو ان کی بات سن کر وہ غلام کہتا ہے: ”یاھذا فأین اللہ؟“ اے اللہ کے بندے! اللہ کہاں گیا یعنی جب میں آقا سے یہ کہوں گا کہ بھیڑیا بکری لے گیا تو آقا مان بھی لے گا لیکن اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہا ہے تو میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بڑا مزہ لے لے کر یہ جملہ نقل کرتے تھے کہ ایک چرواہا جنگل کے اندر کہتا ہے: ”یاھذا فأین اللہ؟“①۔

دنیا سے گناہ ختم ہو سکتے ہیں

آج اگر ہر مسلمان کو یہ کیفیت حاصل ہو جائے تو دنیا سے نافرمانی اور گناہ ختم ہو جائیں؛ اس لیے کہ گناہوں سے حفاظت کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کی یاد ہی بنتی ہے؛ اسی لیے

① شعب الإیمان، بَابٌ فِي الْأَمَانَاتِ وَمَا يَجِبُ مِنْ أَدَائِهَا إِلَى أَهْلِهَا، عَنْ نَافِعٍ.

کثرت سے اللہ کو یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ آدمی اس کے بغیر اپنے آپ کو گناہ سے نہیں بچا سکتا۔ ہمارے اکابر کے یہاں ذکر اللہ کی کثرت کا بڑا اہتمام تھا۔

ہمارے اکابر اور ذکر اللہ کی کثرت

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجرِ مکی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ نقل کیا تھا کہ: بوڑھاپا آ گیا اور سانس کمزور ہو گیا، اس کے باوجود ایک سانس میں ایک سواسی (۱۸۰) ضربیں اسمِ ذات کی لگاتا ہوں۔ اللہ اکبر!

ذکر کے سلسلے میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کی مقدار کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: اب تو بڑھاپا آ گیا ہے اور اعضاء مضمحل ہو گئے اور پڑھنے پڑھانے کا بھی زمانہ چلا گیا، اس کے باوجود روزانہ سوا لاکھ اسمِ ذات "اللہ اللہ" کا معمول ہے۔ حالاں کہ وہاں روزانہ حدیث کا درس ہوتا تھا، صحاحِ ستہ حضرت کے یہاں ختم کرائی جاتی تھی اور سال بھر میں تنہا پڑھاتے تھے۔ ان کے پڑھانے کے اوقات: صبح کو نو بجے سے ظہر تک بیٹھتے تھے، بس لیکن سال بھر میں چھ کتابیں مکمل کرا لیتے تھے۔

پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم

سالکین کی تربیت فرماتے تھے، آنے والے سوالات کے جوابات فتویٰ کی شکل میں دیتے تھے۔ خطوط کے جوابات لکھواتے تھے اور مہمانوں کی میزبانی ہوتی تھی اور اپنے دوسرے معمولات بھی ہوتے تھے۔ صرف یہ سوا لاکھ ہی کا معمول نہیں تھا کہ ایک

کونے میں بیٹھ گئے اور ''اللہ، اللہ'' کر رہے ہیں، بلکہ تہجد، اشراق، چاشت اوابین وغیرہ سارے نوافل ادا ہوتے تھے اور قرآنِ پاک کی تلاوت کا جو معمول تھا، وہ پورا ہوتا تھا، ان سب کے ساتھ ساتھ سوا لاکھ اسم ذات کا معمول تھا۔

نگہ الجھی ہوئی ہے رنگ و بو میں

آج تو ہم سے تین تسبیحیں نہیں پڑھی جاتیں۔ ہمارے بیعت ہونے والوں کو مختصر سا، پرائمری کورس، ابتدائی وظائف بتلائے جاتے ہیں، اس کے سلسلے میں کہتے ہیں کہ وہ نہیں پڑھے جاتے، مشغولی ہے۔ مولوی ہے نا تو بہانے تو ہوتے ہی ہیں اور ان حضرات کی مشغولی بھی دیکھئے، ان کے مقابلے میں تو ہماری مشغولی کچھ بھی نہیں ہے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم دیوبند کے مہتمم تھے، ان کے معمولات میں لکھا ہے کہ مدرسے کے اہتمام کے ساتھ ساتھ ذکر اللہ کا اتنا اہتمام تھا کہ روزانہ سوا لاکھ کا معمول تھا۔ آج کل تو مہتمم بے چارہ کسی کام کے لائق رہتا ہی نہیں۔ اس کو لوگ چاروں طرف سے ایسا گھیر لیتے ہیں کہ ایک نکلا نہیں کہ دوسرا آیا اور پھر تیسرا آیا، اس کے لیے معمولات کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی، اپنی ذات کی طرف توجہ دینے کا بھی اس کو موقع نہیں ملتا لیکن اُن حضرات کے یہاں ان سب مشغولیوں کے باوجود معمولات کا یہ عالم تھا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جب جاتے تھے اور وہاں گنگوہ کے اندر قیام کرتے تھے تو تہجد کے وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو چائے بنا کر پلایا

کرتے تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج میں بڑی نزاکت تھی اور مزاج بڑا حساس تھا۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج کی نزاکت اور حساسیت

ہمارے حضرت مفتی صاحب نوراللہ مرقدہ سناتے تھے کہ چائے کی جو پیالیاں ہوتی تھیں، ان کو کپڑے سے خوب اچھی طرح، اس طرح صاف کر کے کہ پانی کا ذرّہ برابر اثر نہ رہے پھر چائے ڈال کر پیش کرتے تھے تو بھی حضرت کبھی فرماتے تھے کہ بھائی! کچے پانی کی بو آرہی ہے تو وہ کیا کرتے تھے؟ پیالی دھو کر کے، خوب پونچھ کر کے آگ کے اوپر تپا کر کے اس میں چائے ڈال کر پیش کرتے تھے، تب حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ ہاں! اب کچے پانی کی بو نہیں آرہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی زیادتی انسان کی حِس کو بڑھادیتی ہے

حالاں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم بھی نہیں ہوتا تھا کہ انھوں نے کیا کیا ہے! جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ آدمی کا تعلق بڑھتا ہے تو اس کی حِس بھی بڑھ جاتی ہے۔

تذکرۃ الرشید میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ تہجد کے وقت مسجد میں تشریف لائے تو فرمانے لگے کہ دیا سلائی کی بو آرہی ہے۔ دراصل رات کو عشاء کے بعد کسی نے دیا سلائی جلائی ہوگی، اس کی بو کا اثر حضرت نے تہجد کے وقت محسوس کیا، یہ ان کی نزاکت اور حس کا حال تھا!

مری زیست کا سہارا، مری زندگی کا حاصل

تو حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول سوا لاکھ مرتبہ کا تھا۔

ہمارے حضرت مفتی صاحب نوراللہ مرقدہ سناتے تھے کہ اس طرح حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ان کی حاضری ہوتی تھی تو اس طرح حضرت کی خدمت کرتے تھے۔ایک دن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا کہ مولوی حبیب الرحمٰن! سب لوگ دعا کے لیے کہتے ہیں، تم نے تو آج تک کہا ہی نہیں۔تمھاری بھی کوئی خواہش ہے یا نہیں؟ کوئی چاہت ہے یا نہیں؟ تو جواب میں عرض کیا کہ حضرت! اسی خدمت کا موقع وہاں بھی مل جائے! تو فرمایا: إن شاءاللّٰہ!

میں بھی تو کہوں کہ حرم میں کون آ گیا؟

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کے سلسلے میں فضائل ذکر میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ چھٹے حج میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے اور طوافِ قدوم کے لیے جب حرم میں پہنچے تو حضرت مولانا محب الدین صاحب بہاری رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت حاجی امداد اللہ کے خلیفہ تھے اور بڑے صاحبِ کشف آدمی تھے، وہ اپنے خلوے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

اس زمانے میں حکومت کی طرف سے مطاف کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے، جو ان مخصوص لوگوں کو دئے جاتے تھے جو عبادت کے لیے وہاں قیام کرنا چاہتے تھے۔تو ان کا بھی ایک خلوہ (خلوت گاہ) تھا، اس میں بیٹھ کر دلائل الخیرات پڑھ رہے تھے۔حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں وہیں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا، کتاب پڑھتے پڑھتے اچانک سر اٹھا کر کہنے لگے کہ:

حرم میں یہ کون آ گیا کہ سارا حرم روشن ہو گیا۔ ان کو معلوم نہیں تھا کہ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ حرم میں آئے ہیں، یہ تو اپنے خلوے میں بیٹھے ہوئے تھے، جب حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ حرم میں داخل ہوئے تو ان کے اوپر یہ کیفیت منکشف ہوئی۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے تو اتنا ہی واقعہ بیان کیا ہے لیکن ہمارے حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی زبان سے میں نے سنا کہ: جب حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ طواف سے فارغ ہو کر ان کے خلوے کے پاس آئے اور ان کو سلام کیا تو ان کو دیکھ کر سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ: میں بھی تو کہوں کہ کون آ گیا کہ سارا حرم روشن ہو گیا۔

یہ وہ آدمی ہیں کہ........

اور ذکر اللہ کے انوار کا یہ حال تھا کہ مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت کے جانے کے بعد حضرت مولانا محب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا: مولوی ظفر! تم ان کو جانتے ہو؟ میں نے کہا: کیوں نہیں! یہ میرے استاذ اور میرے شیخ ہیں۔ تو فرمایا: نہیں! تم انہیں نہیں جانتے، یہ وہ آدمی ہیں کہ اگر حرم میں کعبۃ اللہ کی طرف نگاہ جما کر بیٹھ جائیں تو ان پر اتنے انوارات کی بارش ہوتی ہے کہ میں دوپہر کے وقت نظر بھر کر سورج کو تو دیکھ سکتا ہوں لیکن ان کے چہرے پر نظر نہیں ڈال سکتا۔

ان حضرات کے یہاں ذکر اللہ کا بڑا ہی اہتمام تھا اور عبادت کے لیے جو اوقات مقرر کیے جاتے تھے ان کی بڑی پابندی کی جاتی تھی۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین کے ذکر کی مقدار

تو ذکر اللہ کی بہت زیادہ کثرت ہونی چاہیے۔ حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین آتے ہیں، ان سے پوچھتے ہیں تو وہ ہزاروں کی تعداد بتلاتے ہیں، اس زمانے کے اندر بھی! شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تو ۷۰/ہزار تک کی تعداد بتلائی جاتی ہے۔ یہی حال حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی میں لکھا ہے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے عرض کیا کہ آپ تو اسفار میں رہتے ہیں تو جو لوگ آپ سے منسلک ہیں، ان کا کیا ہوگا؟ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت سے یہ کہا تو اس کے بعد حضرت کا معمول یہ ہو گیا کہ جب آپ میرے یہاں آتے تھے تو حضرت کے مریدین کے معمولات کے سلسلے میں جو خطوط ہوتے تھے، وہ اپنی بیگ میں لے کر آتے تھے اور مجھے دِکھلاتے تھے تو اس کو دیکھ کر پتہ چلتا کہ کسی کا سوالاکھ کا معمول ہے، کسی کا ۷۰/ہزار کا معمول ہے، کسی کا ''۹۰'' ہزار کا معمول ہے۔ یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی!

دین کی دیگر مشغولیات کے ساتھ ذکر اللہ بھی ضروری ہے

تو یہ ذکر اللہ بڑی اہمیت کا حامل ہے اور ہمیں اس زمانے کے اندر اس کی بڑی ضرورت ہے۔ فتنوں سے بچنے کے لیے اس کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ دین کا کام کرنے والے جو احباب ہیں: علماء ہیں جو درس وتدریس کا کام کرتے ہیں، دعوت وتبلیغ

میں لگنے والے احباب ہیں جو دعوت وتبلیغ کا کام کرتے ہیں، انھوں نے اپنا ایک مزاج بنالیا ہے کہ تسبیح پڑھیں گے یا کتاب کا مطالعہ کریں گے! گویا تسبیح پڑھنے کو ہم غیر ضروری سمجھتے ہیں، ہماری نگاہوں میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ جتنی دیر تسبیح پڑھیں گے، اتنی دیر میں ایک کتاب کا مطالعہ کرلیں گے، ایک طالبِ علم کو سبق سمجھا دیں گے، گویا ۲۴ر گھنٹے اسی میں لگانے ہیں۔

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو

یہ سب مشغلے اپنی جگہ پر بڑے قابلِ قدر ہیں اور اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے ہمیں اس کا حکم دیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ ذکر اللہ بھی تو اپنی روح کی غذا کے لیے ضروری ہے۔ ہم یہ سارے کام انجام دے رہے ہیں لیکن جو روح ہے، اس سے بے خبر ہونے کی وجہ سے یہی کام ہمارے لیے فتنے بن جاتے ہیں، ان کاموں میں جان نہیں پڑسکتی، جب تک کہ اللہ تبارک وتعالی کے ساتھ تعلق کو مضبوط نہ کیا جائے؛ اس لیے ان مشغلوں کے ساتھ ساتھ رات کو اٹھ کر باری تعالی کے سامنے کھڑے ہو کر راز و نیاز میں مشغول ہونا بھی بہت ضروری ہے۔

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

ہمارے پاس دعا کے لیے وقت نہیں ہے۔ ہم سوچتے ہیں کہ دس منٹ دعا کریں گے، اتنی دیر کسی کے ساتھ دین کی بات کرلیں، کسی کو دعوت دے دیں۔ ٹھیک ہے، یہ سب کام اپنی جگہ پر ہیں لیکن یہ جو توجہ، انابت الی اللہ، قرآنِ پاک کی تلاوت

کرنا، دعاؤں کا اہتمام کرنا، ذکر اللہ کا اہتمام کرنا، تہجد کا اہتمام کرنا، یہ جب تک کہ نہیں ہوگا، وہاں تک ان کاموں کے اندر جان پڑنے والی نہیں ہے۔

ہمارے اکابر کا خصوصی وصفِ امتیاز

ہمارے اکابر کا جو خصوصی امتیاز تھا، وہ یہی تھا کہ وہ پڑھاتے تھے، دین کی تعلیم دیتے تھے، قرآن پڑھاتے تھے، قرآن کی تفسیر کرتے تھے، حدیث پڑھاتے تھے، حدیث کی تشریح کرتے تھے، ایمان واسلام کی دعوت دیتے تھے، یہ سب کام کرتے تھے لیکن پھر اس کے ساتھ اللہ تبارک وتعالی کے ساتھ تعلق کی جو نوعیتیں ہیں، وہ بھی ان کی زندگی کا جزء بنی ہوئی تھیں، ان کی زندگی کے اس حصے کو ہم نے بھلا دیا۔ یہی تو ان سارے کاموں کی بنیاد اور جڑ ہے، اس کی روح ہے، اس کی جان ہے

۵۷ رسال میں تہجد کبھی ناغہ نہیں ہوئی

حضرت مولانا احمد صاحب حسن پوری رحمۃ اللہ علیہ ضلع مرادآباد کے رہنے والے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں تھے۔ ایک مرتبہ ان کے کسی مرید نے جو کلکتہ کا رہنے والا تھا اپنے مکان کی بنیاد ڈالنے کے لیے ان کو دعوت دی اور چوں کہ وہ بوڑھے تھے؛ اس لیے کہا کہ اپنے ساتھ کسی کو لے آنا؛ تاکہ سفر میں سہولت رہے۔

حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے برادرِ نسبتی (سالے) ہوتے ہیں، جب دعوت وتبلیغ کا سلسلہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شروع کیا تو شروع ہی سے وہ حضرت کے ساتھ تھے۔

مولانا احمد شاہ نے ان سے کہا کہ: بھائی! مکان کی بنیاد کے لیے ایک سفر میں جانا ہے، میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے ساتھ تمہیں لے جاؤں؛ اس لیے کہ تم نوجوان بھی ہو، عالم بھی ہو، صالح بھی ہو، تمہارے ہاتھ سے مکان کی بنیاد ڈلواؤں گا۔

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر

خیر! جب سفر شروع ہوا تو مولانا احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا احتشام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: دیکھو بھائی! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سفر میں امیر ہونا چاہیے اور تم نوجوان بھی ہو، عالم اور صالح ہو، اس لیے تم ہمارے امیر رہو گے۔ ٹرین میں سوار ہونے کے بعد مولانا احمد شاہ کو دست لگ گئے اور اتنی کثیر تعداد میں ہوئے کہ بار بار قضائے حاجت کے لیے جانا پڑا جس کی وجہ سے بے انتہاء نقاہت اور کمزوری ہو گئی۔ ان کی طبیعت کی یہ حالت دیکھ کر مولانا احتشام الحسن صاحب نے یہ طے کیا کہ حضرت کو آرام کی سخت ضرورت ہے، اس لیے کہا: حضرت! آپ کا بنایا ہوا امیر آپ سے درخواست کرتا ہے کہ آج آپ تہجد نہیں پڑھیں گے، آج آپ کو آرام ہی کرنا ہے۔

مولانا احتشام الحسن کہتے ہیں کہ یہ کہہ کر میں تو سو گیا، رات کو اچانک دیکھا کہ کوئی آدمی میرا انگوٹھا ہلا رہا ہے، آنکھ کھولی اور غور سے دیکھا تو مولانا احمد شاہ تھے اور زار و قطار رو رہے تھے، ڈاڑھی آنسوؤں سے تر تھی اور کہہ رہے تھے کہ: حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے تہجد پڑھنے کی اجازت دے دو، حضرت سے بیعت ہوئے ستاون (۵۷) سال ہو گئے ہیں، آج تک کبھی تہجد ناغہ نہیں ہوئی۔

ان حضرات کے یہاں تو معمولات کا یہ اہتمام تھا اور ہمارا حال یہ ہے کہ دو چار دن معمولات ادا کیے اور پھر چھوڑ دئے۔

اخلاق سب سے کرنا تسخیر ہے تو یہ ہے

ان کا آگے کا قصہ بھی بتا ہی دیتا ہوں: یہ کلکتہ پہنچے۔ انھوں نے چوں کہ یہ بھی کہا تھا کہ میں تمھارے ہاتھوں سے بنیاد رکھواؤں گا۔ اب جب وہاں پہنچے اور بنیاد رکھنے کا موقع آیا۔ وہاں جو گڑھا کھودا گیا تھا، وہ گہرا تھا تو حضرت خود ہی اس کے اندر اتر گئے۔ یہ کام ہو گیا تو داعی نے حضرت کی خدمت میں کچھ ہدیہ پیش کرنا چاہا، یہ بڑی رقم تھی لیکن حضرت نے اس کو رد کر دیا۔ اس کے بعد مسجد میں نماز کے لیے گئے، وہاں کسی نے ہدیے میں دو روپیے پیش کیے، وہ قبول کر لیے، اس میں سے ایک روپیہ ان کو دیا کہ تم میرے ساتھ ہو تو آدھا ہدیہ تم لے لو۔

خاک آپ کو سمجھنا، اکسیر ہے تو یہ ہے

انھوں نے کہا کہ حضرت! بات سمجھ میں نہیں آئی: آپ تو مجھے یہ کہہ کر ساتھ لائے تھے کہ تمھارے ہاتھ سے سنگِ بنیاد رکھواؤں گا اور جب اس کا وقت آیا تو آپ خود ہی اتر گئے! اور وہاں داعی نے اتنی بڑی رقم ہدیے میں پیش کی، اس کو رد کر دیا اور مسجد میں ایک صاحب نے دو روپیے پیش کیے تو اس کو قبول کر لیا۔

تو حضرت نے جواب دیا کہ بھائی! بات یہ تھی کہ جب سنگِ بنیاد رکھنے کا وقت آیا تو میں نے دیکھا کہ گڑھا بہت گہرا ہے تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے اندر

اترنے کی صورت میں آدمی گر جائے اور موت واقع ہو جائے۔ تم نوجوان ہو، عالمِ دین ہو، اللہ تبارک وتعالی تم سے دین کا کام لے رہے ہیں۔ میں تو بڑھا آدمی ہوں، قبر کے کنارے پہنچ چکا ہوں تو میں نے سوچا کہ میں ہی اتر جاؤں؛ تاکہ اگر موت آجائے تو میری آئے گی۔

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیّور اتنے

اور وہ جو صاحبِ خانہ نے بڑی رقم پیش کی تھی تو بات دراصل یہ ہے کہ میرے اوپر ایک قرضہ تھا اور میں اللہ تبارک وتعالی سے دعا کرتا رہا کہ اے اللہ! اس قرضے کو ادا کروادے۔ جب یہ دعوت آئی تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اللہ تبارک وتعالی نے تیرا قرضہ ادا کرنے کی صورت پیدا فرمادی، دل میں اِشراف پیدا ہوا؛ اس لیے میں نے وہ ہدیہ قبول نہیں کیا اور مسجد کے اندر گئے تو ہمارے خواب وخیال میں نہیں تھا کہ کوئی ہدیہ دے گا؛ اس لیے اس نے جب دو روپیے دئے تو میں نے قبول کر لیے۔

ہم کہاں اور یہ کہاں!

ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: ایک مرتبہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ میوات کا تین دن کا تبلیغی سفر ہوا، گرمی کا زمانہ تھا، مکانات بھی پتھر کے تھے، مسجد بھی پتھر کی تھی، سخت گرمی کا زمانہ تھا، لوگوں کا ایک بڑا ہجوم مصافحہ کے لیے ٹوٹ پڑا۔ مغرب کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد میرے دل میں یہ خیال آیا کہ کہیں تنہائی کی جگہ ملے تو تھوڑی دیر کمر سیدھی کرلوں، اس ارادہ سے

مسجد سے باہر نکلا تو دیکھا کہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی جگہ کی تلاش میں نکلے ہیں؛ تاکہ اوابین پڑھ سکیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ دیکھا تو سوچا کہ ہم کہاں اور یہ کہاں!۔

کامیابی تو کام سے ہوگی

اصل بات جو میں کہنا چاہتا ہوں، وہ یہی ہے کہ ہمارے اکابرین کے یہاں معمولات کی ادائیگی کا کتنا زیادہ اہتمام تھا۔ اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ ہماری زندگیاں اللہ کی یاد سے بھری ہوئی ہوں، چوبیس گھنٹے کا نظام ایسا بنائیں کہ جس میں مختلف شکلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والے ہوں۔

قرآنِ پاک کی تلاوت کا بھی معمول ہو، اگر حافظ ہے تو ہمارے اکابر کم از کم تین پارے فرماتے ہیں اور حافظ نہیں ہے تو ایک پارہ ہونا چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا شوقِ عبادت

حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے اس معمول میں کمی نہیں آنے دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، ان سے حدیث کی بہت ساری روایتیں منقول ہیں، وہ رات بھر نماز پڑھتے تھے، دن بھر روزہ رکھتے تھے، رات بھر نماز کے اندر قرآن پڑھتے تھے۔ ان کے والد صاحب نے ان کا نکاح کرادیا؛ لیکن بیوی کے پاس بھی نہیں جارہے ہیں۔ جب ان کے والد صاحب نے دیکھا کہ بیوی کی طرف توجہ نہیں کررہے ہیں تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی۔

لاکہیں سے ڈھونڈ کراسلاف کا قلب وجگر

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خودان کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا کہ تمھارا معمول کیا ہے؟ قرآن کتنا پڑھتے ہو؟ روزے کس طرح رکھتے ہو؟ رات کی نماز کا کیا معمول ہے؟ انھوں نے اپنی عبادات کی مقدار بتائی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم نماز پوری رات نہیں بلکہ اتنی دیر پڑھو،قرآن اتنا پڑھواورروزے ہمیشہ مت رکھو بلکہ مہینے میں تین روزے رکھ لیا کرو۔ اس پر انھوں نے کہا کہ میں تواس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کوتلاوت وغیرہ کا ایک معمول بتلادیا۔

معمولات کی پابندی ضروری ہے

اس کے بعد جب یہ بڑھے ہوگئے- یہ بخاری شریف کی روایت ہے-اب وہ جو ہمیشہ کا معمول تھا، بڑھاپے میں وہ کبھی کمزوری کی وجہ سے کما حقہ ادانہیں کر سکتے تھے، پھر دوسرے موقع پراس کی قضا کرلیا کرتے تھے۔اس وقت وہ تمنا کرتے تھے کہ کاش! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے جوسہولت دی تھی، میں اس کوقبول کرلیتا①۔ معلوم ہوا کہ یہ جو معمول شروع کیا ہے۔اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

مداومت والا عمل عنداللہ سب سے زیادہ محبوب ہے

بخاری شریف کی روایت ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ عمل محبوب ہے جس پر مداومت کی جائے②۔آپ کی کسی کے ساتھ دوستی ہے اورآپ دن میں ایک وقت مثلاً عصر

①صحیح البخاری،باب حق الجسم في الصوم،کتاب الصوم۔ =

کے بعد پانچ منٹ کے لیے اس کی ملاقات کے لیے جاتے ہیں تو اگر کسی دن آپ اس کی ملاقات کے لیے نہیں جائیں گے تو یاد کرے گا یا نہیں کہ آج کیوں نہیں آیا؟ تعلق کا یہ تقاضا ہے۔

تو ہم نے جب اللہ تبارک وتعالیٰ کو یاد کرنے کے لیے ایک طریقہ اختیار کیا۔ یہ ہم نے اختیار کیا ہے، کوئی فرض یا واجب نہیں ہے۔ تلاوت کی کوئی ایک مقدار ہمیں مقرر کر کے نہیں دی گئی ہے لیکن جب ہم نے اپنا ایک معمول بنایا کہ روزانہ ہم تین پاروں کی تلاوت کریں گے تو اب اگر ہم اس معمول کے مطابق تلاوت نہیں کریں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کا انتظار ہوگا نا؟

عذراً فوت ہونے والے عمل کا بھی اجر ملتا ہے

ہم نے اپنے آپ کو تہجد کا پابند بنا لیا یا اوّابین پڑھتے ہیں تو اب اس کو چھوڑنا نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی عذر کی وجہ سے: سفر کی وجہ سے یا بیماری کی وجہ سے چھوڑی جا رہی ہے تو وہاں سے بھی معاملہ بڑا زبردست کیا جاتا ہے کہ بغیر کیے بھی اس عمل کا ثواب دیا جاتا ہے۔

معمولات کی پابندی اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے

تو ان معمولات کی پابندی کا اہتمام کرنا ضروری ہے، اللہ کی نافرمانی سے بچتے ہوئے، فرائض کا اہتمام کرتے ہوئے ان اعمال کو پابندی کے ساتھ کرتے رہیں۔ یہی

= (۲) صحیح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ، باب القصد والمداومة على العمل، رقم الحديث:٦٤٦٥.

سلسلہ اللہ تبارک وتعالی کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا کرے گا، اس کو باقی رکھے گا اور یہی اللہ کی محبت کے اندر اضافہ کرے گا، اسی کے نتیجے میں اللہ تعالی کے ساتھ ایک تعلق پیدا ہوگا اور اسی کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالی کا استحضار پیدا ہوگا۔

تہجد کا اہتمام کریں۔ اسی طریقے سے جن نوافل کو شروع کیا ہے، ان کی پابندی کا اہتمام کریں، دعاؤں کا اہتمام کریں، قرآنِ پاک کی تلاوت کا اہتمام کریں، تسبیحات کا اہتمام کریں اور ساتھ ہی ساتھ جن مشائخ سے آپ نے بیعت کا تعلق قائم کر رکھا ہے، ان سے رابطے میں رہیں۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا معمولِ تلاوت

میرا ساؤتھ افریقہ کا سفر ہوا تھا، وہاں سے زامبیا بھی جانا ہوا تو وہاں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالا رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے تھے اور حضرت کے بڑے لاڈلے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ: مولانا! حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا قرآنِ کریم کی تلاوت کا معمول کیا تھا؟ انھوں نے بتلایا کہ: روزانہ مختلف نمازوں اور نفلوں میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کم از کم آٹھ نو پاروں کی تلاوت کرلیا کرتے تھے۔ حالاں کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے جو علمی مشاغل تھے، اس کا اندازہ ہم اور آپ سب ان کی تصنیفات کو دیکھ کر لگا سکتے ہیں۔

حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کا معمولِ تلاوت

حضرت مولانا ابراہیم صاحب افریقی دامت برکاتہم نے سنایا:

بنگلہ دیش میں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی جو شروع کے زمانے کے حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، میں نے ان سے کہا: حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ واقعات سنائیے! تو فرمایا: کیا سناؤں! حضرت کے تو بہت سے واقعات ہیں پھر ایک واقعہ سنایا کہ: حضرت ہمیشہ سبق میں کثرت سے فرمایا کرتے تھے کہ: قرآن پڑھو، قرآن پڑھو۔ وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ: میں چھوٹا تھا اور حضرت سے بہت قریب تھا، ایک مرتبہ میں نے پوچھا کہ: حضرت! آپ بار بار کہتے ہیں کہ قرآن پڑھو، قرآن پڑھو؛ آپ کا معمول کتنا ہے؟ اس پر حضرت نے فرمایا: یہ تو بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کا معاملہ ہے اور کسی کے راز کو نہیں کھولنا چاہیے۔ میں نے کہا: کچھ تو بتائیے؛ تا کہ ہمارے لیے عبرت ہو۔ اس پر حضرت نے فرمایا: تہجد میں آٹھ پارے پڑھتا ہوں اور دن بھر میں بے حساب پڑھتا ہوں۔

ایک اور شاگرد سے ملاقات ہوئی، انھوں نے کہا کہ: ایک مرتبہ حضرت نے مجھ سے پوچھا کہ: روزانہ کتنا قرآن پڑھتے ہو؟ میں نے کہا: روزانہ دس پاروں کی تلاوت کرتا ہوں۔ اس پر حضرت نے فرمایا: بس! صرف دس پارے! میں اتنا بوڑھا ہو گیا ہوں؛ اس کے باوجود روزانہ چالیس پارے پڑھتا ہوں۔

مطالعہ یا بہانہ؟

اور ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ مطالعہ کرنا پڑتا ہے، اس کی وجہ سے ہمیں معمولات پورا کرنے کا وقت نہیں ملتا۔ تو کیا مطالعہ صرف ہم ہی کرتے ہیں؟ کتابیں

صرف ہم ہی پڑھاتے ہیں؟ اُن حضرات کو مطالعہ نہیں کرنا پڑتا تھا؟ ہمیں اپنے دوستوں کے ساتھ بات چیت کرنے کا وقت مل جاتا ہے، اخبار پڑھنے کا وقت مل جاتا ہے، اور سارے کام ہوتے ہیں، بس! جہاں معمولات کی ادائیگی کی بات آتی ہے تو وہاں ہم یہی بہانہ کر دیتے ہیں۔ دراصل مطالعہ نہیں؛ بلکہ صرف بہانہ ہوتا ہے۔

جس کو یار نے کہا، اسے یادِ یار آئی

ہم کرنا کچھ نہیں چاہتے اور ساتھ میں یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہم کو بھی اللہ تبارک وتعالی وہ قرب عطا فرمائے، اللہ تبارک وتعالی کی وہ محبت ہمیں بھی حاصل ہو جائے تو یہ کیسے حاصل ہوگی! اللہ تبارک وتعالی کا قرب حاصل کرنے کے لیے، اس کی محبت حاصل کرنے کے لیے بار بار اللہ کو یاد کرنا پڑے گا۔ جتنا اللہ کو یاد کرو گے، اتنی اللہ کی محبت حاصل ہوگی،

محبت دونوں عالم میں یہی جا کر پکار آئی		جسے خود یار نے چاہا، اسے یادِ یار آئی

میری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے

اللہ کو یاد کرنا، یہ بھی اللہ کی محبت ہے، ﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ﴾ [المائدة: ٥٤] اللہ ان سے محبت کرتے ہیں اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ دیکھو! اللہ کی محبت کو مقدم کیا ہے، اصل وہی ہے۔ جب اس کے دل میں اللہ کی محبت ڈالی جاتی ہے تو پھر وہ اللہ سے محبت کرتا ہے۔ گویا ابتدا اُدھر سے ہوتی ہے، شروعات وہاں سے ہوتی ہے۔ جگر مرادابادی کے اشعار ہیں نا!

میری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے		قدم یہ اٹھتے نہیں، اٹھائے جاتے ہیں

چائے کسی حال میں نہیں چھوٹتی

اس لیے اپنے اوقات کو منضبط کرو اور ایک نظام الاوقات بناؤ۔ آج ہماری زندگیوں کا حال یہ ہے کہ ہمارا کوئی نظام الاوقات ہے ہی نہیں۔ ہماری طبعی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ہم نے ایک نظام بنایا ہوا ہے، ہم میں سے ہر ایک آدمی صبح کو چائے پیتا ہے، ناشتہ کرتا ہے، دوپہر کو کھانا کھاتا ہے، شام کو کھاتا ہے، آرام کا ایک وقت مقرر ہے، غسل کا اور کپڑے بدلنے کا وقت ہے۔ یہ سب ہم اس لیے کرتے ہیں؛ تاکہ ہمارا جسمانی نظام ٹھیک رہے۔ اگر کھانا نہیں کھائیں گے، آرام نہیں کریں گے، غسل کر کے صفائی نہیں کریں گے تو بیمار ہو جائیں گے۔ ہمارے جسمانی نظام کے ہم اتنے پابند ہیں کہ صبح کی چائے کی بات ہی لے لو کہ بارش کتنی بھی ہو، رات بھر بارش ہوتی رہی اور پورے گھر میں پانی ٹپکتا رہا، لیکن جب صبح میں اٹھیں گے تو بیوی سے کہیں گے کہ کسی کونے میں پرائمس جلا کر پہلے چائے رکھ دو، پھر صفائی ہوتی رہے گی۔ کسی بھی حال میں چائے نہیں چھوڑیں گے۔

روحانی نقصان ہماری سمجھ میں نہیں آتا

میں کہا کرتا ہوں کہ جب سے ہم پیدا ہوئے اسی وقت سے ماں کا دودھ پیتے رہے اور جب سے دودھ چھوڑا، اس دن سے کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ ہم دو، تین یا چار وقت کھانا نہ کھاتے ہوں۔ اب میں آپ سے کہوں کہ آپ کی عمر تیس سال ہوئی اور تیس

سال سے آپ روزانہ کھانا کھاتے ہیں؛ اس لیے اب ایسا کرو کہ دو دن کھانا مت کھاؤ تو آپ کہیں گے کہ: مولوی صاحب! دو دن کھانا نہیں کھائیں گے تو کمزوری آجائے گی، پاؤں لڑکھڑانے لگیں گے۔

ارے بھائی! تیس سال سے کھانا کھا رہے ہو اور پھر بھی کہہ رہے ہو کہ کمزوری آجائے گی؟ اور یہاں حال یہ ہے کہ بیعت ہوئے ایک مہینہ بھی نہیں ہوا ہے اور ابھی تو تسبیح شروع کی ہے اور یہاں سے گھر گئے، قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہے ہیں تو ہمارا نفس کہتا ہے کہ روزانہ تو آدھا پارہ پڑھتے ہی ہو، اگر ایک دن چھوڑ دو گے تو کیا نقصان ہو جائے گا؟ دراصل جسمانی نقصان تو ہماری سمجھ میں آتا ہے لیکن روحانی نقصان ہماری سمجھ میں نہیں آتا اور ہمارے اکابرین اپنے ایک معمول کو بھی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

تجارت کی کمی نظر آتی ہے، دین کی نہیں

ایک تاجر روزانہ ہزار روپیہ کماتا ہے، اگر کسی دن ہزار کے بجائے نوسو ننانوے کمائے تو اس کو کوئی نقصان ہو جائے گا؟ بالکل نہیں۔ اس کی تجوری پیسوں سے بھری ہوئی ہے لیکن اس کو فکر سوار ہو جاتی ہے کہ ارے یار! نوسو ننانوے کیوں ہو گئے، ایک کم کیوں ہوا؟ اس کو تو اتنی فکر ہو جاتی ہے لیکن دین کے معاملہ میں ہمیں کوئی پرواہ ہی نہیں ہوتی۔

زوال بندۂ مؤمن کا بے زری سے نہیں

آج کل امت فتنوں کا شکار ہے اور لوگ بے چین کرنے والے مختلف پریشان کن

حالات کے اندر گھرے ہوئے ہیں، اس کی ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ ہماری زندگیاں اللہ کے ذکر سے خالی ہو چکی ہیں۔

یہ بھی نفس وشیطان کا ایک دھوکہ ہے

علماء جو مدرسوں میں پڑھنے پڑھانے والے ہیں، یا دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والے احباب چلہ چار مہینے دیتے ہیں، سال لگاتے ہیں یا دین کے دیگر شعبوں میں کام کرنے والے حضرات سبھی ایک دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ مدرسہ میں پڑھانے والے کہتے ہیں کہ ہم صبح سے لے کر شام تک قرآن پاک ہی تو پڑھتے پڑھاتے ہیں، قرآن کریم کی تفسیر کرتے ہیں، حدیث پاک پڑھتے پڑھاتے ہیں؛ یہ سب ذکر اللہ ہی تو ہے؛ اب ان کو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ پھر ذکر اللہ کی کیا ضرورت ہے؟

بے شمار دینی مشاغل کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بوقتِ شب ذکر وشغل کا حکم

تو سنئے! قرآن پاک ہی میں اس کا جواب بھی موجود ہے، باری تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سورۂ مزمل میں فرمایا ہے: ﴿اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا﴾ اے نبی! دن بھر آپ کو بڑی مشغولیت رہتی ہے، اب رات میں آپ کو کیا کرنا چاہئے؟ ﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ﴾ اپنے رب کو یاد کرو، ﴿وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا﴾ اور سب لوگوں سے کٹ کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ ﴿فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾ اے نبی! جب آپ اپنے دن بھر کے مشغلوں سے فارغ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں

اپنے آپ کو تھکائیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دن بھر اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کیا تھا؟ آپ ہی بتلائیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشغولیت کیا تھی؟ کیا کوئی تجارت تھی؟ کھیتی باڑی تھی؟ کوئی کارخانہ تھا؟ نہیں! بلکہ دعوت اور تعلیم وتربیت کا کام کیا کرتے تھے اور جس اخلاص کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انجام دیتے تھے؛ ویسا کوئی اور کیا کرسکتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام کا کوئی اندازہ ہی نہیں لگایا جاسکتا ہے، وہاں تو ذرّہ برابر ملاوٹ کا شائبہ نہیں تھا، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتے ہیں کہ دن بھر تو آپ اسی میں لگے رہتے ہیں؛ لہٰذا رات میں سب سے ہٹ کٹ کر اللہ کی طرف متوجہ ہوجائیے۔

ذکر: ہمارے دینی کاموں میں جان ڈالنے والا اکسیر نسخہ

دن بھر ہم جو کام کرتے ہیں، وہ یقیناً دین کے کام ہیں اور اللہ ہی کا حکم پورا کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود یاد رکھیں کہ یہ کام ذکر اللہ کا بدل نہیں بن سکتے اور جب تک ذکر اللہ نہیں ہوگا، وہاں تک ان کاموں کے اندر بھی جان نہیں پڑے گی۔ درس وتدریس، وعظ وتذکیر، تصنیف وتالیف، دعوت وتبلیغ اور جتنے بھی دینی کام ہیں ان تمام کو انجام دینے والوں کے لیے تو بہت ہی ضروری ہے کہ ذکر اللہ کا خوب اہتمام کریں، ذکر اللہ کو اپنے اوقات کے اندر خاص طور پر شامل کرلیں۔

سورۂ مزمل کا سبق

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ مزمل کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: سورۂ

مزمل ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ دین کا کام کرنے والوں کو چاہئے کہ دن کا وقت تو دینی کاموں کے لیے رکھیں اور رات کا وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی یاد کے لیے فارغ کریں۔

اللہ تعالی کی عبادت روحانی چارجنگ ہے

اور اللہ کی عبادت میں مشغول ہونا یہ بیٹری چارجنگ ہے، جیسے آپ دن بھر موبائل استعمال کرتے ہیں تو رات کو اس کو چارجنگ میں رکھنا پڑتا ہے، اگر چارجنگ میں رکھیں گے، تب ہی دوسرے دن کام دے گا؛ ورنہ نہیں۔

اسی سے ہے تیرے نخلِ کُہن کی شادابی

بندوں کے ساتھ جو یہ محنت کی جاتی ہے، اس کا اللہ تبارک وتعالی نے حکم دیا، نبیوں کو اسی لیے بھیجا جاتا ہے کہ نبی اللہ تبارک وتعالی کے احکام کو لوگوں تک پہنچائیں، ان کو ایمان واسلام کی دعوت دیں لیکن اس دوران لوگوں کے ساتھ مشغولی کے نتیجے میں ان کے ساتھ جو اختلاط ہوتا ہے۔ اب ہم یہ باتیں کریں گے تو اس کے نتیجے میں ہمارا قلب ان کے قلب کی طرف متوجہ ہوگا تو یہ قلوب کے جو اثرات ہیں، وہ دعوت دینے والے کے قلب میں بھی آئیں گے، میل آئے گا، اندر کی کدورتیں آئیں گی۔ ان کو صاف کرنے کے لیے رات کی تنہائیوں میں اللہ تبارک وتعالی کی طرف تبتُّل اور سب لوگوں سے منقطع ہو کر اللہ تبارک وتعالی کے ساتھ تعلق قائم کرنے کی ضرورت ہے، جب تک کہ یہ نہیں ہوگا، وہاں تک ہمارے اعمال میں جان پڑنے والی نہیں ہے۔

قلب پر لوگوں کے ساتھ اختلاط کا اثر پڑتا ہے

ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے براہِ راست بھی کئی مرتبہ سنا اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی میں نقل کیا ہے کہ: حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: جب کسی اجتماع میں شرکت کی نوبت آتی ہے تو اس سے فراغت کے بعد میں یا تو ذکر کے ماحول میں جانے کے واسطے رائپور کی خانقاہ میں چلا جاتا ہوں، اور اگر اس کا موقع نہ ہوا تو نظام الدین میں رہتے ہوئے اعتکاف کر لیتا ہوں؛ تا کہ اجتماع میں مشغول رہنے کے نتیجے میں لوگوں کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے قلب پر جو غبار اور میل آجاتا ہے، وہ دور ہو جائے۔

حالاں کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا روحانی مقام کتنا بلند ہے! اور پھر اس زمانے کے اجتماعات، اس زمانے کے لوگوں کے مقامات جو اس میں شرکت کرتے تھے! تو ہمارے اس زمانے میں اس کی کتنی زیادہ ضرورت ہو سکتی ہے؟ آپ اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

یہ مثل سچ ہے کہ صحبت کا اثر ہوتا ہے

یاد رکھیں کہ ہر چیز جہاں اپنا اثر دکھلاتی ہے تو ساتھ ہی سامنے والے کا اثر بھی قبول کرتی ہے۔ جیسے چھری سے آپ جب کسی چیز کو کاٹیں گے تو چھری سامنے والی چیز کو ضرور کاٹتی ہے، لیکن سامنے والی چیز بھی اس پر اپنا اثر ڈال دیتی ہے کہ وہ چیز چھری کی دھار کو کند کر دیتی ہے، چنانچہ سبزی اور ترکاری کاٹتے ہیں تو ہر آٹھ دس دن کے بعد

چھری کی دھار کو گھسنا پڑتا ہے لیکن جانور کو ذبح کرنے والوں کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایک جانور کاٹتے ہیں اور چھری کی دھار کو تیز کرتے ہیں۔جیسا جیسا کام ہوتا ہے اسی کے مطابق چھری کی دھار کند ہوجاتی ہے تو چھری کاٹتی ہے لیکن سامنے والی چیزیں بھی اس پر اپنا اثر کرتی ہیں۔

آدمی کیا! درودیوار بدل جاتے ہیں

اسی طرح جب آپ دین کا کام کرنے کے لیے لوگوں کے ساتھ ربط میں آئیں گے تو لوگوں کے قلوب کے اندر جو کدورتیں ہیں، وہ آپ کے قلب پر ضرور اثر انداز ہوں گی، اسی کو دور کرنے کے لیے ذکر اللہ کا اہتمام ضروری ہے، اس کے بغیر یہ کدورتیں دور نہیں ہوگی۔اگر ہم اپنے معمولات نہیں کریں گے تو ایک دن آئے گا کہ ہمارے قلوب ذکر اللہ کے انوار سے خالی ہوجائیں گے اور پھر دین کا جو بھی کام کریں گے، چاہے پڑھنے پڑھانے کا ہو یا دعوت وتبلیغ کا ہو یا دیگر جو کام بھی ہو؛ وہ خالی ایک دھندارہ جائے گا، اس میں کوئی جان اور روح نہیں رہے گی۔روح ڈالنے کے لیے تو ذکر اللہ ہی کی ضرورت ہے۔

ایک خلجان اور اس کا دفعیہ

اب یہی بات ہمارے مولویوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔وہ یوں کہتے ہیں کہ وہ بھی عبادت ہے اور ہم جو کام کر رہے ہیں، یہ بھی اللہ ہی کا کام ہے۔ہاں بھائی! سب اللہ ہی کے کام ہیں لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ اصول فقہ کی کتابوں میں حسن کی قسمیں بیان کی

ہیں، ایک حسن لعینہٖ اور دوسری حسن لغیرہٖ۔ ذکر اللہ حسن لعینہٖ ہے اور دن بھر جو کام ہم انجام دیتے ہیں، چاہے درس وتدریس ہو یا دعوت وتبلیغ ہو وغیرہ وغیرہ؛ یہ سب حسن لغیرہٖ ہیں۔ ذکر اللہ سے تعلق سیدھا اللہ تعالیٰ کی ذات سے قائم ہوتا ہے اور یہ چیزیں بھی اللہ تعالیٰ تک لے جانے والی ہیں لیکن ان میں واسطہ سیدھا اللہ سے نہیں پڑتا بلکہ مخلوق سے پڑتا ہے اور مخلوق کے اثرات آتے ہیں، ان ہی اثرات کو دور کرنے کے لیے ہمارے اکابر کے یہاں ذکر اللہ کا بڑا اہتمام تھا۔

ہمارے اکابر کے یہاں ذکر کا اہتمام

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور اسی طریقے سے حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے تمام اکابرین کے یہاں ذکر اللہ کا بڑا اہتمام رہا ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا کتنا اونچا مقام ہے، حضرت کو ہماری جماعت کے اندر سب سے اونچا سمجھا جاتا ہے لیکن ظہر کی نماز کے بعد کمرے کا دروازہ بند ہو جاتا تھا، عصر تک کسی کو ملاقات کی اجازت نہیں تھی، لوگوں نے کان لگا کر سنا تو معلوم ہوا کہ ذکر کر رہے ہیں۔

ذکر جہری علاج ہے

ذکر جہری اگرچہ مسنون نہیں ہے، علاج کے طور پر کیا جاتا ہے۔ ہمارے قلوب پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہونے کی وجہ سے ان ساری عبادتوں کے جو اثرات مرتب ہونے چاہئیں، وہ ہوتے نہیں ہیں۔

جیسے ایک آدمی کا معدہ خراب ہو تو وہ زردہ، بریانی کھائے گا یا عمدہ غذا کھائے گا تو اس عمدہ غذا کھانے سے بھی اس کو فائدہ نہیں ہوگا، اس سے جو قوت پیدا ہونی چاہیے، وہ نہیں ہوگی، خون جو بننا چاہیے، وہ نہیں بنے گا۔ خون تو تب بنے گا جب معدہ ٹھیک طرح کام کرے گا لیکن اگر معدہ ہی خراب ہے تو اس کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ اس کا علاج کرے۔

دین کا کام کرنے والوں کے لیے ذکرِ جہری نہایت اہم ہے

یہ ذکرِ جہری علاج کے طور پر ہے اور غفلت کے ان پردوں کو ہٹانے کے لیے ہے، سلسلۂ چشتیہ کے اندر اس کی بڑی اہمیت ہے، خاص کر کے دین کا کام کرنے والوں کے لیے تو نہایت ہی اہم ہے۔ اس لیے اس کا بڑا اہتمام کرنا چاہئے۔ ''اکابر کا رمضان'' میں آپ نے سنا ہوگا کہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا موت تک کبھی ذکرِ جہری نہیں چھوٹا۔ رمضان المبارک کے علاوہ تہجد کے بعد کرتے تھے اور رمضان المبارک میں عصر کی نماز کے بعد کرتے تھے، مغرب سے کچھ منٹ پہلے ختم فرماتے تھے۔ اسی طرح حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور سارے اکابر کے یہاں ان چیزوں کا بڑا اہتمام تھا۔

اور ہم یوں سمجھتے ہیں کہ ہم یہ سب کچھ کر رہے ہیں؛ اس لیے ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ درحقیقت اسی کے چھوڑ دینے نے ہمارے سارے کاموں کو بے جان کر رکھا ہے، اگر ان میں جان ڈالنی ہو تو ضرورت ہے کہ اس کا اہتمام کیا جائے، اس کے

بغیر اس میں جان نہیں پڑے گی۔ یہ بہت اہم نکتہ ہے، اس کو ملحوظ رکھئے۔

براہِ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ لو لگانا بھی ضروری ہے

میں ایک مثال سے اس کو سمجھاتا ہوں لیکن بہت سوں کی کھوپڑی میں اس کے باوجود نہیں آتا، اس پر بھی ایک نظر ڈالیے! ہم نے قرآن پڑھایا، حدیث پڑھائی؛ کیا یہ کوئی دنیا ہے؟ نہیں! اللہ کا حکم پورا کر رہے ہیں لیکن پھر بھی اس پر وہ قرب نہیں ملے گا جو اللہ کے ذکر پر ملے گا۔ جیسے شادی ہوئی، میاں بیوی دونوں اکیلے ہیں، دونوں ایک دوسرے کے اندر مست ہیں ''من تو شدم تو من شدی، من جاں شدم تو تن شدی'' جیسا معاملہ ہے، اب ایک سال کے بعد ان کے یہاں ایک تیسرا فرد وجود میں آیا، جب یہ بچہ آیا تو بیگم صاحبہ کبھی اس کو دودھ پلا رہی ہیں، کبھی اس کو نہلا رہی ہیں، کبھی سلا رہی ہیں، غرض یہ کہ اس کے کاموں میں مشغول رہتی ہے۔ اب میاں صاحب کو شکایت ہوگئی کہ تو تو میری طرف دھیان ہی نہیں دیتی، اس بچے کی طرف ہی دھیان دیتی ہے۔ اب اگر بیوی جواب میں کہے کہ: یہ بچہ بھی آپ کا ہی تو ہے، اس بچے کے جو کچھ کام بھی میں کر رہی ہوں، وہ آپ کے تعلق کی وجہ سے ہی تو کر رہی ہوں، بچے کی جو خدمت کر رہی ہوں وہ کوئی دوسرا کام نہیں بلکہ درحقیقت آپ کا ہی حق ادا کر رہی ہوں، گویا یہ بھی آپ کی ہی خدمت ہے تو آپ کیا کہیں گے کہ: ہاں! سب کچھ برابر ہے، لیکن جو خالص میرے حقوق ہیں، یہ خدمت ان کی برابری نہیں کر سکتی۔

اسی طرح آپ قرآن پڑھتے پڑھاتے ہیں، تفسیر اور حدیث پڑھا رہے ہیں،

عقائد پڑھ رہے ہیں، فقہ کا درس دے رہے ہیں، دعوت وتبلیغ کا کام کر رہے ہیں؛ یہ سب اللہ تعالیٰ کے ہی کام ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ سیدھی لو بھی لگانا ضروری ہے، اس کے بغیر بات نہیں بنے گی۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں

اب ذکر اللہ کی مختلف شکلیں ہیں، پہلی چیز قرآن کریم کی تلاوت ہے۔ دین کا کام کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ روزانہ قرآن پاک کی تلاوت کریں۔ دعوت وتبلیغ والے بہت سارے اپنے احباب جو مجھ سے تعلق رکھتے ہیں، ان سے کہا کرتا ہوں کہ فضائل قرآن روزانہ دس پندرہ منٹ سنتے ہو لیکن قرآن کریم کتنا پڑھتے ہو؟ تو کہتے ہیں کہ وہ تو نہیں پڑھتے۔ بھائی! فضائلِ قرآن زندگی بھر پڑھتے رہو اور تلاوت نہ کرو۔ فضائلِ ذکر زندگی بھر پڑھتے رہو اور تسبیح ایک بھی نہ پڑھو؛ تو اس سے کیا فائدہ ہوا؟ تعلیم تو ایک ذریعہ ہے اور تسبیح وقرآن پڑھنا یہ اصل مقصود ہے۔ میں اس کی تعلیم سے منع نہیں کرتا بلکہ میں بتلانا چاہتا ہوں کہ اس کے پڑھنے کا جو مقصد ہے وہ تو ہم حاصل نہیں کرتے۔

ہماری بے حسی

ہم اہلِ علم کا حال کیا ہے؟ اپنے دل سے پوچھئے، روزانہ کتنی تسبیحات پڑھتے ہیں؟ کتنی مرتبہ تیسرا کلمہ پڑھتے ہیں؟ کتنی مرتبہ چوتھا کلمہ پڑھتے ہیں؟ کتنی مرتبہ استغفار پڑھتے ہیں؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو فرماتے ہیں: وَإِنِّي لأَسْتَغْفِرُ اللهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ[1]:

---

(۱) صحيح مسلم، عَنِ الْأَغَرِّ الْمُزَنِيِّ، بَابُ اسْتِحْبَابِ الِاسْتِغْفَارِ وَالِاسْتِكْثَارِ مِنْهُ، رقم :۲۷۰۲

میں دن میں سو مرتبہ استغفار پڑھتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو دن میں سو سو مرتبہ استغفار پڑھتے ہیں۔ حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو معصوم تھے، یہ تو امت کی تعلیم کے لیے کرتے تھے اور جن کی تعلیم کے لیے کیا جارہا ہے، وہ غافل ہیں! اس لیے ہمیں اپنے معمولات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

یادِ الٰہی کو دلوں میں مستحکم کرنے کے مختلف طریقے

بیعت ہونے کے بعد جو ذکر دئے جاتے ہیں، وہ دل کو مزید مضبوط کرنے اور اس کو جمانے کے لیے دئے جاتے ہیں۔ مشائخ نے اس کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے ہیں کہ بھائی! جہراً ذکر کیا جائے، ضرب لگائی جائے۔ یہ مقصود نہیں، علاج کے طور پر ہے، دل کو ذکر میں جمانے کے لیے مشائخ نے اختیار کیا ہے اور ''پاس انفاس'' ہے کہ ہمارا کوئی لمحہ ذکر سے خالی نہ جائے، اس کے لیے ''پاس انفاس'' کا طریقہ ہے کہ ہر سانس پر ذکر کیا جائے۔

اور یہ بتایا جاتا ہے کہ آدمی جب ذکر کرے تو یہ تصور کرے کہ میرے ساتھ ہر چیز ذکر کررہی ہے: قلب ذکر رہا ہے، یہ دروازہ ذکر رہا ہے، دیوار ذکر رہی ہے، آسمان ذکر کررہا ہے، کائنات کی ہر چیز ذکر رہی ہے اور حقیقت میں بھی ہر چیز ذکر میں مشغول ہے: ﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾، یہ بات اور ہے لیکن مذکورہ تصور کے ساتھ جب آدمی ذکر کرتا ہے، تو یہ چیز اس کے دل ودماغ پر ایسی مستولی ہوتی ہے کہ یہ چیز اس کے دل کے اندر جم کر مضبوط ہوجاتی ہے۔

حضرت داودؑ کے ساتھ ذکرِ الٰہی میں پہاڑوں اور پرندوں کی شرکت

قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالی نے حضرتِ داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے بارے فرمایا ہے: ﴿وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاودَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ﴾[الأنبياء:۷۹]: ہم نے داود کے لیے پہاڑوں کو اور پرندوں کے مسخر کردیا تھا کہ جب وہ اللہ کی تسبیح پڑھتے تھے تو اس وقت پہاڑ اور پرندے بھی ان کے ساتھ اللہ کی تسبیح پڑھتے تھے، اس کو اللہ تبارک وتعالی نے قرآن میں اپنے انعام کے طور پر ذکر کیا۔

پہاڑوں اور پرندوں کو شریک کرنے کی حکمت

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ ''مسائل السلوک'' میں فرماتے ہیں کہ اگر وہ اللہ کی تسبیح پڑھتے ہیں تو اس کی وجہ سے حضرتِ داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام پر اللہ کا احسان کیا ہوا؟ یہ سوال پیدا ہوتا ہے تو حضرت فرماتے ہیں کہ جب ذکر کرنے والے کے ساتھ ذاکرین کا ایک مجمع ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے ذکر کرنے والے کے قلب پر بھی اس کی ایک کیفیت اور لذت طاری ہوتی ہے اور اس کی تاثیر بڑھ جاتی ہے؛ اس لیے یہ حضرتِ داودؑ پر اللہ تبارک وتعالی کا احسان تھا، اسی وجہ سے ہمارے مشائخ ذکر کی مجلسیں قائم کرتے ہیں۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہم جو چیزیں لے کر چل رہے ہیں، یہ سب ظاہری شکلیں ہیں۔ ان کاموں کے ساتھ جب تک اللہ تبارک وتعالی کا ذکر نہیں ہوگا، اس کی ذات کا استحضار نہیں ہوگا، وہاں تک ان کاموں میں جان پڑنے والی نہیں ہے لیکن ہمارا حال کیا

ہوگیا ہے؟

اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار

کسی مولوی صاحب سے پوچھیں جو بخاری شریف پڑھاتے ہیں یا حدیث پڑھاتے ہیں کہ آپ روزانہ قرآنِ پاک کی کتنی تلاوت کرتے ہیں؟ تو ان کے پاس جواب نہیں ہوتا، خاموش ہوجاتے ہیں اور بہت سے کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آدھا پارہ، بعض تو کہتے ہیں کہ تلاوت کی نوبت نہیں آتی، یا کم آتی ہے۔ مدرسوں میں کام کرنے والے، پڑھانے والے مدرسین سے پوچھ لو، پڑھنے والے طلباء سے پوچھو، حفظ کا درجہ اپنی جگہ ہے، اس کے علاوہ باقی درجات والے جتنے ہیں، ان سے پوچھو کہ قرآن کی تلاوت کا ان کا کتنا معمول ہے؟ بہت سوں کو تو آٹھ دس دن گزر جاتے ہیں اور وہ قرآن ہاتھ میں نہیں پکڑتے۔ دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والوں سے پوچھ لو؛ وہ قرآن کتنا پڑھتے ہیں؟

تہجد کے بعض فوائد

ایک چیز تہجد ہے، یہ بھی ہر ایک کے لیے ضروری ہے، یہ تو کسی حال میں فوت نہیں ہونی چاہئے؛ اس لیے کہ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ساتھ جیسا تعلق پیدا ہونا چاہئے، وہ پیدا نہیں ہوتا۔ ترمذی شریف میں روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ”عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَاِنَّه داب الصَّالِحِيْنَ قَبْلَكُمْ“ تم قیام اللیل کو لازم پکڑو؛ یہ تم سے پہلے جتنے بھی صالحین گزرے ہیں، ان سب کا طریقہ رہا ہے۔ ہم بھی اگر صالحین کی جماعت

میں اپنے آپ کو شامل کرنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ ہم بھی اس کا اہتمام کریں۔

”وَقُرْبَةٌ اِلَى اللهِ“: اور ہمارے لیے ہمارے رب کے قرب کا ذریعہ ہے۔

”وَمَنْهَاةٌ عَنِ الْاِثْمِ“: اور گناہوں سے روکنے والی ہے۔

”وَتَكْفِيْرٌ لِلسَّيِّئَاتِ“: اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کا کفارہ ہے۔

”وَمَطْرَدَةٌ لِلدَّاء عَنِ الْجَسَدِ“: اور جسم سے بیماری کو دور کرنے والی ہے۔

غور کرو کہ اس کے کتنے سارے فائدے بتائے گئے ہیں! اس سے گناہوں سے بچنا بھی نصیب ہوتا ہے۔ جو لوگ تہجد کا اہتمام کرتے ہیں، وہ بہت سی بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں، آپ نے دیکھا ہوگا کہ عام طور پر ان کی صحت ٹھیک رہتی ہے، صحت کو برقرار رکھنے میں تہجد کا اہتمام بہت زیادہ مؤثر ہے؛ اس لیے ہر ایک کو چاہئے کہ اس کا اہتمام کرے[①]۔

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے

آج تو زمانہ ایسا آگیا کہ تہجد تو دور کی بات رہی، فجر کی نماز میں غائب رہتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نمازیں بجائے پانچ کے چار ہی فرض کی ہیں۔ مسجد میں آپ جائیں، مغرب اور عشاء میں تو بھری ہوئی نظر آئے گی اور فجر میں دیکھیں گے تو خالی نظر آئے گی۔ اچھے اچھے دین دار لوگ اور دین کا کام کرنے والے، پڑھنے پڑھانے والے بھی فجر کی جماعت میں غائب ہوتے ہیں۔ حالاں کہ جماعت

---

① سنن الترمذي، عَنْ بِلَالٍ ؓ، رقم الحديث: ۳۵۴۹.

کوئی معمولی چیز نہیں ہے، جماعت کا بڑا ہی اہتمام ہونا چاہئے۔

باجماعت نماز: ہمارے اسلاف اور ہم

وہ اعذار جن کی وجہ سے جماعت چھوڑنے کی اجازت ہے، وہ بھی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ نورالایضاح میں باقاعدہ ایک عنوان ہے کہ کن اعذار کی وجہ سے جماعت چھوڑ سکتے ہیں، ہمارے اکابر تو ان اعذار کی حالت میں بھی جماعت نہیں چھوڑتے تھے۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ آخری عمر میں جب بیمار تھے، ایسی بیماری کی حالت میں بھی حضرت کی چارپائی مسجد کے اندر لائی جاتی تھی اور چارپائی پر لیٹے لیٹے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ معلوم ہوا کہ جماعت کی نماز بھی بہت اہم چیز ہے۔ آج کل اہلِ علم اور اہلِ دین کے طبقے میں اس کی طرف سے بھی بہت زیادہ غفلت آگئی ہے، جماعت کی نماز کی طرف سے کسی حال میں بھی غفلت نہ برتی جائے اور اس کا بڑا اہتمام کیا جائے۔

ہاتھ پھیلانے میں محتاج کو غیرت کیسی

اور ایک بات یہ ہے کہ ہم سے دعائیں چھوٹ گئیں۔ حالاں کہ حدیث کی کتابوں میں ''کتاب الدعوات'' کے عنوان سے مستقل باب ہے؛ اس لیے دعاؤں کا اہتمام کیا جائے۔

دعا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ایک بہت بڑی طاقت ہے۔ ہر نبی کو اللہ نے جو بڑی طاقت عطا فرمائی، وہ دعا ہی ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: لِكُلِّ نَبِيٍّ

دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ①: ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے مستجاب ومقبول دعا عطا کی ہے۔

دعا کے متعلق بھی لوگوں کو شکایت ہے کہ وقت نہیں ملتا۔ عجیب بات ہے ایک ہی بہانہ ہے کہ وقت نہیں ملتا۔ ہم نے اپنے اوقات کو ضائع کر دیا ہے۔

نظام الاوقات بنایئے

اس لیے نظام الاوقات بناؤ۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ نظام الاوقات بنایا لیکن دو دن سے زیادہ نہیں چلتا۔ دراصل شیطان ہمیں اللہ تعالیٰ سے غافل رکھنا چاہتا ہے، اس کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ ہمارا نظام الاوقات چلنے نہ پائے۔ اس لیے آپ ہمت سے کام لیجیے اور جو نظام الاوقات (ٹائم ٹیبل) بنایا ہے، اس کے مطابق برابر کرتے رہیے، کچھ بھی ہو جائے اس کا اہتمام کیجیے۔ ایک مدت تک آپ کو ذرا ہمت اور مضبوط ارادے سے کام لینا پڑے گا۔ اس کے بعد سب ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا اور جب تک نظام الاوقات نہیں بنے گا، وہاں تک بات بننے والی نہیں ہے۔

نمازوں کو ان کے مقررہ اوقات میں ادائیگی کے حکم کی حکمت

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾[النساء:۱۰۳] ہم سے پانچ وقت کی نمازیں ان کے مقررہ اوقات میں پڑھوائی گئی ہیں، اس کی جو حکمتیں اہل علم بتلاتے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مقررہ اوقات میں پانچ وقت کی نماز اللہ تعالیٰ نے فرض کر کے ہمیں گویا یہ بتلایا اور ہماری تربیت فرمائی کہ تمہاری زندگی کیسی

---

① صحيح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ، باب اخْتِبَاءِ النَّبِيِّ ﷺ دَعْوَةَ الشَّفَاعَةِ لأُمَّتِهِ.

ہونی چاہئے؟ وقت کی پابندی ہونی چاہئے اور ہمارا ایک نظام الاوقات ہونا چاہیے۔

تو ہی اگر نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

بہر حال! ذکر اللہ کا اہتمام ہو، قرآنِ پاک کی تلاوت کا اہتمام ہو۔ جو حافظ ہیں، وہ تین پارے، پانچ پارے اور ایک منزل پڑھیں۔ ہمارے اکابر روزانہ ایک منزل پوری کرتے تھے۔ آج بھی ایسے لوگ ہیں جو طلب علم اور درس وتدریس کے ساتھ روزانہ ایک ایک منزل اور دس پارے پڑھتے ہیں، کبھی بھی ناغہ نہیں کرتے۔ اپنے سارے کاموں کے ساتھ آدمی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، ارادہ کرے اور پھر ہمت سے کام لے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اس کی مدد فرمائیں گے؛ ورنہ

تو ہی اگر نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

ہم نہیں کرنا چاہتے تو ہمارے پاس بے شمار بہانے ہیں، محنت کر کے تو دیکھو، اس پر آنے کی کوشش تو کرو۔

خدا کی راہ میں جہد وعمل کا کیا کہنا

اور یہ بھی سمجھ لو کہ یہ چیز ایک دم سے حاصل نہیں ہو جائے گی بلکہ کرتے کرتے إن شاء اللہ راستے ہموار ہوں گے۔ قرآنِ پاک میں بھی ارشاد فرمایا گیا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ [العنكبوت:٦٩] ہمارے راستے میں جو لوگ محنت کریں گے، ہم اپنا راستہ ان کو دکھائیں گے بلکہ بعض حضرات نے ترجمہ کیا ہے کہ: ہم اس کا ہاتھ پکڑ کر لے جائیں گے۔ گویا اللہ کی طرف سے پوری مدد ہوگی۔

سختیٔ رہ سے نہ ڈر، اِک ذرا ہمت تو کر

ذکر اللہ کا مطلب یہ ہے کہ تلاوت کا ایک معمول ہو، صبح وشام کی تسبیحات کا اہتمام ہو، تیسرا کلمہ، چوتھا کلمہ، پہلا کلمہ، درود شریف، استغفار کا صبح وشام اہتمام ہو۔ نوافل، تہجد، اشراق، چاشت، اوابین اور اسی طریقہ سے دعاؤں کا بھی اہتمام ہو اور اپنے دینی کام کرنے کے علاوہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ذکر اللہ کا اہتمام ہو۔ جیسا کہ میں نے بتلایا کہ ہمارے اکابرین کا روزانہ سوا لاکھ اسم ذات ''اللہ اللہ'' پورا ہوتا تھا، ہم اور آپ تو تصور بھی نہیں کر سکتے کہ سوا لاکھ کیسے ہوگا، ہماری عقل اور کھوپڑی میں آتا ہی نہیں، لیکن جب کوشش کریں گے تو پھر خود بھی دیکھیں گے کہ کیسے ہو جاتا ہے۔

نیک رہنے کے لیے نیک ماحول ضروری ہے

اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہاں اعتکاف میں بٹھایا، یہاں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد میں لگایا، اب یہاں سے جانے کے بعد بھی ہمیں اس کا اہتمام اور اس کی کوشش کرنی ہے اور دیکھو! یہاں رہ کر جن عبادتوں کو انجام دیتے رہے، یہاں سے جانے کے بعد بھی ان کا پورا اہتمام ہو۔ اس کے لیے پہلے والا ماحول اور فضا جو اس کے خلاف ہو، اس سے اپنے آپ کو دور رکھنا ضروری ہے۔

ہمارے مزاج کا بچپنہ

ہمارا مزاج تو ایسا ہے جیسے: ایک بچہ گھر سے باہر نکلا اور گندگی کے اندر پڑا، پھر گھر میں آیا تو ماں نے اس کے کپڑے اتار کر نہلایا، پاؤڈر لگایا، اچھے کپڑے پہنائے

اور پانچ منٹ کے بعد پھر باہر گیا تو پھر سے گندا ہو گیا۔

اب وہ تو بچہ ہے، نادان ہے، کچھ نہیں سمجھتا کہ گندگی کیا چیز ہے اور اپنے آپ کو اس سے نہیں بچاتا ہے لیکن ہم تو سمجھ دار ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل عطا فرمائی ہے، اس لیے جب یہاں آکر اس طرح وقت گزارا تو اب یہاں سے جا کر جیسے تھے ویسے کے ویسے ہی نہیں بن جانا ہے؛ ورنہ تو پھر پوری زندگی بھی اگر ایسا ہی کرتے رہیں گے، تب بھی کوئی تبدیلی ہونے والی نہیں ہے۔

نفس کا اژدہا، ذرا دیکھ ابھی مرا نہیں

جیسے آپ نے ایک پودا لگایا تو اس کو روزانہ پانی پلایئے، تب بڑھتے بڑھتے ایک وقت آئے گا کہ اس کا پھل کھانے کا آپ کو موقع ملے گا اور اگر پانی نہیں پلائیں گے تو وہ سوکھ جائے گا پھر اگر پانی پلائیں گے تو سوکھا ہوا دوبارہ نہیں بڑھے گا۔ ہم لوگ بھی ایسا ہی کرتے ہیں کہ ہر وقت نیا نیا لگاتے رہتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زندگی بھر پھل کھانا نصیب نہیں ہوتا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ یہاں سے جانے کے بعد ہم اپنے معمولات کا اہتمام کریں اور اپنے ماحول کو درست کریں، جہاں ہم اُٹھتے بیٹھتے ہیں، ہمارا جو فرینڈ سرکل ہے، اس کو بدلیں۔

نہ خدا ہی ملا، نہ وصالِ صنم

اہلِ علم سوچتے ہیں کہ ہم تو مولوی لوگ ہیں، ہمارے لیے تو ہر صحبت اچھی ہی ہے، حالاں کہ ایسا نہیں۔ مولویوں کے اندر بھی بہت سارے ایسے ہوتے ہیں کہ جن کا ذہن

پورا دنیادار ہوتا ہے، جب ان کے ساتھ بیٹھیں گے تو وہ کہیں گے کہ یہ مدرسہ والے کیا تنخواہ دیتے ہیں، چلو! کوئی کاروبار کر لیتے ہیں، کوئی زمین خرید لیں، رکشا لے لیں، یوں کر لیں۔ ہوتا کچھ نہیں ہے، خالی باتیں ہوتی ہیں لیکن ان کی باتوں کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ذہن میں دین کی خدمت کا اور علم کے لیے مر مٹنے کا جو جذبہ تھا، وہ ختم ہو جاتا ہے، نہ دنیا ہی ملی، نہ آخرت۔

نہ خدا ہی ملا، نہ وصال صنم		نہ ادھر کے رہے، نہ اُدھر کے رہے

نیک ہونے کے لیے نیکوں کی صحبت چاہیے

اس لیے ایسے لوگوں کی صحبت سے اپنے آپ کو دور رکھو۔ جو لوگ پڑھتے پڑھاتے ہیں، جن کا فکر یہ ہے کہ طلباء کی کیسے تربیت کریں، کس طرح پڑھائیں، کس طرح اس کام کو آگے بڑھائیں، غرضیکہ جن کے ساتھ بیٹھنے کی وجہ سے آپ کی قوتِ ارادی میں اضافہ ہوتا ہو، آپ کی ہمت بڑھتی ہو، آپ کے حوصلے بلند ہوتے ہوں، انہی کے ساتھ بیٹھو اور جو ایسے نہیں ہیں بلکہ آپ کے حوصلوں کو پست کرنے والے ہیں، وہ آپ کو تھوڑا ہی کام کرنے دیں گے؟ ایسوں کی صحبت میں نہ بیٹھیں۔ اپنی صحبت کے لیے بھی عمدہ طبقہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے، اس کے بغیر بات نہیں بنے گی۔ یہ صحبتیں ہی آدمی کو بناتی اور بگاڑتی ہیں۔ اس لیے ذکر اللہ کا اہتمام ہونا چاہئے۔ ذکر اللہ کی پابندی بہت اہم ہے۔

محض ذکرِ لسانی بھی اللہ تعالی کی بڑی نعمت ہے

بہت سوں کو یہ شکایت رہتی ہے کہ ذکر میں دل نہیں لگتا تو صرف زبان سے ذکر کیا

کریں؟ تو سمجھ لو کہ جو چیز آپ کے اختیار میں ہی نہیں ہے، اس کے پیچھے مت پڑیے، اگر دل نہیں لگتا تو کوئی بات نہیں۔ ایک شخص نے حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کی کہ: حضرت! جب اللہ کو یاد کرتا ہوں، تو زبان زبان ہی سے ذکر ہوتا ہے، دل تو دوسری طرف ہوتا ہے۔ حضرت نے فرمایا: بھائی! اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے جسم کے ایک عضو (یعنی زبان) کو اپنا نام لینے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

ذکرِ لسانی پر شکر بجالانے سے ذکرِ قلبی کی توفیق عطا ہوگی

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ﴾: اگر تم شکر کروگے تو میں اپنی نعمتوں میں اضافہ کروں گا۔ جب اس نعمت پر شکر کروگے کہ اے اللہ! تیرا شکر ہے، اگرچہ میرا دل غافل ہے لیکن تو نے میری زبان کو اپنا نام لینے کی توفیق عطا فرمائی؛ تو دل بھی لگنے لگے گا اور یہ زبان جو اللہ کا نام لے رہی ہے، وہ تو جہنم میں نہیں جائے گی اور جب وہ جہنم میں نہیں جائے گی تو پورا جسم بھی جہنم میں نہیں جائے گا۔ ایسا تو نہیں ہے کہ صرف زبان کو کاٹ کر اللہ تعالیٰ جنت میں بھیج دیں تو جب اس پر شکر کروگے تو اللہ تعالیٰ نعمت میں اضافہ فرمائیں گے۔

ذکرِ لسانی ذکر اللہ کا پہلا زینہ ہے

اور یہ بھی سمجھ لو کہ پہلے دن سے دل نہیں لگتا۔ دنیا کا دستور یہی ہے کہ ہر کام کی ایک ترتیب ہوتی ہے، بچپن میں جب نماز شروع کی تھی تو ہم ابا کے ڈر سے، استاذ کے ڈر سے پڑھتے تھے، پھر پڑھتے پڑھتے مزاج ایسا بن گیا کہ نماز کا وقت آتا ہے تو نماز پڑھے بغیر

چین نہیں آتا۔ اسی طریقے سے ذکر اللہ کا بھی حال ہے، زبان سے اللہ کو یاد کرنا یہ پہلا مرحلہ اور درجہ ہے، جب تک یہ پہلا زینہ پار نہیں کریں گے، آگے والا زینہ- یعنی دل کا اس کی طرف متوجہ ہونا- حاصل ہونے والا نہیں ہے۔ ہم تو پہلے ہی دن چاہتے ہیں کہ عرش پر پہنچ جائیں۔ بھائی! پہلے نیچے والی سیڑھی پار کرو گے، تب آگے پہنچو گے۔ اس لیے یہ مت سوچو کہ دل نہیں لگتا۔

ایں چنیں تسبیح ہم دارد اثر

فارسی کا شعر ہے:

بر زباں تسبیح ودر دل گاؤ خر		ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر؟

زبان کے اوپر سبحان اللہ اور دل کے اندر دنیا ہے؛ ایسی تسبیح کا کیا اثر ہوگا؟ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ شعر کہنے والا عارف نہیں تھا، اگر عارف ہوتا تو یوں کہتا:

بر زباں تسبیح ودر دل گاؤ خر		ایں چنیں تسبیح ہم دارد اثر

زبان کے اوپر تو سبحان اللہ اور دل میں دنیا ہے لیکن ایسا سبحان اللہ، اور ایسا اللہ کا نام بھی اپنے اندر اثر رکھتا ہے۔ جیسے ہم اور آپ لیموں اور املی کا نام لیتے ہیں تو منہ میں پانی آجاتا ہے۔ جب دنیا کی چیزوں کا یہ حال ہے کہ زبان سے ان کا تلفظ کرنے پر اثر ہوتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کے نام کا کوئی اثر نہیں ہوگا؟ ضرور ہوگا۔

ہم رٹیں گے، گرچہ مطلب کچھ نہ ہو

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ آخری زمانے میں جب نابینا ہو گئے تو ایک مرتبہ دوپہر میں

حضرت نے پوچھا: یہاں کوئی ہے؟ حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے والد، اور حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خادم خاص تھے) نے کہا: حضرت! میں یحییٰ یہاں موجود ہوں حضرت نے کہا: اور کون ہے؟ عرض کیا: الیاس۔ (مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ چھوٹے تھے) تو حضرت نے بڑے جوش اور درد کے ساتھ فرمایا: اللہ کا پاک نام کتنی ہی غفلت سے لیا جائے، اثر کیے بغیر نہیں رہتا۔

ضربیں لگا کے کلمۂ طیبہ کی بار بار

اس لیے ہم تسبیح پڑھیں اور یوں سمجھیں کہ کچھ فائدہ نہیں ہوا؛ یہ غلط ہے۔ اصل میں ہمارے دلوں کے اوپر اتنا زیادہ گرد چڑھ چکا ہے اور اتنے پردے پڑ چکے ہیں کہ ذکر کا اثر ہمیں محسوس ہی نہیں ہوتا۔ کسی گھر میں صدیوں سے بنجر پڑا ہونے کی وجہ سے دھول کی تہہ جم گئی ہو، کوئی آدمی جھاڑو دے گا، تو جھاڑو مارنے سے دھول تو ہٹے گی، لیکن وہ تہہ اتنی زیادہ جمی ہوئی ہوتی ہے کہ نیچے کا فرش نظر ہی نہیں آتا، اب اگر کوئی یوں سمجھے کہ جھاڑو مارنا بے کار ہے، حالاں کہ ایسا بالکل نہیں ہے، جب جھاڑو لگاتے رہو گے تو دھول تھوڑی تھوڑی ہٹتی رہے گی، یہاں تک کہ ایک دن آئے گا کہ فرش نظر آنے لگے گا۔

دل پہ لگا جو زنگ ہے، اس کو ہٹائیے

اسی طرح بس! اللہ کا نام لیتے رہو۔ جیسے: ترازو کے اندر ایک کلو کا باٹ رکھا اور دوسرے پلڑے میں آپ نے گیہوں ڈالے، پہلے تھوڑے دانے ڈالے، تھوڑے

دانے ڈالے، شروع ہی سے دوسرا پلڑا نہیں ہلے گا بلکہ کچھ پتہ بھی نہیں چلے گا لیکن دانے ڈالتے ڈالتے ایک دانہ ایسا گرے گا کہ اس پلڑے کو جھکا دے گا۔اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس آخری دانے نے پلڑے کو جھکایا حالاں کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ اس پلڑے کو جھکانے میں جو اثر آخری دانے کا ہے، وہی اثر پہلے والے دانہ کا بھی ہے۔اگر پہلا دانہ نہ ہوتا تو آخری دانہ اس کو جھکا نہیں سکتا تھا تو درحقیقت ہمارے قلوب کے اوپر غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں، اگر ہم پابندی سے ذکر کرتے رہیں تو ایک وقت آئے گا کہ ہمارے قلوب کے پردے ہٹیں گے اور ان کا غبار ختم ہوگا۔

دربندآں مباش کہ شنید یا نہ شنید

اور اگر کچھ بھی نہ ہو تب بھی اللہ کا ذکر کرنے کا ہمیں حکم تو ہے اور اللہ کا ذکر خود ہی مقصود ہے اس لیے اللہ کو یاد کرتے رہو۔ہم تو اسی کے پابند ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے۔حافظ شیرازی کا ایک شعر ہے:

حافظ! وظیفۂ تو دعا کردن است وبس		دربندآں مباش کہ شنید یا نہ شنید

فرماتے ہیں کہ: تمہارا کام تو دعا کرنا ہے، اب اس فکر میں مت رہو کہ وہاں سنی گئی یا نہیں۔ہم تو اللہ کے بندے ہیں، ہم اللہ کو یاد کرتے رہیں اور کچھ نہ دیکھیں۔ہم اللہ کا ایک حکم پورا کر رہے ہیں، یہی سب سے بڑا کمال ہے۔

ہمارا کام ان کی یاد اور ان کی اطاعت ہے

لوگ اس کے انتظار میں رہتے ہیں کہ ذکر کی کچھ نورانیت محسوس ہو۔دو دن تسبیح

پڑھی اور سوچتے ہیں کہ ہمیں کچھ نظر نہیں آیا؟ حالاں کہ یہ مقصود نہیں ہے کہ آنکھیں بند کرو اور آپ کو کوئی نور نظر آئے۔ نہ اس کی ضرورت ہے اور نہ کشف کی ضرورت ہے۔ چاہے پوری زندگی نور کی ایک کرن بھی نظر نہ آئے لیکن ہم اللہ کے حکم کے مطابق اللہ کو یاد کرتے ہیں، یہی ہمارے لیے سب سے بڑی سعادت ہے۔ ہم نے اللہ کا حکم پورا کیا اس سے بڑھ کر اور کیا چاہئے، یہی ہمارا فائدہ ہے، چاہے کچھ ملے یا نہ ملے۔

اعمال کا ثواب بقدرِ مشقت ملتا ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے شکایت کی کہ: جب ذکر کے لیے بیٹھتا ہوں تو دھیان نہیں لگتا، طبیعت اچاٹ ہو جاتی ہے۔ حضرت نے فرمایا: دھیان لگے یا نہ لگے، بس! ذکر کرتے رہو۔ پھر فرمایا کہ: طبیعت نہ لگنے کے باوجود جب آپ اللہ کا ذکر کریں گے تو اس سے جو فائدہ ہوگا، وہ جی لگنے کے فائدے سے بڑھ کر ہے۔

دیکھو! کیسا عجیب نکتہ ارشاد فرمایا؛ اس لیے کہ مشقت اور تکلیف کے باوجود ہم اس کو یاد کر رہے ہیں تو ڈبل (دہرا) ثواب ملے گا، ایک ذکر اللہ کا اور دوسرا مشقت کی زیادتی کا۔ جیسا کہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ ایک آدمی قرآن پاک پڑھتا ہے اور اس کی زبان لڑکھڑاتی ہے، اس کے باوجود پڑھتا ہے، تو اس کو دوہرا ثواب ملے گا۔ فقہا نے بھی لکھا ہے: أَجْرُكَ عَلَى قَدْرِ تَعَبِكَ وَنَصَبِكَ[1]۔ صاحبِ ہدایہ بہت سی جگہوں پر

[1] المبسوط للسرخسی ٤/ ٧٤، یہ حدیثِ رسول بھی ہے علامہ سراج الدین ابن الملقنؒ فرماتے ہیں: هَذَا الحَدِيث صَحِيح عَنهُ، وَقد رَوَاهُ كَذَلِك البُخَارِيّ وَمُسلم فِي صَحِيحَيْهِمَا وَفِي رِوَايَة عَلَى قدر عنائك ونصبك وَالْحَاكِم فِي مُسْتَدْركه رَوَى عَنْهَا أَن النَّبِي ﷺ قَالَ لَهَا فِي [عمرتها] : إِن لك =

دلیلِ عقلی کے طور پر یہ بات پیش کرتے ہیں کہ تم کو ثواب تمھاری مشقت کے بقدر ملے گا۔ اللہ کی عبادات اور طاعات کو ادا کرنے میں تم جتنی مشقت اٹھاؤ گے، اسی کے مطابق تم کو ثواب ملے گا اور یہاں جب مشقت زیادہ ہے تو ثواب بھی زیادہ ملے گا۔

جاتے جاتے بے خیالی جائے گی

اس لیے آپ یہ نہ سوچیے کہ جی نہیں لگتا اور جی پہلے دن سے لگتا بھی نہیں، لیکن دھیان آتے آتے آئے گا، اور جاتے جاتے بے خیالی جائے گی۔ دل کی غفلت ایک دن میں دور نہیں ہوتی بلکہ آپ ذکر کرتے رہیں گے تو اِن شاء اللہ یہ بھی دور ہو جائے گی اور ذکر کی لذت بھی آپ کو حاصل ہوگی۔

حاصل آید یا نیاید، جستجوئے می کنم

پھر یہ لذت کا حاصل ہونا ایک غیر اختیاری چیز ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کے سلسلے میں جو مجددانہ کارنامہ انجام دیا ہے تو آپ نے ان ساری چیزوں کی وضاحت فرمادی کہ جو چیز غیر اختیاری ہو، اس کے پیچھے پڑا نہیں جاتا۔ ہم تو مکلّف ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اپنا نام لینے کا حکم دیا تو ہم نام لیتے ہیں:

حاصل آید یا نیاید، جستجوئے می کنم

کہ نتیجہ ظاہر ہو یا نہ ہو، ہم تو کوشش کریں گے۔

= [من] الْأجر عَلَى قدر نصبك ونفقتك ثمَّ قَالَ : صَحِيح عَلَى شَرط الشَّيْخَيْنِ وَلم يخرجَاهُ .(البدر المنير في تخريج الأحاديث والأثار الواقعة في الشرح الكبير،الحَدِيث الثَّالِث عشر)

عشقِ مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود

مجنوں ریت کے اوپر لیلیٰ کا نام لکھ رہا تھا، کسی نے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو؟ تو جواب دیا کہ مشقِ نامِ لیلیٰ می کنم کہ لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں، چاہے کوئی نتیجہ ظاہر ہو یا نہ ہو، میں ایک جستجو میں لگا ہوا ہوں تو ہم بھی اللہ کی یاد میں لگے رہیں، ثواب اور اللہ کی خوشنودی تو ہمیں حاصل ہو کر کے رہے گی۔

بندگی سے ہمیں تو مطلب ہے، ہم ثواب وعذاب کیا جانیں

جب یہ ثواب مل رہا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا اور خوشنودی مل رہی ہے تو اور کیا چاہیے؟ آپ لذت کے غلام بنے ہوئے ہیں! بھائی! ایک آدمی نوکری کر رہا ہے، ملازمت کرتا ہے، اب وہ یوں کہے کہ نوکری میں جی نہیں لگتا تو نہ لگے۔ بھائی! نوکری کریں گے تو تن خواہ ملے گی نا؟ لوگ کیا کہیں گے؟ تجھے تن خواہ مل رہی ہے۔ وہ اسی تن خواہ کے لیے تو نوکری کر رہا ہے، جی نہیں لگتا تو بھی کر رہا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ نوکری کا جو مقصد ہے، وہ حاصل ہے، جی لگے یا نہ لگے۔ اسی طریقے سے ہم یہ عبادت کرتے ہیں، اس عبادت کا مقصد اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی کرنا ہے، اجر وثواب کو حاصل کرنا ہے۔ جب ہم یہ کریں گے تو ہم کو اجر وثواب بھی ملے گا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی بھی حاصل ہوگی، ہمارا جی لگے یا نہ لگے۔ ہمارا جو مقصد ہے، وہ حاصل ہو رہا ہے۔

کس میں کتنا ثواب ملتا ہے، عشق والے کیا جانیں

ہم تو ذکر کرنے بیٹھتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ پہلے دن ہی سارا نور نظر آجائے۔

واقعات پڑھتے ہیں تو سوچتے ہیں کہ پہلے ہی دن اس کو حاصل کرلیں۔حالاں کہ کوئی بھی فائدہ اپنی طرف سے تجویز نہیں کرنا چاہیے۔بس! اللہ کا ایک حکم پورا کررہے ہیں اس پر اللہ جو چاہے گا دے گا اور اگر کچھ بھی نہ ملے،تب بھی اللہ تعالیٰ کا ایک حکم ہم نے پورا کیا؛اس سے بڑی اور کیا بات ہوگی؟ایک غلام کے لیے سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ اپنے آقا کے حکم کو بجالائے۔اس لیے ذکراللہ کا اہتمام کرو۔

روحانیت اورنورانیت کا حقیقی مفہوم

روحانیت اورنورانیت کیا ہے؟ ہم تو روحانیت اورنورانیت کا مطلب سمجھتے ہیں کہ کوئی روشنی نظر آجائے،کشف ہوجائے،لذت آنے لگے۔نہیں! بزرگوں نے لکھا ہے کہ روحانیت اورنورانیت کا مطلب اللہ تبارک وتعالی کے حکم کی تعمیل ہے۔اگر ہم اللہ کے حکموں کو پورا کررہے ہیں تو یہی روحانیت اورنورانیت ہے،چاہے اس میں لذت اورمزہ آوے یا نہ آوے۔

ذکرمقویٔ روح ہے

حضرت ڈاکٹرعبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ہم صبح کو کام پر نکلنے سے پہلے ناشتہ کرتے ہیں؛تاکہ کچھ طاقت آجائے اورکام میں ہمارا دل لگے۔جیسے جسمانی طاقت اورانرجی (energy) ناشتے کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں،اسی طریقے سے روحانی انرجی حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو یاد بھی کرلو:تسبیحات پڑھئے۔جس طرح چائے کی پیالی کا،روٹی کا اہتمام کرتے ہیں،اسی طرح صبح کے وقت ذکراللہ کا بھی

اہتمام کیجیے۔

اور ذکر اللہ کی مختلف شکلیں ہیں: قرآن کی تلاوت کرلو، تسبیح پڑھ لو، دعائیں کرلو، اس کے بعد کام پر جائیے؛ تاکہ ہمیں روحانی طور پر طاقت مل جائے۔ اس لیے کہ جب ہمارا نفس کہے گا کہ نامحرم عورتوں کو دیکھو تو اس وقت نفس کے مقابلے کے لیے طاقت کی ضرورت پڑے گی اور یہ طاقت اللہ کے ذکر سے ہی حاصل ہوگی، یہ طاقت روٹی اور معجونِ مقوی کھانے سے نہیں آئے گی۔

کر نفس کا مقابلہ ہاں بار بار تو

ہمارے ارادے کتنے پُھس پُھسے ہیں کہ کوئی عورت گذری اور ذرا سا تقاضا ہوا تو فوراً چت ہو جاتے ہیں اور نفس کے اس تقاضے کو پورا کرلیتے ہیں۔ پورے رمضان کا اعتکاف کیا، یہاں سے باہر نکلے، سامنے سے کوئی عورت گذری تو ہم میں اتنی ہمت نہیں کہ اس سے اپنی نظر کی حفاظت کریں۔ پورے مہینے کے اعتکاف سے حاصل کی ہوئی طاقت اتنی نہیں ہے کہ ہم کو عورت کی طرف بدنظری سے روک سکے۔

بقول حضرت حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ: جیسے پہلوانوں کو کھلاتے ہیں، ایسے ہی آپ کو بادام اور پستے کھلائے، دودھ پلایا اور پہلوانی کے لیے جب میدان میں اتارا تو پہلے ہی چِت ہو گئے۔

اس لیے ہمیں اپنے آپ کو اس طرح تیار کرنا ہے کہ نفس کے مقابلے میں ہمارے ارادے، اور شیطان کے مقابلے میں ہماری ہمتیں مضبوط ہوں اور ہمارے ارادوں

اور ہماری ہمتوں میں قوت جوآتی ہے، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذکر سے ہی آتی ہے۔ آج ہماری زندگیاں اس سے خالی ہوگئی ہیں؛ اس لیے آپ میں سے ہر ایک کو مَیں یہ کہوں گا کہ اللہ کے ذکر کا خوب اہتمام کرو۔ ہمارے اکابر کے یہاں اس کی بڑی تاکید ہے۔

اللہ کی یاد ہی نے حضرتِ یوسفؑ کو مبتلائے گناہ ہونے سے بچایا

سیدنا حضرتِ یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے زلیخا نے کہا: هَيْتَ لَكَ کہ: آجاؤ۔ دروازے بند کردئے، تالے لگادئے، پردے گرادئے۔ نفس کو للچانے والا، دعوت دینے والا، لبھانے والا ماحول بنادیا ہے لیکن حضرتِ یوسف علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کیا کہہ رہے ہیں؟ مَعَاذَ اللهِ: اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اللہ کو یاد کررہے ہیں، اللہ کی یاد دل میں، رگ وریشے سمائی ہوئی ہے، تبھی تو اس موقع پر اللہ یاد آرہے ہیں۔

آگے فرمایا: اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ، ویسے رَبِّیْ کی تشریح مفسرین نے ایک تو وزیرِ مصر سے بھی کی ہے کہ میرا آقا۔ اور دوسری تفسیر ''اللہ'' سے کی ہے کہ میرا اللہ، میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے، میری ہر حرکت وسکون سے واقف ہے، اس نے مجھے ٹھکانہ دیا، تو مجھے گناہ کی دعوت دے رہی ہے لیکن وہ مجھے دیکھ رہا ہے، دروازے بند کردئے تو کیا ہوا، اس سے تو کچھ بھی مخفی نہیں۔

یہی ذکر وہ چیز ہے جو آدمی کو تنہائی میں بھی گناہوں سے روکتی ہے، نفس کا مقابلہ کرنے کی طاقت فراہم کرتی ہے۔ کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ

کی یاد دل میں سما جاتی ہے، اس کی ذات کا استحضار رہتا ہے، یہی استحضار آدمی کو گناہوں سے روکنے والا ہے۔

کہ بے ادب ہوگئی محفل تیرے اٹھ جانے سے

یہ ذکر اللہ اور انابت الی اللہ بہت بڑی چیز ہے۔ حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک بیان میں فرماتے ہیں کہ حیدر آباد میں ایک بزرگ تھے، بیمار تھے، گھٹنوں میں کچھ درد تھا، مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں، ان کے خادم دوائی مل رہے ہیں، اسی دوران دیکھا کہ مجلس میں لوگ آپس میں بات چیت کر رہے ہیں اور ایک شور کی سی کیفیت پیدا ہو رہی ہے۔ اب جو خادم ان بزرگ کو دوا مل رہے تھے، انھوں نے دیکھا اور سوچا کہ آج تک حضرت کی مجلس میں شور، ہنگامے اور بے ادبی کی یہ کیفیت کبھی نظر نہیں آئی، وہ بار بار اِدھر اُدھر دیکھ رہے ہیں، تعجب کر رہے ہیں اور وہ بزرگ محسوس کر رہے ہیں کہ ان کو کیا چیز تعجب میں ڈال رہی ہے تو ان بزرگ نے ہاتھ سے گھٹنے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ یہ سمجھے کہ درد ذرا اِدھر ہے تو اُدھر دوا ملنا شروع کیا پھر شور ہو رہا ہے اور یہ اُدھر دیکھ رہے ہیں تو ان بزرگ نے کہا کہ اس گھٹنے کے درد کی وجہ سے میں آج رات کے معمولات پورے طور پر ادا نہیں کر سکا ہوں، اس کا یہ نتیجہ ہے جو تم مجلس میں دیکھ رہے ہو۔ مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر ایک شعر بڑا عمدہ استعمال فرمایا ہے:

رحم کر قوم کی حالت پر اے ذکرِ خدا
کہ بے ادب ہوگئی محفل تیرے اٹھ جانے سے

یہ دور اپنے ابراہیم کی تلاش میں ہے

فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ کے اپنے ایک رات کے معمولات کے چھوٹنے کا یہ اثر محفل پر مرتب ہوسکتا ہے تو تمام مشائخ، تمام علماء اپنے ان معمولات کو چھوڑ دیں گے تو قوم کا کیا حال ہوگا! یہ تو بنیاد اور روح ہے، اگر ہم نے ان چیزوں کی طرف توجہ نہیں کی تو قوم کا کیا حال ہوگا!۔

آج لوگوں کے قلوب میں دین کا کام کرنے والوں کا وقار جو باقی نہیں رہا، دلوں میں ان کے لیے جو عظمت ہونی چاہیے، وہ نہیں رہی، چاہے وہ کسی بھی شعبے سے تعلق رکھنے والے ہوں، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تبارک وتعالی کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا ہمارے اندر اہتمام نہیں رہا۔

معمولات کا کبھی ناغہ نہ ہو

جن کے معمولات ہیں، وہ اکثر کہتے ہیں کہ معمولات ناغہ ہوجاتے ہیں۔ بھائی! ناغہ کیسے ہوا؟ صبح کی چائے تو کبھی ناغہ نہیں ہوتی؟ کبھی کوئی کہتا ہے کہ رات میں بیوی بیمار ہوگئی تھی اور اس کے پیٹ میں اتنا درد ہوا کہ ڈاکٹر کے پاس لے جانا پڑا، اس کی وجہ سے صبح کی تسبیح چھوٹ گئی تو میں اس سے پوچھا کرتا ہوں کہ اس روز صبح چائے پی تھی یا نہیں؟ تو کہتے ہیں: جی ہاں! وہاں چائے کی ایک لاری تھی، وہیں کھڑے کھڑے چائے پی لی۔ تو میں کہتا ہوں: چائے کے لیے لاری مل گئی اور اسی کو غنیمت سمجھ کر اس سے فائدہ اُٹھالیا لیکن تسبیح پڑھنے کے لیے فرصت نہیں ملی؟ حالاں کہ تسبیح کی برکت سے

تو ہوسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کو جلدی شفا دے دیتے۔

حضر کی بہ نسبت سفر میں معمولات کی پابندی زیادہ آسان ہے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ سفر میں تھے، اس لیے معمولات چھوٹ گئے۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ سفر میں معمولات کاہے کو چھوٹے؟ مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں تھے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ سفر میں تو ہم سے معمولات اور زیادہ ادا ہوتے ہیں؛ اس لیے کہ گھر پر رہ کر اتنا وقت نہیں ملتا جتنا سفر میں ملتا ہے، گھر پر تو کام کاج ہوتے ہیں، کسی کی دوکان ہے تو اس کو دوکان پر جانا پڑے گا۔ اگر مدرس ہے تو پڑھانے کے لیے جانا پڑے گا، اور سفر میں تو کچھ نہیں کرنا ہے، گاڑی میں بیٹھے ہیں تو فرصت ہی فرصت ہے۔

بہت سی وہ تسبیحات جو ہم گھر پر رہتے ہوئے نہیں پڑھتے، جیسے: ''سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللهِ العَظِيمِ ''جس کی بڑی فضیلت ہے، چوتھا کلمہ ''لاَ إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ،يُحْيِي وَيُمِيْتُ،بِيده الْخَيْرُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ'' یہ سب عام طور پر ہم نہیں پڑھ پاتے، لیکن سفر میں فرصت ملتی ہے تو اس کو پڑھ لیتے ہیں۔

عذر یا بہانہ

ہمارے بہت سے طلبہ کہتے ہیں کہ مدرسے میں رہتے ہوئے تو معمولات پورے ہوتے ہیں لیکن جب گھر جاتے ہیں تو پورے نہیں ہوتے۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ

مدرسہ میں تم سبق میں جاتے ہو، سبق کے تمہارے چھے گھنٹے ہوتے ہیں اور پھر مغرب کے بعد اور عشاء بعد کے مطالعہ کرتے ہو اور ان سارے کاموں کے ساتھ تم معمولات پورے کر لیتے ہو، جب کہ گھر پر تو کوئی کام نہیں ہوتا، پھر کیوں ادا نہیں ہوتے؟ اس لیے ان سب باتوں کی طرف دھیان دینے کی ضرورت ہے اور ان چیزوں کی اصلاح کی ضرورت ہے کہ ہمارے اوقات جو ضائع اور برباد ہوتے ہیں ان کو برباد ہونے سے بچانے کا اہتمام کیا جائے، اسی میں ہماری سعادت ہے۔

حضراتِ اکابر کے یہاں معمولات کی پابندی کا اہتمام

آپ بیتی میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے ایک عنوان قائم کیا ہے ''اکابر کا معمولات کی پابندی کرنا'' اور اس میں بتلایا ہے کہ حضراتِ اکابر کے یہاں معمولات کی پابندی کا کتنا اہتمام تھا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ظہر کے بعد کمرے کا دروازہ بند ہو جاتا تھا، عصر تک بند رہتا تھا، وہ اندر آرام نہیں کرتے تھے، حضرت نے لکھا ہے کہ لوگوں نے دروازے کی کواڑوں سے کان لگا کر سنا تو معلوم ہوا کہ وہ ذکر کر رہے ہیں، تلاوت کر رہے ہیں، ہمیں اس طرح معمولات کی پابندی کرنے کی ضرورت ہے۔

ہم روحانی معمولات کے اوقات ہی میں کٹوتی کرتے ہیں

ہم اپنے جسمانی معمولات کے کیسے پابند ہیں! دوپہر کے وقت قیلولہ کا معمول ہے تو کوئی بھی آیا ہے، کیسا ہی مہمان آیا ہو، ہم دوپہر کے وقت قیلولہ کریں گے ہی کریں گے۔ کھانا ہے، کھائیں گے۔ ناشتہ ہے، کریں گے۔ ان ساری چیزوں کا اہتمام

ہم کرتے ہیں، اس میں ذرابرابر بھی ہم کمی کرتے نہیں ہیں لیکن ساری قینچی کہاں چلتی ہے؟ مہمان آیاتواس کی مہمان نوازی کرنے کے چکر میں روزانہ تین پارے کی تلاوت کا معمول دو پارے سے بدل جائے گا یا ایک پارے کی تلاوت پر اکتفا کریں گے یا بالکل ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ بیوی بیمار ہوگئی تو صبح کی تسبیح چھوٹ گئی!۔ ارے بھائی! اس موقع پر تو اور بھی زیادہ پڑھنی چاہیے تھی؛ تا کہ اس کی برکت سے اللہ تبارک وتعالی بیوی کو شفادے دیتے۔ میں نے کہا نا کہ ایسے موقع پر بھی چائے تو نہیں چھوٹے گی، حالاں کہ چائے تلاش کرنے کی بہ نسبت تسبیح کی پابندی آسان تھی۔ علاج تو ڈاکٹر کررہا ہے۔ کیا آپ کی زبان کو کسی نے باندھ رکھا تھا؟ تو آپ کیوں ذکر نہیں کرتے؟ آپ کیوں تلاوت نہیں کرتے؟۔

تیرا ہر سانس نخلِ موسوی ہے

اپنے وقت کی قدر کیجیے۔ یہ وقت ہمارے لیے سونے سے بھی زیادہ قیمتی ہے،

تیرا ہر سانس نخلِ موسوی ہے		یہ مدو جزر جواہر کی لڑی ہے

ہمارے حضرت یہ شعر سنایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ سانسیں جو اوپر نیچے ہوتی رہتی ہیں، یہ جواہرات کی لڑی ہے، کوئی بے قیمت چیز نہیں ہے؛ اس کو ہم صحیح انداز میں استعمال کریں۔

فرصتِ زندگی بہت کم ہے

آپ نے فضائلِ ذکر اور فضائلِ صدقات میں پڑھا ہوگا، حضرتِ داود طائی

رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ روٹی چبا کر کھانے کے بجائے پانی میں بھگو کر کھا لیتے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ چبا کر کیوں نہیں کھاتے؟ تو فرمایا کہ چبا کر کھانے میں دیر لگتی ہے، بھگو کر کھانے کے مقابلے میں وقت زیادہ لگتا ہے تو جو وقت بچ جاتا ہے، اس میں مَیں قرآنِ پاک کی پچاس آیتوں کی تلاوت کر لیتا ہوں۔

اس میں مَیں ''۷۰'' مرتبہ سبحان اللہ پڑھ لیتا ہوں

حضرت علی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑے بزرگ گذرے ہیں، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ روٹی کے بجائے ستو پھانک لیا کرتے تھے، کسی نے پوچھا: حضرت! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ جواب دیا کہ روٹی کھانے میں دیر لگتی ہے، چبانا پڑتا ہے تو یہ پھانک لیتا ہوں، اس میں میں ۷۰/مرتبہ سبحان اللہ پڑھ لیتا ہوں، اتنا بڑا فائدہ ہے اور ان کا یہ معمول چالیس سال سے تھا۔

ہم اور آپ تو دو مرتبہ بریانی کھا کر بور ہو جاتے ہیں، ہماری طبیعت اکتانے لگتی ہے اور یہ حضرات اللہ کی یاد میں زیادہ سے زیادہ وقت کو گذارنے کے لیے ۴۰/سال تک ستو پھانکنے پر اکتفا کیا کرتے تھے، یہ وہ حضرات تھے جنھوں نے اللہ کی دی ہوئی زندگی کی نعمت کی قدر کی اور اس سے جو فائدہ اٹھانا چاہیے تھا، وہ اٹھایا۔

اندازہ لگائیے کہ ان کے نزدیک وقت کی کیا قدر و قیمت تھی! جو آدمی کھانے کے وقت میں کٹوتی کر کے اللہ کی یاد میں لگاتا ہو، وہ دوسرے وقت کو ضائع کر سکتا ہے؟۔

جو وقت کو درہم ودینار سے بھی زیادہ قیمتی جانتے تھے

حضرت حسنِ بصری رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''کتاب الزہد والرقائق'' میں لکھا ہوا ہے:

أَدْرَكْتُ أَقْوَامًا كَانَ أَحَدُهُمْ أَشَحَّ عَلَى عُمُرِهِ مِنْهُ عَلَى دَرَاهِمِهِ وَدَنَانِيرِهِ

میں نے ایسے لوگوں کو پایا یعنی حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جو اپنی عمرِ عزیز کے اوقات کے اندر اس سے زیادہ بخیل تھے، جتنا آدمی اپنے دینار اور درہم کے اندر بخیل ہوتا ہے[۱]۔

اوقات کی ناقدری نے ہمیں بے وقعت بنادیا ہے

آدمی کس طرح اپنے پیسوں کو دیکھ دیکھ کر اور سنبھال سنبھال کر استعمال کرتا ہے، وہ اپنی زندگی کے اوقات کو اس سے بھی زیادہ دیکھ دیکھ کر استعمال کرتے تھے کہ جہاں میں لگا رہا ہوں، وہاں لگانا ٹھیک ہے بھی یا نہیں، یہ قیمت تھی ان کے نزدیک وقت کی! آج ہماری نگاہ میں اگر سب سے زیادہ بے قیمت کوئی چیز ہے تو وہ ہمارے اوقات ہیں؛ اسی لیے ہماری کوئی ''اوقات'' نہیں ہے، ہماری کوئی عزت نہیں ہے۔

اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کو وصول کرنے کی سعی کریں۔ ایک سبحان اللہ کی قیمت ساری دنیا مل کر بھی ادا نہیں کرسکتی۔

---

[۱] الزهد و الرقائق، باب التحضيض على طاعة الله عز و جل.

قبر میں قرآنِ پاک کی تلاوت

مفتی عبدالرؤف صاحب دامت برکاتہم کے خطبات میں ہے: ایک اللہ والے کو کشفِ قبور ہوتا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہوتے ہیں کہ قبر میں مردوں پر جو حالات گذرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر اس کو کھول دیتے ہیں، ان کو اس کا پتہ چل جاتا ہے۔ یہ بزرگ کہیں جا رہے تھے، راستے میں ایک قبر کے پاس ٹھہرے، مکاشفے میں دیکھا کہ صاحبِ قبر قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہے ہیں۔ اسی حالتِ مکاشفہ میں ان کی صاحبِ قبر سے بات چیت ہوئی۔ انھوں نے پوچھا کہ ہم نے تو سنا ہے کہ آدمی کا جب انتقال ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، وہ کوئی عمل نہیں کر سکتا اور میں تو دیکھ رہا ہوں کہ تم قبر میں قرآن کی تلاوت کر رہے ہو۔

انھوں نے جواب میں کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ جب انتقال کے بعد مجھے دفن کیا گیا تو جیسا کہ حدیث میں آتا ہے، فرشتے آئے اور مجھ سے سوالات ہوئے، میں نے صحیح صحیح جوابات دئے۔ جب جوابات دے چکا تو باری تعالیٰ کی طرف سے مجھے کہا گیا کہ تم نے صحیح صحیح جوابات دئے، تم کامیاب ہو لیکن یہ عالمِ برزخ ہے، یہاں تم کو تب تک رہنا ہے جب تک قیامت قائم نہیں ہو جاتی۔ قیامت قائم ہونے کے بعد ہی آگے کے مراحل آئیں گے، وہاں تک تو تمھیں قبر ہی میں رہنا ہے۔ اب جب تمھیں یہیں رہنا ہے تو تم اپنے لیے کوئی مشغلہ چاہو تو ہماری طرف سے دے دیا جائے گا۔ انھوں نے کہا کہ مجھے دنیا کے اندر قرآنِ پاک کی تلاوت سے بڑا شغف تھا تو میں نے قرآنِ پاک کی

تلاوت کی اجازت چاہی تو جواب ملا کہ ٹھیک ہے، تم قرآن پڑھ سکتے ہو۔

ورنہ پھر شرمندگی ہے یاد رکھ

انھوں نے کہا کہ جب سے دفن ہوا ہوں، تب سے آج تک ۷۰/ ہزار قرآن ختم کر چکا ہوں، ۷۰/ ہزار! اب اس کے بعد یہ صاحبِ قبر اس بزرگ سے کہتے ہیں کہ اگر آپ اپنا ایک ''سبحان اللہ'' مجھے دے دیں تو میں اپنے یہ ۷۰/ ہزار قرآن دینے کے لیے تیار ہوں۔ انھوں نے تعجب سے کہا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ یہ جو ۷۰/ ہزار قرآن ہیں نا، وہ تو ٹائم پاس ہے یعنی اس پر کوئی ثواب نہیں ہے۔ ثواب تو یہیں دنیا میں ملتا ہے، اس زمین کے اوپر جو اعمالِ صالحہ کریں گے، اس کا ثواب ملے گا لیکن قبر میں پہنچنے کے بعد نیکی پر ثواب ملنے کا کوئی سوال ہی نہیں، ویسے ہی ٹائم پاس کرنے کے لیے نیک بندوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کسی عبادت کی اجازت دے دیں، وہ دوسری بات ہے۔ اس لیے تمھارا ایک ''سبحان اللہ'' میرے ۷۰/ ہزار قرآن سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

کر لے جو کرنا ہے، آخر موت ہے

ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے موقع دیا اور ہم کیسے غفلت سے اس کو گذار رہے ہیں۔ کوشش کرو کہ کوئی گھڑی اللہ کی یاد سے غفلت میں نہ گذرے۔ کام جو کرنے ہیں، وہ تو اپنی جگہ کرنے ہی ہیں لیکن کام کے علاوہ اوقات میں ہم تو ایسے ہی اپنے اوقات کو بیٹھے بیٹھے گپ شپ میں ضائع کر دیتے ہیں۔ اپنے معمولات کی پابندی کرو، تلاوت، تسبیحات کا اہتمام کرو دعا کا اہتمام کرو۔

تیری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی، مگر......

دعا سے ہماری غفلت کا حال یہ ہے کہ دس دس، پندرہ پندرہ دن گذر جاتے ہیں لیکن ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ دنیا میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ ہمارا کوئی کام ہوتا ہو تو اِس کے پاس جاتے ہیں، اُس کے پاس جاتے ہیں، فلانے آفیسر کے پاس جاتے ہیں، فلاں پولیٹیکل لیڈر (political leader) کے پاس جاتے ہیں۔ ایک کام کے لیے دو دو، چار چار روز اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے ہیں لیکن دو رکعت پڑھ کر اللہ تبارک وتعالی کے سامنے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ اے اللہ! دلوں کے مالک تو آپ ہیں، فلاں کی وجہ سے کام اٹکا ہوا ہے، اس کے دل کا مالک بھی تو ہے، اس کے دل کو تو پھیر سکتا ہے۔

دعا کا بھی معمول بنائیے

ہماری کوششیں تبھی کامیاب ہو سکتی ہیں، جب اللہ چاہیں؛ اس لیے دعا کی بھی عادت ڈالو، دعا کا بھی معمول بناؤ۔ باقاعدہ آپ کے اوقات کے اندر کچھ وقت: پندرہ منٹ، بیس منٹ دعا کے لیے ہونے چاہئیں۔ اس دعا میں اپنے لیے، اپنے اقارب کے لیے، اپنے دوستوں کے لیے، پوری امت کے لیے دعا کا اہتمام کرو۔ ہمیں تو اپنے لیے بھی دعا کی توفیق نہیں ہوتی تو دوسروں کے لیے کیا مانگیں گے!

مختلف اوقات کی مسنون دعاؤں کی حکمت

مختلف اوقات اور مختلف کاموں کی جو دعائیں ہیں، وہ بھی اسی لیے رکھی گئی ہیں کہ

ہمارا کوئی لمحہ اللہ کی یاد کے بغیر نہ گذرے: گھر میں داخل ہورہے ہیں تو یہ دعا اور نکل رہے ہیں تو یہ دعا پڑھنی ہے، مسجد میں داخل ہورہے ہیں تو یہ دعا اور نکل رہے ہیں تو یہ دعا پڑھنی ہے۔ بیت الخلا میں داخل ہورہے ہیں تو یہ دعا اور نکل رہے ہیں تو یہ دعا پڑھنی ہے، وضو شروع کررہے ہیں تو یہ دعا اور ختم کررہے ہیں تو یہ دعا۔ کھانا شروع کررہے ہیں تو یہ دعا اور کھانے سے فارغ ہورہے ہیں تو یہ دعا۔ یہ ساری دعائیں اسی لیے سکھائی گئی ہیں کہ ہمارا کوئی لمحہ اللہ تبارک وتعالی کی یاد کے بغیر نہ گذرے۔

طبعی ضرورتیں بھی عبادات بن سکتی ہیں

ٹھیک ہے کہ اللہ تعالی نے ہمیں انسان بنایا ہے اور مختلف ضرورتیں ہمارے ساتھ لگی ہوئی ہیں: کھانے، پینے، پیشاب، پاخانہ کی ضرورتیں ہمیں لاحق ہوتی ہیں تو یہ تو ہمیں کرنا ہی ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ایسا طریقہ بتادیا کہ ہمای یہ طبعی ضرورتیں بھی عبادت بن گئیں، اگر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ان کو انجام دیا جائے۔

بیت الخلا جانا تو ہے ہی، اب اگر بیت الخلا اس طریقے کے مطابق جائیں گے جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا ہے اور آپ کے بتائے ہو طریقے کے مطابق نکل کر دعا پڑھیں گے تو ہمارا یہ بیت الخلا جانا اور نکلنا بھی سنت کے مطابق ہونے کی وجہ سے عبادت بن جائے گا۔

سونا ایک طبعی ضرورت ہے لیکن سونے کے لیے بھی ہم وہی نبوی طریقہ اختیار

کریں گے، آداب اور دعاؤں کی رعایت کریں گے تو ہمارا یہ سونا بھی عبادت بن جائے گا؛ اس لیے ان مسنون دعاؤں کا بھی اہتمام کریں۔

دو جہاں کی کامیابی گر تجھے درکار ہے

اور ایسی پیاری پیاری دعائیں ہیں، صبح وشام کی دعائیں ہیں جن میں شیطان وغیرہ سے حفاظت کی دعا ہے۔ آج تقریباً ہر آدمی کہتا ہے کہ کسی نے کچھ کر دیا ہے؛ میں بیمار رہتا ہوں، میری بیوی بیمار رہتی ہے، میرے بچے بیمار رہتے ہیں، میرا کاروبار ٹھپ ہو گیا ہے، کسی نے باندھ دیا ہے اور عاملوں کے پاس مارے مارے، دوڑے دوڑے پھرتے ہیں لیکن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو طریقے اور دعائیں بتلائی ہیں، ان کو اختیار کرنے کی توفیق نہیں ہوتی، اس سے زیادہ بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے؟ اگر ہم ان چیزوں کو اختیار کر لیتے ہیں تو کوئی بھی چیز ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ باقی جو ہمارے مقدر میں ہے، وہ تو ہو کر کے رہے گا، ساری دنیا کے عامل مل کر بھی اس کو دور نہیں کر سکتے۔

نہ دنیا سے، نہ دولت سے، نہ گھر آباد کرنے سے

ہم اپنی زندگی کے اوقات کا صحیح استعمال کریں، اللہ تبارک تعالی نے جو یہ نعمت دی ہے، جو دولت دی ہے، اگر اس کو صحیح طریقے سے استعمال کر لیں گے اور اللہ تبارک تعالی کے ساتھ تعلق قائم کر لیں گے تو جینے کا بھی مزہ آ جائے گا۔ جینے کا مزہ یہ نہیں ہے کہ ہم کھائیں، پئیں اور چکن سینٹر پر جا کر چکن (65) کھائیں۔ چکن (65) کھانے سے زندگی کا مزہ آنے والا نہیں ہے، زندگی کا اصل مزہ تو اللہ کا ذکر کرنے سے حاصل ہوگا، اَلَا

بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ: دل کو سکون تو اللہ تبارک وتعالی کی یاد سے آئے گا؛ اس لیے ان چیزوں کو اختیار کریں۔

بری صحبت سے دور رہیے

ہمارے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: یہ (جو کچھ میں نے کہا) ماحول کی برکت ہے، تو اپنے گھر جا کر ایسا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ وہاں بھی ایسا ماحول بناؤ اور گھر کے لوگوں کو بھی لگاؤ اور جو کچھ یہاں رہ کر کیا ہے، اسی ماحول کو گھر پر رہ کر حاصل کرنے کا اہتمام کرو اور وہ پرانی دوستیاں جو اس راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں، ان کو چھوڑ دو اور ہم نے جس کو اپنا مقصود بنایا ہے، اس میں جو چیزیں معین ومددگار ہیں، انہی کو اپناؤ۔ ایسے احباب جو دین کی فکر کرنے والے ہوں (اور ہر علاقے اور ہر جگہ پر دعوت وتبلیغ کے ساتھی ہوتے ہیں جو ماشاء اللہ دین کی بڑی فکر کرتے ہیں) ان کے ساتھ تعلق رکھو، تاکہ کم از کم دین کا فکر آئے اور اگر ہم دنیاداروں کے ساتھ بیٹھیں گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارا وقت بھی ضائع ہوگا اور ہماری جو دین کی فکریں ہیں ان میں بھی کمی آئے گی۔ اس لیے صلحاء کی صحبت اختیار کر کے اس دولت کو باقی رکھنے کی ضرورت ہے۔

برے ماحول سے دور رہو

ایک آدمی کمانے کے لیے سعودیہ یا گلف (Gulf) گیا، جب وہاں سے کما کر آیا تو چوروں نے سب چرا لیا تو اس کو کتنا افسوس ہوگا؛ اس لیے جو آدمی محنت کر کے کما کر آتا ہے تو یہاں (انڈیا) آ کر وہ اپنی دولت کی بڑی حفاظت کرتا ہے۔

اسی طرح یہاں (خانقاہ میں) آپ نے جو کچھ حاصل کیا ہے، یہاں سے جانے کے بعد اس کی حفاظت کا اہتمام کرو؛ تاکہ وہ دولت باقی رہے اور اس کے لیے جو بھی شکلیں ہوسکتی ہیں ان کو اپناؤ۔ برے ماحول سے اپنے کو بچائیے، اپنے معمولات کا اہتمام کیجیے اور اپنے شیخ کے ساتھ تعلق قائم رکھئے اور ایسے گناہوں سے جو بہت زیادہ نقصان پہنچانے والے ہیں، جیسے عورتوں اور امردوں کے ساتھ خلط ملط اور بدنظری سے تو اپنے آپ کو خاص طور پر بچانے کی کوشش کی جائے۔ یہ گناہ ایسے ہیں کہ ایک مرتبہ کے ارتکاب سے ہی سارا بیڑا غرق ہوجاتا ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ موقع اور سعادت عطا فرمائی اور یہاں آنے کی توفیق عطا فرمائی، یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو آئندہ بھی باقی رکھے اور اس میں ترقی ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق وسعادت عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

شیطانی وساوس کی حقیقت
اوران سے بچنے کے نبوی طریقے (۱)

اقتباس

اب شیطان ہمیں گمراہ کرنے کے لیے اور نقصان پہنچانے کے لیے جو شکلیں اختیار کرتا ہے، ہمارے خلاف اس کے جو مکائد ہوتے ہیں، اس سے بچنے کی تدبیریں کیا ہیں؟ تو تدبیریں وہی ہیں جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلائیں۔ اللہ تبارک وتعالی نے حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کا سلسلہ جو جاری فرمایا، وہ ہدایت کا سلسلہ ہے اور شیاطین کا جو سلسلہ ہے، وہ ضلالت اور گمراہی کا سلسلہ ہے۔ حضرت علامہ عثمانی نور اللہ مرقدہ نے اپنی تقریرِ بخاری میں فرمایا کہ: حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام ہر اس موقع پر جہاں شیطان کی طرف سے وسوسہ آتا ہے یا ان کی طرف سے گمراہی کی جتنی بھی شکلیں آسکتی ہیں، ان کی تدبیر اور توڑ امت کو، انسانیت کو بتلاتے ہیں، ہر ہر موقع پر یہاں تک کہ بچے کی پیدائش سے بھی پہلے اس سے بچنے کی تدبیریں بتلاتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، صلى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا.

أمابعد: فَأَعُوْذُ بِـالله مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ:﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾

وقال تعالى: ﴿اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَارِّهِمْ شَيْئًا اِلَّا بِـاِذْنِ اللهِ وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ [المجادلة:۱۰]

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ الله تعالى عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّ الله تَجَاوَزَ لِي عَنْ أُمَّتِي مَا وَسْوَسَتْ بِهِ صُدُورُهَامَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَكَلَّمْ①.

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ الله تعالى عَنْهُ قَالَ: جَاءَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ

① صحيح البخارى، بَابُ الخَطَإِ وَالنِّسْيَانِ فِي العَتَاقَةِ وَالطَّلاَقِ وَنَحْوِهِ

ﷺفَسَأَلُوهُ:إِنَّا نَجِدُ فِي أَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاظَمُ أَحَدُنَا أَنْ يَتَكَلَّمَ بِهِ، قَالَ: وَقَدْ وَجَدْتُمُوهُ؟ قَالُوا:نَعَمْ قَالَ:ذَاكَ صَرِيحُ الْإِيمَانِ①.

وعن انس رَضِيَ اللّٰهُ تعالى عَنْهُ أن النبى ﷺ قال: إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ②.

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تعالى عَنْهُما أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولِ اللّٰه! إِنِّي لَأُحَدِّثُ نَفْسِي بِالشَّيْءِ، لَأَنْ أَكُونَ حُمَمَةً أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَكَلَّمَ بِهِ،فقال النبيُ ﷺ:الْحَمْدُ لِلّٰه الَّذِي رَدَّ أَمْرَهُ إِلَى الْوَسْوَسَةِ③. أو كما قال عليه الصلاة والسلام.

راہِ سلوک کے مسافر کو پیش آنے والے حالات

کوئی آدمی جب دین کی راہ پر چلنا شروع کرتا ہے، پہلے وہ گناہوں میں مشغول تھا، گناہوں کی اس راہ کو چھوڑ کر اللہ تعالی کی اطاعت اور فرماں برداری والی راہ پر چلنا شروع کرتا ہے تو اس کو جو مختلف آزمائشیں اور ابتلائات پیش آتے ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ عام طور پر وساوس اور خیالات کا شکار ہوتا ہے۔ ہمارے احباب کے جو خطوط آتے ہیں، عام طور پر ان میں اس چیز کی شکایت ہوتی ہے،ضرورت ہے کہ آپ

---

①صحيح مسلم،بَابُ بَيَانِ الْوَسْوَسَةِ فِي الْإِيمَانِ وَمَا يَقُولُهُ مَنْ وَجَدَهَا.

②صحيح مسلم، باب بيان أنه يستحب لمن رئي خاليا بامرأة وكانت زوجته أو محرما له أن يقول هذه فلانة ليدفع ظن السوء به.

③شرح السنة للبغوى،باب العفو عن حديث النفس.

کے سامنے کچھ ایسی باتیں پیش کی جائیں جس کے نتیجے میں اس سلسلے میں آپ حضرات کو کچھ بصیرت حاصل ہو۔

حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے سے ابلیس کا انکار اور بارگاہِ الٰہی سے اس کا اخراج

سب سے پہلے تو یہ جاننا ضروری ہے کہ وسوسہ کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ شیطان انسان کا دشمن ہے۔ اللہ تبارک وتعالی نے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو پیدا فرمانے اور ان کے پتلے میں جان ڈالنے کے بعد جب فرشتوں کو ان کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم فرمایا، ابلیس جس کو ہم شیطان کے نام سے یاد کرتے ہیں، وہ بھی فرشتوں کی اس جماعت میں شامل تھا اور لاکھوں سال تک، بعض علماء کہتے ہیں کہ نو لاکھ سال تک اس نے اللہ تبارک وتعالی کی عبادت کی تھی اور اللہ تعالی نے اس کو نہ صرف فرشتوں کی جماعت میں شامل کیا بلکہ معلم الملائکہ بنایا۔

جب سجدے کا حکم دیا گیا تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا اور ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا، اللہ تبارک وتعالی اسے براہِ راست سجدے کا حکم دے رہے ہیں اور وہ اس پر عمل نہیں کر رہا ہے۔ ہم کو اور آپ کو جو احکام ملے ہیں، وہ براہِ راست نہیں ملے ہیں، ہم کو تو حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کے واسطے سے دئے اور ان پر بھی اللہ تبارک وتعالی فرشتوں کے واسطے سے وحی بھیجتے ہیں۔ شیطان کو سیدھا حکم دیا گیا لیکن اس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

اس کے اس انکار پر اللہ تبارک وتعالی نے اس سے باز پرس کی کہ میرے حکم کے باوجود تونے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو اس نے متکبرانہ جواب دیا: ﴿خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَه مِنْ طِيْنٍ﴾[الأعراف:۱۲] کہ آپ نے مجھے تو آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے پیدا کیا اور آگ مٹی سے بہتر ہوتی ہے۔ اس طرح اس نے اللہ تبارک وتعالی کے حکم کے سامنے اپنی عقل کے گھوڑے دوڑائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو اپنی بارگاہ سے مردود کر دیا۔

بارگاہِ الٰہی سے مردود ہونے پر انسان کو راہِ راست سے ہٹانے کا ابلیسی عزم

مردود کیے جانے پر اس نے دو کام کیے: ایک تو اس نے اللہ تبارک وتعالی کے حضور میں اپنے اس عزم اور ارادے کا اظہار کیا: ﴿فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ کہ: اے اللہ! آپ نے مجھے جو گمراہ کیا تو میں اب آپ کے راہِ راست پر بیٹھ کر ان انسانوں کو راہِ راست سے ہٹانے کے لیے اپنی ساری صلاحیت اور توانائی کا استعمال کروں گا، ﴿ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ﴾ [الأعراف:۱٦] کہ: ان کو گمراہ کرنے کے لیے آگے، پیچھے، دائیں، بائیں ہر طرف سے ان پر حملہ کروں گا اور گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا۔

ابلیس کا وسوسہ اندازی کے ذریعہ انسان پر سب سے پہلا حملہ

چناں چہ اس نے اسی وقت سے یہ سلسلہ جاری کر دیا اور حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کو سب سے پہلے اس کا نشانہ بنایا، ان کو کیسے بہلایا، بہکایا؟ ان کو جنت

میں رکھا گیا تھا لیکن باری تعالیٰ کو مقصود ان کو دنیا میں بھیجنا تھا تو اس کے لیے اسباب پہلے سے مقرر کر دیے گئے کہ ایک مخصوص درخت کے پاس جاویں، جس کے قریب جانے سے منع کر دیا تھا۔ شیطان نے بہکایا، پھسلایا کہ تمھیں جو اس درخت سے روکا گیا تو بات دراصل یہ ہے کہ اگر تم اس کو استعمال کرو گے تو ہمیشہ جنت میں رہو گے، تم کو اسی لیے روکا گیا کہ کہیں تم ہمیشہ کے لیے جنت میں نہ رہ جاؤ۔ ایک تو اس نے یہ کیا۔

مہلت کی ابلیسی درخواست اور باری تعالیٰ کی طرف سے منظوری

دوسرے: اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے مہلت مانگی: ﴿رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ کہ: مجھے مہلت دے دی جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کو کائنات کے اندر ہدایت اور ضلالت کا یہ سارا نظام چلانا مقصود تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں حکمتوں کے پیشِ نظر اس کو یہ مہلت بھی دے دی۔ اس نے تو مہلت مانگی تھی: ﴿اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ کہ: دوبارہ زندہ کیے جائیں، تب تک کی مہلت دیجیے۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے کام لیا لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے اس کی ہوشیاری کہاں چلنے والی تھی۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ اس کو موت نہ آوے کیوں کہ يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ سے پہلے قیامت ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ سب کو موت آنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو قیامت تک کی مہلت دی۔

ابلیس باری تعالیٰ کی ذات وصفات کا بڑا عارف تھا

ابلیس باری تعالیٰ کی ذات وصفات کا بڑا عارف تھا اس کی معرفت کا اندازہ آپ اس

سے لگا سکتے ہیں کہ عین اس وقت کہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالی نے اس کو اپنی بارگاہ سے مردود کیا، اسی موقع پر وہ اللہ تعالی سے درخواست کرتا ہے کہ قیامت کے دن تک مجھے مہلت دی جائے۔

شیطان میں تین ''عین'' تھے، ایک ''عین'' نہیں تھا

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ شیطان کے اندر تین ''عین'' تھے، ایک عین کی کمی تھی: ایک تو یہ کہ وہ بہت بڑا عالم تھا اور یہ ظاہر ہے؛ اسی لیے تو اسے فرشتوں کا معلم مقرر کیا گیا۔ دوسرا یہ کہ وہ بہت بڑا عابد تھا کہ زمین اور آسمان میں اس نے کوئی ایسی جگہ نہیں چھوڑی جہاں اس نے اللہ تعالی کی عبادت نہ کی ہو اور اللہ کے سامنے سجدہ نہ کیا ہو۔ بہت بڑا عارف بھی تھا۔

مطالبے پیش کرنے میں اہلِ دنیا کا دستور

حالاں کہ دنیا کا دستور تو یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے بڑے سے کسی چیز کا مطالبہ کرنا چاہتا ہے تو ذرا اس کا موڈ (mood) دیکھتا ہے۔ بیوی بھی اپنے شوہر سے کوئی چیز مانگنے والی ہوتی ہے تو دیکھتی ہے کہ میاں خوشی میں ہے یا نہیں؟ بیٹا اپنے باپ سے کوئی خاص چیز مانگنا چاہتا ہے تو بیٹا اس انتظار میں رہتا ہے کہ ابّا جان ذرا خوشی میں ہوں گے، اس وقت ہم اپنی ڈیمانڈ (demand) ان کے سامنے پیش کریں گے۔ ناراضگی والی حالت میں نہیں مانگا کرتے۔

لیکن عین اس وقت جب اللہ تبارک وتعالی اس کو اپنی بارگاہ سے مردود کر رہے ہے

ہیں، وہ اللہ کے سامنے اپنی ڈیمانڈ پیش کر رہا ہے کہ قیامت کے دن تک مجھے مہلت دی جائے۔ کیوں؟ یہ اس کی معرفت کی نشانی ہے، وہ جانتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی کسی کے اثر کو قبول نہیں کرتے، انفعالی کیفیت سے منزّہ ہیں۔

مخلوق کا حال تو یہ ہے کہ جب ہمارے سامنے کوئی چیز آتی ہے تو اس سے ہماری طبیعت متأثر ہوتی ہے، کسی نے ہمیں کسی وجہ سے ناراض کر دیا تو اگر اس وقت ہمارے سامنے کوئی اور آدمی آ جائے گا تو اس پر بھی ہماری ناراضگی کا اثر ظاہر ہو جائے گا تو شیطان اللہ تبارک وتعالی کی ذات وصفات سے واقف تھا، وہ جانتا تھا کہ اللہ تعالی کی ذات کے اندر اِنفعال اور تأثر نہیں ہے، اللہ تعالی کسی چیز کے اثر کو قبول نہیں کرتے۔ یہ اس کی معرفت کی دلیل ہے۔

شیطان انسان کا کٹر دشمن ہے

یہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے، اس کے زعم میں اس کا بیڑا انسان کی وجہ سے غرق ہوا تھا، حالاں کہ وہ تو معصیت اور اللہ کے حکم کو توڑنے کی وجہ سے غرق ہوا تھا لیکن وہ تو یوں سمجھتا ہے کہ انسان کی وجہ سے مجھے راندہ ہونا پڑا؛ اس لیے وہ انسان کا پکا دشمن بن گیا۔

شیطان کی انسان دشمنی سے اللہ تعالی کی طرف سے آگاہی

اس نے اپنی انسان دشمنی کا اظہار تو کیا ہی ہے لیکن اللہ تبارک وتعالی نے قرآنِ پاک میں ہمیں جگہ جگہ اس سے آگاہ کیا ہے کہ شیطان تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ ﴿اِنَّ

الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا﴾[فاطر:٦] شیطان تمھارا دشمن ہے اور تم بھی اس کو اپنا دشمن بناؤ، اس کے ساتھ دشمن جیسا معاملہ کرو۔

دشمن کی طرف سے آگاہ کرنے کا رواج دنیا کی بڑی بڑی حکومتوں میں بھی ہے

دیکھو! دنیا کی کوئی بڑی حکومت اور سلطنت اپنی شہریوں سے یوں کہے کہ فلاں آدمی ہمارا دشمن ہے، آپ کا دشمن ہے، اس سے بچتے رہیو! اتنی بڑی حکومت ہے، سارے اسباب ووسائل اس کے پاس موجود ہیں، وہ بھی اپنے شہریوں کو دشمن کے ضرر سے محفوظ رکھنے کے لیے ان کو آگاہ کرتی ہے تو اس سے ان شہریوں کو اندازہ لگانا چاہیے کہ ہمیں جب اپنے حکم رانوں کی طرف سے آگاہ کرایا جارہا ہے تو یہ بہت خطرناک دشمن ہے، اس سے بچنے کے لیے ہمیں بہت زیادہ تدبیریں اختیار کرنے اور احتیاط سے رہنے کی ضرورت ہے۔

شیطان کی طرف سے ہماری مجرمانہ غفلت

اللہ تبارک وتعالی جب بار بار ہمیں آگاہ کر رہے ہیں، حکم دے رہے ہیں: ﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا﴾[فاطر:٦] شیطان تمھارا دشمن ہے اور تم بھی اس کو اپنا دشمن بناؤ، اس کے ساتھ دشمنوں کا سا برتاؤ کرو، دشمنوں کا سا سلوک کرو۔ ﴿لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّه لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ﴾[الأنعام: ١٤٢] کہ: شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی مت کرو، وہ تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

لیکن اتنی ساری تنبیہات اور اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے اتنا زیادہ آگاہ کیے جانے کے باوجود ہمارے رویّے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم تو شیطان کو خاطر میں لا ہی نہیں رہے ہیں۔ ہمارا جو انداز ہے، ہماری جو روِش ہے، ہم جس طریقے سے اپنی زندگیاں گذار رہے ہیں، اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کی طرف سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے: نہ اس کو اپنا دشمن بنایا، نہ اس کے ساتھ دشمنوں جیسا معاملہ کیا اور اس کے داؤ پیچ اور اس کے مکائد سے بچنے کے لیے جو تدبیریں ہمیں اللہ تبارک وتعالی اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بتائی گئیں، ان تدبیروں کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتے، عجیب معاملہ ہے۔

ہمارے اکابر اور نفس وشیطان کے مکائد سے بچنے کا اہتمام

ہمارے اسلاف اور اکابر کی زندگیوں کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر لمحہ نفس اور شیطان کے داؤ پیچ سے ڈرے رہتے ہیں۔ نفس بھی دشمن ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: أَعْدَى عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِي بَيْنَ جَنْبَيْكَ[1] کہ: تمھارا بڑا دشمن تمھارا نفس ہے جو تمھارے پہلو کے اندر ہے، ان دونوں سے بچنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

حضرت **یوسف** علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام **فرماتے ہیں:** ﴿وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ﴾ [یوسف:۵۳] **حضراتِ انبیاء کو دیکھو،**

---

[1] کتاب الزهد الکبیر للبیهقی، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، فَصْلٌ فِي تَرْكِ الدُّنْيَا وَمُخَالَفَةِ النَّفْسِ وَالْهَوَى.

حضراتِ صحابہ کو دیکھو، جب ان کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ ہر لمحہ اور ہر گھڑی وہ ان دونوں سے اس طرح خطرہ محسوس کرتے ہیں، جیسے کسی دشمن کا خطرہ ہے کہ کہیں شیطان اور ہمارا نفس ہمیں گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے اندر مبتلا نہ کر دے، کوئی گناہ ہم سے نہ کروا دے۔

نفس اور شیطان سے خوف زدہ رہنے کا ایک چشم کُشا واقعہ

بخاری شریف میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں، آخری بیماری، مرض الموت میں مبتلا ہیں، اس بیماری کے دوران حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان کی عیادت اور خبر گیری کے لیے حاضر ہوئے اور اندر آنے کی اجازت مانگی۔ لوگوں نے کہا کہ ابنِ عباس حاضری کی اجازت مانگ رہے ہیں۔

یہ جس زمانے کا واقعہ ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا شمار اس زمانے کے بڑے لوگوں میں ہوتا ہے، ویسے وہ صغارِ صحابہ میں شمار ہوتے ہیں کہ جماعتِ صحابہ میں وہ کم عمر تھے لیکن زمانہ جوں جوں گذرتا گیا، ان کا مقام بھی بلند ہوتا گیا اور اس وقت ان کا شمار بڑوں میں ہوتا تھا۔

عرض کیا گیا کہ ابنِ عباس عیادت کے لیے آئے ہیں تو حضرت عائشہؓ نے کچھ ایسے جملے کہے کہ جس سے گھر والوں نے محسوس کیا کہ شاید آپ ان کو گھر میں اپنی عیادت کے لیے آنے کی اجازت نہیں دیں گی کہ وہ آ کے میری تعریف کریں گے اور ان کی تعریف سن کر میرا نفس کہیں گھمنڈ میں مبتلا نہ ہو جائے۔ جب انھوں نے یہ جملہ کہا

تو گھر والے یہ سمجھے کہ شاید آپ ابنِ عباس کو واپس کردیں گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے نے کہا کہ یہ مسلمانوں کے بڑوں میں سے ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں یعنی آپ کو ان کو واپس نہیں کرنا چاہیے۔ گھر والوں کی اس تاکید پر فرمایا کہ اچھا! آنے دو۔

بس میری ساری فضیلت اسی پوشاک سے ہے

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما آئے اور آکر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آپ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ ہیں اور آپ کے علاوہ کسی اور کنواری سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح نہیں کیا یعنی آپ کے ساتھ زیادہ محبت تھی اور زوجۂ مطہرہ ہونے کی وجہ سے آپ کا مقام بہت اونچا ہے، اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: إِنِ اتَّقَيْتُ۔

قرآن میں ہے: ﴿يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ﴾ [الأحزاب:۳۲] اے نبی کی عورتو! تمھارا مقام دوسری عورتوں جیسا نہیں ہے، بہت اونچا ہے بشرطیکہ تم تقوی اختیار کرو۔

اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فوراً جواب میں فرمایا: إِنِ اتَّقَيْتُ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ آپ کی برأت قرآن میں نازل کی گئی (جب آپ پر تہمت لگائی گئی تھی)۔

خیر! ان کے درمیان یہ باتیں ہوئیں اور وہ چلے گئے، ان کے جاتے ہی فوراً حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہوتے تھے، حضرت

عائشہ کے بڑے لاڈلے تھے، وہ آئے۔آئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فوراً کہا کہ ابھی ابنِ عباس آئے تھے اور انھوں نے میری تعریف میں یہ جملہ کہا کہ قرآن تمھاری برأت میں اترا۔ وَدِدْتُ أَنِّي كُنْتُ نِسْيًا مَنْسِيًّا①: کاش کہ میں بھولی بسری ہوتی اور یہ جملہ سننے کے لیے زندہ نہ رہتی!۔

ان کو اپنے نفس پر اطمینان نہیں تھا، گویا وہ ہر وقت یہ خطرہ محسوس کرتے تھے کہ معلوم نہیں، ہمارا نفس کس وقت ہمیں خود پسندی میں مبتلا کر کے ہمیں ہلاک کر ڈالے اور ہمیں تو کبھی بھولے سے بھی اس کا خیال نہیں آتا۔

دل میں عجب محسوس کرنے پر حضرت عمرؓ کا اپنے نفس کا علاج کرنا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا گیا کہ ایک مرتبہ اپنی پیٹھ پر مشکیزہ رکھے ہوئے لوگوں کو پانی پلا رہے ہیں، آپ اس وقت امیر المؤمنین تھے۔ کسی نے کہا کہ حضرت یہ کیا! تو آپ نے فرمایا کہ دراصل ملاقات کے لیے دوسرے ملک کا ایک وفد آیا ہوا تھا، ان کے ساتھ گفتگو کے نتیجے میں میرے دل میں کچھ بڑائی سی آ گئی تھی کہ عمر! دیکھ تو تو ایسا ہے کہ دنیا بھر کے بادشاہوں کے وفود تیرے پاس حاضری دیتے ہیں، اس کے علاج کے لیے میں یہ کام کر رہا ہوں!! وہ حضرات اس طرح اپنا علاج کرتے تھے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ نفس اور شیطان کے حملوں سے ہم تو ایسے مطمئن ہو کر بیٹھے

---

①صحيح البخاری، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، بَابُ وَلَوْلاَ إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ

ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو ان کی طرف سے کوئی ڈر ہی نہیں ہے۔ ہم اپنے ۲۴ر گھنٹوں کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہم کو کبھی بھولے سے بھی ایسا خیال نہیں آتا۔

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

جیسے کسی آدمی کو ایسے دشمن سے پالا پڑا ہو جو ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گیا ہے، جیسے کسی کو پولیس کے ادنی آفیسر نے دھمکی دے دی ہو کہ میں تیرے کو دیکھ لوں گا تو وہ ہمیشہ ڈرا سہما رہتا ہے، ۲۴ر گھنٹے وہ اس کے دماغ پر سوار رہتا ہے اور اس سے بچنے کی اپنی تدبیریں برابر، مسلسل جاری رکھتا ہے، اس سے غفلت نہیں برتتا۔

ہمارے اسلاف اور اکابر کی زندگیوں کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہی چیز کھل کر کے نظر آتی ہے تو شیطان کے سامنے ہماری کیا حیثیت ہو سکتی ہے، وہ تو ہمیں چٹکی میں گمراہ کر دے گا لیکن ہم اپنے آپ پر جب نظر ڈالتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ وہ ہمارا کچھ بگاڑنے والا نہیں ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے تو خود ہی اپنے آپ کو بگاڑ کے رکھ دیا ہے تو اس کو محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟۔

حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کا مشن

اب شیطان ہمیں گمراہ کرنے کے لیے اور نقصان پہنچانے کے لیے جو شکلیں اختیار کرتا ہے، ہمارے خلاف اس کے جو مکائد ہوتے ہیں، اس سے بچنے کی تدبیریں کیا ہیں؟ تو تدبیریں وہی ہیں جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلائیں۔ اللہ تبارک وتعالی نے

حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کا سلسلہ جو جاری فرمایا، وہ ہدایت کا سلسلہ ہے اور شیاطین کا جو سلسلہ ہے، وہ ضلالت اور گمراہی کا سلسلہ ہے۔

حضرت علامہ عثمانی نور اللہ مرقدہ نے اپنی تقریرِ بخاری میں فرمایا کہ حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام ہر اس موقع پر جہاں شیطان کی طرف سے وسوسہ آتا ہے یا ان کی طرف سے گمراہی کی جتنی بھی شکلیں آسکتی ہیں، ان کی تدبیر اور توڑ امت کو، انسانیت کو بتلاتے ہیں، ہر ہر موقع پر یہاں تک کہ بچے کی پیدائش سے بھی پہلے اس سے بچنے کی تدبیریں بتلاتے ہیں۔

زورِ بازو سے شیطان کو زیر کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں ہے

شیطانی وسوسوں سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ تم اللہ کی پناہ حاصل کرو! تم براہِ راست اس سے کُشتی لڑنا چاہو تو یہ ممکن نہیں، وہ نظر نہیں آتا کہ تم اس کا گریبان پکڑ کر اس کا گلا دبادو یا اٹھا کر زمین پر پٹک دو یا تلوار، چھری، بندوق کی گولی وغیرہ سے اس کو قتل کردو۔ ہمارا دشمن ہمارے جیسا ہی انسان ہو اور وہ ہمیں نقصان پہنچانا چاہے تو ہم بھی اپنی آستین چڑھا کر میدان میں آسکتے ہیں کہ آ! میں تجھے بتاتا ہوں! لیکن شیطان کے سامنے آستین چڑھانے سے کام نہیں چلے گا بلکہ جس وقت آپ آستین چڑھا رہے ہوں گے، وہ خود آپ پر سوار ہو جائے گا۔

جمرات کو شیطان سمجھنے والے بعض ناواقف لوگوں کی نادانی

حج کے موقع پر جب جمرات -جس کو ہم اپنی زبان میں شیطان کہتے ہیں- کی رمی

کے لیے، ان پر کنکریاں مارنے کے لیے جاتے ہیں۔ اب تو ایسا نہیں رہا لیکن ایک زمانے میں ایسا ہوتا تھا کہ بعض لوگ واقعی اس کو شیطان سمجھتے تھے حالاں کہ وہ حقیقت میں شیطان نہیں ہے بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایک علامت ہے اور یہ حکم دے کر ہمیں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ تمھارا دشمن ہے لیکن بعض لوگ اپنی نادانی، ناسمجھی اور کم علمی کی وجہ سے یہ سمجھتے تھے کہ یہ ستون جو نظر آرہا ہے، وہی شیطان ہے اور اس پر چڑھ جاتے اور اس کی پٹائی کرتے تھے۔

وہ اپنے زعم میں یوں سمجھتے تھے کہ ہم شیطان پر سوار ہیں اور اس کی پٹائی کر رہے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے لیے شریعت کی طرف سے ہمیں جو طریقہ بتلایا گیا، اس کی خلاف ورزی کر کے اپنے اوپر شیطان کو سوار کر رہے ہیں، عین اس وقت جب وہ سمجھ رہا ہے کہ میں شیطان پر سوار ہوں، سمجھ دار اور دین کے احکام سے واقف لوگ کہیں گے کہ یہ شیطان پر سوار نہیں ہے بلکہ شیطان اس پر سوار ہے۔

شیطان کے مکائد کا توڑ قرآن وحدیث ہی کی روشنی میں ممکن ہے

بہرحال! شیطان کی ان ساری تدبیروں اور مکائد کے توڑ کے لیے ہمیں اپنی طرف سے کوئی کام نہیں کرنا ہے، ہمیں تو اس کے جواب کے لیے اور اس کے توڑ کے لیے ان ہی شکلوں کو اختیار کرنا ہے جن شکلوں کا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احادیث میں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک میں حکم دیا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:﴿ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ

بِاللّٰہِ﴾[الأعراف: ۲۰۰] کہ: شیطان کی طرف سے اگر آپ کی کچھ چھیڑ چھاڑ ہو تو اللہ کی پناہ حاصل کرو۔

ابلیسی داؤ پیچ سے حفاظت کی تدبیریں

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچے کی پیدائش سے بھی پہلے شیطان کے مکر وفریب سے بچنے کی تدبیریں ہمیں بتلا دی ہیں: آدمی جب اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرتا ہے تو ہمیں بیوی کے ساتھ صحبت کرتے وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا بتلائی۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر موقع کی دعائیں بتلائی ہیں، یہ دعائیں کیا ہیں؟۔

آپ حضراتِ محدثین کو دیکھیں گے کہ کتاب الدعوات کے اندر باقاعدہ ایک باب ''باب التعوّذ'' کے نام سے قائم کرتے ہیں کہ ایسی تمام چیزیں اور صورتیں جو کسی بھی حیثیت سے انسان کو نقصان پہنچا سکتی ہوں، چاہے وہ ظاہری اور حسّی اعتبار سے ہو یا روحانی اور معنوی اعتبار سے ہو، ایسی خطرناک نقصان پہنچانے والی چیزوں سے حفاظت کے لیے اللہ تبارک وتعالی کی جو پناہ حاصل کی جاتی ہے تو وہ کن الفاظ میں آدمی پناہ مانگے، وہ ساری دعائیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو بتلائیں۔

عبادات میں شیطان سے پناہ مانگنے کا حکم

مختلف مواقع پر اللہ تبارک وتعالی سے پناہ مانگنے کے مختلف طریقے ہمیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلائے ہیں: کوئی نیک عمل کریں، قرآن پڑھیں، نماز پڑھیں، چنانچہ ثنا کے بعد پہلا کام تعوّذ پڑھنا ہے؛ تاکہ اس نماز میں شیطان کے وسوسے سے حفاظت ہو جائے۔

بوقتِ قضائے حاجت شیطان سے پناہ مانگنے کا حکم

آپ بیت خلاء جارہے ہیں تو دعا سکھلائی گئی: بِسْمِ اللہ اللّٰھُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔ بِسْمِ اللہ کیوں پڑھی جارہی ہے؟ حدیث میں آتا ہے کہ جب انسان قضائے حاجت کے لیے اپنا ستر کھولتا ہے تو شیطان اس کی شرم گاہ سے کھیلتا ہے اور اگر بِسْمِ اللہ پڑھ کر کے گیا ہے تو شیطان کو اس آدمی کا ستر نظر نہیں آتا، گویا یہ بِسْمِ اللہ ہمارے لیے آڑ بن گئی اور اس کے شر سے بچنے کے لیے دعا کا اگلا حصہ ہے: اللّٰھُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ: اے اللہ! میں شریر جن مرد اور جن عورتوں دونوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

بیوی کے ساتھ صحبت کے وقت شیطان سے پناہ مانگنے کا حکم

ایک آدمی شادی کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرے گا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بِسْمِ اللهِ، اللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا پڑھو[۱]۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام ہر چیز میں حفاظت کا ذریعہ بنتا ہے؛ لہٰذا اس وقت آدمی جب ستر کھولتا ہے اور بِسْمِ اللهِ، پڑھتا ہے تو شیاطین وغیرہ اس کے ستر کو دیکھ نہیں پاتے۔ آگے فرمایا: اللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ: اے اللہ! ہمیں شیطان سے بچائیو، اس کو ہم سے دور رکھیو۔ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا: اور اس صحبت کے نتیجے میں جو اولاد تو ہمیں عطا فرمائے گا، اس سے بھی شیطان کو دور رکھیو۔

---

(۱) صحیح البخاری، بَابُ التَّسْمِيَةِ عَلَى كُلِّ حَالٍ وَعِنْدَ الوِقَاعِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما.

بوقتِ صحبت خروجِ منی کے وقت پڑھنے کی مسنون دعا

دیکھو! ہمارے دل ودماغ میں پہلے سے بٹھایا جارہا ہے بلکہ عین اس وقت جب مرد کا مادۂ منویہ اس کے جسم سے نکل کر عورت کے جسم میں جارہا ہے، انزال ہورہا ہے، اس وقت کی بھی ایک دعا سکھلائی، اس کو زبان سے نہیں پڑھنا ہے، جیسا کہ فقہاء نے لکھا۔ وہ موقع ایسا ہے کہ اس وقت آدمی اس دعا کا دل سے تصور کرے گا، عین لذت اور شہوت کے موقع پر بھی اللہ تبارک وتعالی بندوں کو اپنی طرف متوجہ فرماتے ہیں، اس وقت کی یہ دعا نقل کی گئی ہے: اَللّٰهُمَّ لا تجعل للشيطان فيما رزقتنا نصيبا [1]: اے اللہ! اس صحبت کے نتیجے میں جو اولاد آپ ہمیں عطا فرمائیں گے، اس میں شیطان کا حصہ مت رکھیو۔

صحبت میں شیطان کی شرکت

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آدمی دعا پڑھے بغیر اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرتا ہے تو شیطان اس کی شرم گاہ کے ساتھ لپٹ جاتا ہے اور صحبت میں اس کے ساتھ وہ بھی شریک ہوجاتا ہے اور اس صحبت کے نتیجے میں جو اولاد پیدا ہوتی ہے، اس کے اندر شیطانی اثرات ہوتے ہیں [2]۔

تو ہمیں شیطان کے اثرات سے بچانے کے لیے جو تدبیریں بتلائی گئیں، اس کی

---

(۱) مصنف ابن أبي شيبة، ما يؤمر به الرجل إذا دخل على أهله؟ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ر: ۱۷۱۵٤.

(۲) وَقِيلَ لَمْ يَضُرّهُ بِمُشَارَكَةِ أَبِيهِ فِي جِمَاع أُمّه كَمَا جَاءَ عَنْ مُجَاهِد " أَنَّ الَّذِي يُجَامِع وَلَا يُسَمِّي يَلْتَفّ الشَّيْطَان عَلَى إِحْلِيله فَيُجَامِع مَعَهُ.(فتح الباری شرح بخاری ۹/ ۲۲۹)

شروعات کہاں سے کی گئی؟ ابھی تو حمل ٹھیرا نہیں، وہاں سے حضور ﷺ شیاطینی اثرات سے بچانے کے لیے تدبیریں بتا رہے ہیں اور پھر حمل ٹھیرا، اس کے بعد بھی دعا کرتے رہیں گے تو اللہ حفاظت فرمائیں گے۔

بوقتِ پیدائش بچے کے رونے کی وجہ حدیث کی روشنی میں

اور پھر جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو بخاری شریف کی روایت ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان آکر کے اس کے دل کو ٹٹولتا ہے، مس کرتا ہے، چھوتا ہے[۱]۔ بچہ جو روتا ہے اس کی وجہ یہی بتائی گئی ہے کہ شیطان اس کے دل کو چھونے اور ٹٹولنے کے لیے آتا ہے[۲]۔ چھونے اور ٹٹولنے کا مطلب یہ ہے کہ شیطان اس کے دل میں وسوسے کا بیج ڈالتا ہے۔

ضلالتِ انسانی کے لیے شیطان کے پاس صرف ایک ہتھیار ہے

شیطان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا کاروبار چلانے کے لیے، اس کے مشن کو کامیاب کرنے کے لیے جو ہتھیار عطا فرمایا ہے، وہ صرف اور صرف وسوسہ ہے، اور کچھ نہیں ہے، اس کے پاس کوئی مادّی طاقت نہیں ہے۔ کوئی بھی شیطان انسان کے پاس جا کر اس سے جو گناہ کرواتا ہے: اس سے قتل کرواتا ہے، زنا کرواتا ہے، سنیما دکھلاتا ہے،

---

① صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، بَابُ قَوْلِ الله تَعَالَى وَاذْكُرْ فِي الكِتَابِ مَرْيَمَ إِذْ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا

②صِيَاحُ الْمَوْلُودِ حِينَ يَقَعُ نَزْغَةٌ مِنَ الشَّيْطَانِ. (صحیح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ، باب فضائل عیسی علیه السلام)

ایسا نہیں ہے کہ وہ اس کے پاس ڈنڈا یا تلوار لے کر جاتا ہو، چھری لے کر جاتا ہو کہ چل، زنا کر، ورنہ تیرا سر پھوڑ دوں گا، سنیما دیکھنے کے لیے چل، ورنہ چھری سے تجھے ذبح کر دوں گا۔ آج تک آپ لوگوں نے ایسا کوئی واقعہ سنا؟ نہیں۔ شیطان انسانوں سے جو گناہ کرواتا ہے، اس میں کسی مادّی طاقت کا دخل نہیں ہوتا۔

انسان کا حال یہ ہے کہ اپنی مرضی چلانے کے لیے طاقت کا استعمال کرتا ہے، سامنے والے سے کوئی کام لینا ہے اور وہ کام کرنے سے انکار کرتا ہے تو اس پر جبر کرتا ہے لیکن شیطان کو اللہ تبارک وتعالی نے انسان کو گمراہ کرنے کے لیے کوئی مادّی طاقت نہیں دی ہے، اس کو بس یہی ایک ہتھیار، یہی ایک چیز دی ہے اور وہ وسوسہ ہے، اسی کو استعمال کر کے انسان سے گناہ کرواتا ہے۔

شیطان نے اپنا لشکر مؤمنوں کے پیچھے چھوڑ رکھا ہے

شیطان کا ایک لشکر ہے جو ہر ایک کے پیچھے لگا ہوا ہے اور ہمیشہ انسان کے سر پر سوار رہتا ہے، جیسے کسی کے پیچھے کوئی لگا ہوا ہو کہ چلو، چلو تو بے چارہ کب تک اس کی ٹکر لے گا۔ دو، چار، پانچ دن کے بعد وہ بھی کہے گا کہ چلو۔ وہ اس کام کو انجام دینے کے لیے تیار ہو جائے گا۔

اسی طرح شیطان بھی اپنے سپاہی لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ اسی لیے جب کوئی مؤمن ایمان کی سلامتی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو شیطان کے لشکر میں کہرام مچ جاتا ہے۔ شیطان کہتا ہے کہ ارے نالائقو! تمھارے ہوتے ہوئے

یہ ایمان سلامت لے کر گیا!۔ وہاں تو یہ سب رونا دھونا ہوتا ہے اور ہمیں پتہ ہی نہیں کہ ہمارا اتنا بڑا دشمن اس طرح ہمارے پیچھے پڑا ہوا ہے، وہ اپنے مشن کو پورا کرنے میں اتنا چوکس ہے۔

شیطان اپنے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے بارے میں بہت زیادہ فعّال ہوتا ہے

میں بات یہ عرض کر رہا تھا کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان آ کر اس کے دل کو چھوتا ہے۔ دیکھو! یہ شیطان اپنے مشن میں بہت زیادہ فعّال اور ایکٹیو (active) ہوتا ہے، ذرّہ برابر بھی سستی نہیں کرتا، انسان کو گمراہ کرنے کا ایک موقع بھی نہیں گنواتا۔

ہم لوگ تو اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی میں کہیں یہ موقع چوک جاتے ہیں، کہیں وہ موقع چوکتے ہیں اور اس کی وجہ سے ہمیں اپنے کاموں میں نقصان اٹھانا پڑتا ہے لیکن شیطان ذرّہ برابر بھی موقع چوکتا نہیں ہے۔

ماں کے پیٹ میں پرورش پانے والے بچے پر شیطان کو کوئی قدرت نہیں ہوتی

دیکھو! بچہ جب تک ماں کے پیٹ میں ہے، وہ اس دنیا کی چیز نہیں ہے؛ اس لیے کہ ابھی دنیا میں آیا نہیں، اس کی ماں تو اس دنیا میں رہتی ہے؛ اس لیے وہ اس دنیا کی چیز ہے لیکن وہ بچہ جو اس کے پیٹ میں پرورش پا رہا ہے، اس کے اعضا بن چکے ہیں، روح

پڑ چکی ہے، اندر حرکت کر رہا ہے، سانس لے رہا ہے، سب کچھ ہو رہا ہے لیکن ابھی وہ اس دنیا کی چیز نہیں ہے، وہ دوسرے عالم کی چیز ہے اور جب وہ دوسرے عالم میں ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس پر شیطان کو کوئی قدرت نہیں دی۔ چنانچہ یہی شیطان ماں کے دل میں تو وسوسہ ڈال سکتا ہے لیکن اس کے پیٹ میں جو بچہ پل رہا ہے، اس کے دل میں وسوسہ نہیں ڈال سکتا۔

انسان کو گمراہ کرنے کی شیطانی حرص

ہاں جب بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آ گیا، پیدا ہو گیا تو اب وہ اس عالم کی چیز بن گیا، اب تک تو دوسرے عالم میں تھا، باہر آنے کے بعد عالمِ دنیا میں آ گیا، جب عالمِ دنیا میں آیا تو اب شیطان کے دائرۂ عمل میں آ گیا، اس کے ورک سرکل میں آ گیا، چناں چہ جہاں پیدا ہوا کہ فوراً شیطان اس کے پاس پہنچ گیا اور جا کر کے اس کے دل کو ٹٹولا۔

دل کو کیوں ٹٹولتا ہے؟ کیوں کہ شیطان کی محنت کی جگہ یہی انسان کا دل ہے تو اس لیے ٹٹولتا ہے کہ گویا آج ہی سے وہ اپنا بیج اس میں ڈالنا چاہتا ہے، حالاں کہ یہ بچہ ابھی تو غیر مکلّف ہے۔ غیر مکلف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے احکام ابھی اس پر لاگو نہیں ہوئے ہیں، وہ تو بالغ ہوگا، تب لاگو ہوں گے لیکن وہ اپنا کام ابھی سے شروع کر دیتا ہے، نشان لگا دیا۔

جیسے چور ہوتا ہے، وہ جب کسی مکان میں چوری کرنے والا ہوتا ہے تو وہ اچانک اس گھر میں چوری کرنے کے لیے داخل نہیں ہو جاتا بلکہ بہت دنوں تک اس مکان کا

جائزہ لیتا رہتا ہے، معائنہ کرتا ہے کہ اس مکان کے کتنے دروازے ہیں، کتنی کھڑکیاں ہیں، پڑوس میں کون رہتا ہے، وہ لوگ کب آتے ہیں، کب جاتے ہیں۔ اس طرح دن رات چوبیس گھنٹے کا جائزہ لینے کے بعد وہ اپنا کام کرتا ہے، یہی چور کی واردات کا طریقۂ کار ہوتا ہے۔

اسی طرح یہاں بچہ پیدا ہوا تو شیطان آکر اس کے دل کا جائزہ لے گیا اور اس کو ٹٹول کر، چھوکر اپنا اثر چھوڑ گیا۔

میں سمجھانے کے لیے ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ یہ ایسا ہی ہے، جیسے دوائی بنانے والی کمپنی ہے، اس نے اپنی دوا فروخت کرنے کے لیے ایک سیلس مین رکھا جو کمپنی کی دوائیں ڈاکٹروں سے رابطہ کر کے فروخت کرتا ہے۔ تو جب آپ کے شہر میں کوئی نیا ڈاکٹر آئے اور اپنی کلینک (clinic)، شفاخانہ شروع کرے تو وہ اس کے پاس فوراً دوڑا ہوا پہنچ جائے گا کہ نیا ڈاکٹر آیا ہے، ہمیں اس کے اوپر محنت کرنی ہے، اسے اپنا کلائنٹ (client) بنانا ہے۔

اسی طرح جہاں شیطان کو پتہ چلا کہ بچہ پیدا ہوا، فوراً پہنچ گیا، ذرا بھی دیر نہیں لگائی اور دل کو ٹٹولنا شروع کیا۔

نومولود بچے کے کان میں اذان واقامت کہنے کا حکم

اِدھر شیطان نے اپنا کام شروع کیا تو دوسری طرف اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کو چوں کہ ہدایت کے لیے بھیجا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو یہ

تعلیم دی کہ جب کوئی بچہ پیدا ہو تو پیدا ہونے کے بعد اس کو پہلے نہلا دھلا لو اور جو آلائشیں وہ ماں کے پیٹ سے لے کر آیا ہے، اس کو صاف کرنے کے بعد اس کے داہنے کان کے اندر اذان اور بائیں کان کے اندر اقامت کے کلمات کہو۔

آپ اندازہ لگائیں کہ اذان واقامت سنتے سنتے ہماری زندگیاں گذر گئیں: چالیس سال، پچاس سالوں سے سن رہے ہیں لیکن کتنے ہیں جو اذان واقامت کا مفہوم جانتے ہیں؟ بہت کم لوگ اس کا معنیٰ جاننے والے ہیں اور یہی اذان واقامت کے کلمات اس بچے کے کانوں میں جس کو ابھی پیدا ہوئے پانچ، دس منٹ ہوئے ہیں، کہلوائے جا رہے ہیں! وہ اس کو کیا جانے گا، اس سے کیا فائدہ ہوگا؟۔

بچے کے کان میں اذان واقامت کہنے کی حکمت

لیکن حکم دے دیا گیا۔ کیوں دیا گیا؟ کیوں کہ اذان اور اقامت کے کلمات کی اپنی ایک تاثیر ہے تو جب کان کے راستے سے یہ کلمات اس کے دل پر پہنچیں گے تو اس پر اپنا اثر کریں گے۔ اب شیطان تو اس پر قادر ہے کہ وسوسے کے ذریعے اپنے اثرات بچے کے دل تک پہنچائے اور انسان کو اس کی طاقت نہیں تو ہم کو یہ حکم ہوا کہ کان کے ذریعے سے دل تک پہنچاؤ؛ تاکہ کان کے ذریعے سے اذان واقامت کے کلمات اس کے دل تک پہنچے تو شیطان نے اس پر اپنا جو اثر ڈالا تھا، وہ دور ہو جائے۔ اس طرح شریعت نے شروع سے ہی شیطان کے اثرات سے ہمیں بچانے کی ترکیبیں بتائی ہیں، ان کو اختیار کرنا چاہیے۔

دشمنانِ اسلام کی مسلمانوں کے خلاف سازش

ہمارے ملک میں جو ہندو تنظیمیں کام کرتی ہیں اور مسلمانوں کی پکی دشمن ہیں، آر ایس ایس وغیرہ۔ان کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف ان کو نقصان پہنچانے کے لیے، انھیں تباہ اور برباد کرنے کے لیے اور دین سے برگشتہ کرنے کے لیے جو تدبیریں اختیار کی جاتی ہیں، وہ بہت ساری ہیں۔

ایک مرتبہ آر ایس ایس کا ایک پوسٹر کسی نے لاکر مجھے دیا، اس کے اندر بہت ساری چیزیں تھیں، اس کے اندر ایک چیز یہ بھی لکھی ہوئی تھی، ان کے جو کارندے ہسپتالوں کے اندر کام کرتے ہیں، اس پوسٹر میں ان کو یہ ہدایت دی گئی تھی کہ جب بھی کوئی عورت زچگی کے لیے وہاں آئے اور وہ مسلمان ہو تو اس کے پیدا ہونے والے بچے کے کان میں چپکے سے ''رام'' کہو۔ایک مدت تک یہ پرچہ میں نے اپنے پاس محفوظ رکھا۔ حالاں کہ ان کے مذہب میں تو ایسا کچھ نہیں ہے لیکن شیطان ان کے دلوں میں ڈالتا ہے کہ تم ایسا کرو۔

بچے کا دل کوری سلیٹ کی طرح ہوتا ہے

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بچے کا دل کوری سلیٹ کی طرح ہوتا ہے، یوں سمجھ لو کہ جیسے ہمارے سامنے ٹیپ ریکارڈر رکھا ہوا ہو، جو آدمی اس کی حقیقت سے ناواقف ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ یہ کوئی بے کار سی چیز ہے لیکن جو اس کی حقیقت سے واقف ہے، وہ جانتا ہے کہ اس کے سامنے جو کچھ بولا جائے گا، مخصوص بٹن دبانے سے یہ سب اپنے

اندر محفوظ کرلے گا یا کسی کے سامنے کیمرہ رکھا ہوا ہو تو جو ناواقف ہوتا ہے، اس کو پتہ نہیں لیکن جو واقف کار ہوتا ہے، وہ جانتا ہے کہ جو بھی اس کے سامنے آئے گا، یہ اس کی تصویر لے لے گا۔

اسی طرح بچے کا دل ودماغ بھی وہ ساری چیزیں محفوظ کرلیتا ہے، جس کو وہ سنتا ہے اور جس کو وہ دیکھتا ہے۔ ابھی تو اس میں بولنے اور کچھ کرنے کی صلاحیت نہیں ہے لیکن جب وہ دھیرے دھیرے بڑا ہوگا تو بڑے ہونے تک جو چیزیں اس کے دل میں خزانے کی طرح جمع ہوئی ہیں، وہ نکلیں گی۔

بچوں کے سامنے ناشائستہ حرکتوں سے اجتناب کیجیے

اسی لیے فقہاء نے آدابِ صحبت کے اندر لکھا ہے کہ اگر آپ کا چھوٹا دودھ پیتا بچہ ہے جو آپ کے قریب لیٹا ہوا ہے اور بیدار ہے تو اس کے دیکھتے ہوئے آپ بیوی کے ساتھ صحبت نہ کریں، یہ نہ سمجھیں کہ وہ تو کچھ سمجھتا نہیں۔ چاہے وہ سمجھتا نہیں ہے لیکن وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے اور اس کی آنکھ کے راستے سے یہ سارا منظر اس کے دل کے اندر محفوظ ہو رہا ہے، نقش ہو رہا ہے۔ ایک وقت آئے گا، جب اس کا ظہور ہوگا۔

بچے کے لوحِ قلب پر نقش ہونے والے مناظر کے ظہور کا ایک عبرت ناک واقعہ

میرا ایک ملک میں جانا ہوا، وہاں ایک مرتبہ دو چھوٹے سے بچوں کو دیکھا، ایک لڑکا تھا اور ایک لڑکی تھی، تو جس طرح مرد شہوت کے وقت عورت کے ساتھ حرکتیں کرتا ہے،

ایسی حرکتیں وہ بچہ اس بچی کے ساتھ کر رہا ہے، حالاں کہ ابھی وہ شہوت کی عمر کو پہنچے نہیں ہیں، پھر بھی وہ ایسی حرکتیں کیوں کر رہے ہیں؟ وہی بات ہے کہ ماں باپ کو ایسا کرتے دیکھا تو ان کی نقّالی کر رہے ہیں۔

بچہ سب کچھ سمجھتا ہے

ابھی ہمارا عمرے کا سفر ہوا تھا تو وہاں حضرت پیر ذوالفقار صاحب دامت برکاتہم سے ہماری ملاقات ہوئی تھی، وہ فرمارہے تھے کہ آج کل بچوں کی نفسیات پر کام کر رہا ہوں اور بہت سے ڈاکٹروں اور ماہرین کو جمع کیا اور اس سلسلے میں دانشوروں کی جو اپنی اپنی تحقیقات ہیں، وہ ساری میں نے لکھیں تو فرمایا کہ اس موقع پر اسلام کی تعلیمات کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔ چنانچہ بچہ بالکل چھوٹا ہوتا ہے تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں سمجھتا، حالاں کہ وہ سب کچھ سمجھتا ہے، سب کچھ محسوس کر رہا ہے، اپنے اپنے وقت پر اس کا اثر ظاہر ہوگا۔

ہماری غفلت اور شیطان کی فعّالیت

بہرحال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ شیطان اپنے کام اور اپنے مشن میں کتنا فعّال اور کتنا ایکٹیو ہے کہ بچہ پیدا ہوتے ہی اس میں اپنا اثر ڈالنے کے لیے پہنچ گیا اور ہم اپنے تمام بچوں کے کان میں اذان اور اقامت کے کلمات پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں کیا؟ آج تک ہم نے کوئی مہم چلائی ہے؟ لوگوں کو آگاہ کرنے کے لیے ایسی مہم چلانے کی ضرورت ہے۔ آج کل عام طور پر ہسپتالوں میں ایسے بہت سے بچے پیدا ہوتے ہیں

جن کے کانوں میں اذان اور اقامت کے کلمات نہیں پڑھے جاتے۔

بہر حال! شیطان کے پاس کون سا ہتھیار ہے؟ اللہ تبارک وتعالی نے انسان کو گمراہ کرنے کے لیے اس کو کون سی طاقت دی ہے؟ وہ وسوسہ ہے۔

وسوسے کی حقیقت اور اس کی دو قسمیں

یہ وسوسہ کیا ہے؟ وسوسہ گویا شیطان کی سرگوشی ہے، شیطان کی کانا پھوسی ہے، وسوسے دو قسم ہوتے ہیں: شیطانی بھی ہوتے ہیں، نفسانی بھی ہوتے ہیں۔ آدمی خود اپنے دل سے باتیں کرتا ہے، یہ بھی ایک شکل ہے، یہ نفسانی وسوسے کہلاتے ہیں اور شیطان انسان کے پاس آکر اس کے دل سے باتیں کرتا ہے، وہ شیطانی وسوسے کہلاتے ہیں۔ وسوسے کی حقیقت یہی ہے کہ وہ آکر انسان سے سرگوشی کرتا ہے۔ وہ دِکھتا نہیں ہے؛ کیوں کہ اللہ تبارک وتعالی نے اس کو بنایا ہی اس طرح ہے کہ ہم اس کو نہیں دیکھ سکتے لیکن وہ ہمارے دل سے جو باتیں کرر ہا ہے، ہمارا دل اس کو سن رہا ہے۔ وہ جو خیالات آرہے ہیں: وہ عورتیں جارہی ہیں، ان کو دیکھو، شراب پیو، زنا کرو، فلاں گناہ کرو۔ یہ جو دل میں مسلسل، بار بار گناہوں کے خیالات آتے ہیں، یہ شیطان کی باتیں ہیں جو وہ ہمارے دل میں ڈال رہا ہے۔

سائنسی ترقیات نے بہت سے لاینحل مسائل حل کر دئے ہیں

آج کل تو بلوٹوتھ کا زمانہ ہے، پہلے تو ایسی باتیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں لیکن سائنسی ترقی کے اس دور میں ان کو سمجھنا آسان ہو گیا۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہم نے حجۃ اللہ پڑھی تھی، حضرت کے اسفار زیادہ ہوتے تھے، چند دن پڑھنے کی نوبت آئی۔ حضرت فرماتے تھے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دین کی باتوں کو خاص کر کے ایمانیات کو تقریرِ دل پذیر وغیرہ کتابوں میں مشاہدات کے ذریعہ بیان کیا ہے۔ آج کل سائنسی ترقی چل رہی ہے تو سائنسی ترقیات کے نتیجے میں ایسی ایسی چیزیں سامنے آرہی ہیں کہ بعض احادیث میں جو آتا ہے کہ آدمی جب جنت میں جائے گا تو پھل فروٹ آجائے گا، دروازہ کھل جائے گا، یوں ہو جائے گا تو پہلے زمانے میں لوگ ایسا سمجھتے تھے کہ یہ "علی بابا چالیس چور" والی باتیں ہیں لیکن آج ہم دیکھ رہے ہیں، یہ ریموٹ کنٹرول سے پتہ نہیں کیا کیا ہو رہا ہے، یہ ریموٹ کنٹرول جب سے آیا ہے تو اس سے بہت سارے مسائل حل ہو گئے ہیں۔

مشینی آدمی (روبوٹ) سے تقدیر کا مسئلہ حل کرنے میں پیدا ہونے والی آسانی

اور بھی بہت سے ایسے مسائل ہیں کہ جن کو لے کر اسلام میں بہت سارے فرقے پیدا ہوئے، جیسے تقدیر کا مسئلہ ہے کہ اس کی حقیقت کیا ہے، انسان کتنا مجبور اور کتنا مختار ہے۔ یہ ایک ایسا خطرناک مسئلہ تھا کہ جس کی وجہ سے بڑے بڑے فرقے وجود میں آگئے۔ یہ آج کل کمپیوٹر کا زمانہ ہے اور کمپیوٹر کے بعد آج کل انھوں نے مشینی آدمی بنایا ہے، اس میں کتنا اختیار رہے؟ جتنا انھوں نے اختیار دیا، اتنا ہے اور جتنا نہیں دیا، وہ نہیں ہے، اس سے تقدیر کا مسئلہ تو بہت آسانی سے سمجھ میں آجائے گا۔

شیطان اپنے وساوس سے انسان کو اللہ کے حکم کے بغیر نقصان نہیں پہنچا سکتا

بہر حال! شیطان خالی دل سے باتیں کرتا ہے، یہی اس کا وسوسہ ہے، ﴿اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ﴾ قرآن اسی وسوسے کو نجوی یعنی سرگوشی سے تعبیر کرتا ہے۔ شیطان یہ سرگوشی کاہے کے لیے کرتا ہے؟ ﴿لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾: یہ وسوسے اس لیے ڈالتا ہے؛ تاکہ ایمان والوں کو غمگین کردے، تکلیف پہنچائے، کیوں کہ شیطان انسان کا دشمن ہے تو وہ انسان کو ہر طرح سے تکلیف پہنچانے کی تدبیریں کرتا ہے۔ باری تعالی فرماتے ہیں: ﴿وَلَيْسَ بِضَارِّهِمْ شَيْـًٔا﴾: وہ اپنی ان تدبیروں کے ذریعہ انسان کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، ﴿اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾: مگر جتنا اللہ کا حکم ہے، باقی یہ ہے کہ ایمان والوں کو اس معاملے میں اللہ تعالی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ میں تو وسوسے کی حقیقت بتلانا چاہتا ہوں کہ اس کی حقیقت سرگوشی ہے۔

تکلیف پہنچانے والی چیزوں سے پناہ حاصل کرنے کے دو قرآنی نسخے

دیکھو! جو چیزیں انسان کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والی تھیں، ان سے پناہ حاصل کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالی نے قرآنِ پاک میں دو سورتیں نازل فرمائیں: سورۂ فلق اور سورۂ ناس۔

سورۂ فلق میں بیان کردہ پناہ کا طریقہ

سورۂ فلق میں تو چار چیزوں سے پناہ مانگی گئی اور پناہ حاصل کرنے کے لیے اللہ

تبارک وتعالی کا ایک نام استعمال کیا گیا۔﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ﴾ پناہ چاہی گئی چار چیزوں سے اور پناہ حاصل کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالی کا ایک نام رَبُّ الْفَلَقِ استعمال کیا گیا۔

سورۂ ناس کی مختصر تفسیر

دوسری سورت سورۂ ناس ہے،﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ﴾ اس میں اللہ تعالی کی تین صفات استعمال کی گئی ہیں: (۱) رَبُّ النَّاسِ: لوگوں کا پروردگار (۲) مَلِكِ النَّاسِ: لوگوں کا بادشاہ (۳) اِلٰهِ النَّاسِ: لوگوں کا معبود۔ اس کی پناہ حاصل کرتا ہوں۔

کس سے؟﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ﴾: یعنی وہ جو بہت زیادہ وسوسے ڈالنے والا ہے، بہت زیادہ وسوسے ڈالنے والے کے شر سے میں اس ذات کی جس میں یہ تین صفتیں ہیں: (۱) ربوبیت (۲) ملوکیت (۳) الوہیت، پناہ حاصل کرتا ہوں۔ کون سب سے زیادہ وسوسے ڈالنے والا؟ آگے اس کی دوسری صفت بتلائی: الْخَنَّاسِ: جو وسوسے ڈال کے پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

اس طرح کے لوگ جو دوسروں کو چڑھاتے ہیں، ان کی عادت بھی یہی ہوتی ہے، وہ چڑھا کے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ کر رہا ہے، حالاں کہ وہ کروا رہا ہے۔ جیسے بچے ایک دوسرے کو چھیڑتے ہیں، ایک بچہ پیچھے انگلی کرتا ہے اور یہ جب

پیچھے دیکھتا ہے تو انگلی کرنے والا پیچھے ہٹ جاتا ہے، چھپ جاتا ہے۔ اسی طرح شیطان بھی وسوسہ ڈال کے پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

وسوسہ ڈالنے کی کیفیت

ایک بزرگ نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کی کہ شیطان جس طریقے سے وسوسہ ڈالتا ہے، اس کی صورت مجھے بتلائی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں خواب میں بتایا، انھوں نے دیکھا کہ جیسے مچھر ہوتا ہے، اس کی شکل میں انسان کے دل پر وہ آیا اور جہاں انسان نے اللہ کا نام لیا، وہاں وہ پیچھے ہٹ گیا اور جیسے ہی ذکر سے غافل ہوا، وہ دوبارہ آ گیا۔

ذکر سے غفلت وساوس کے آنے کا سبب ہے

انسان جب غفلت میں ہوتا ہے، تبھی وہ وسوسے ڈال سکتا ہے۔ اگر انسان ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہے تو شیطان کبھی وسوسہ ڈال نہیں سکتا۔ بہر حال! شیطان وسوسے ڈال کے پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

﴿الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ﴾ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔
﴿مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾: یہ وسوسہ ڈالنے والے دونوں قسم کے ہیں: شیاطین میں سے بھی، جنات میں سے بھی اور انسان میں سے بھی۔

بری صحبت انسان کے لیے سمِّ قاتل ہے

یہ جو بری صحبتیں ہوتی ہیں، برے لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست ہوتی ہے۔ جیسے ایک آدمی نیا نیا غلط لوگوں کی پارٹی میں آیا تو پہلے ہی دن وہ سارے مرحلے طے

نہیں کرلے گا بلکہ دھیرے دھیرے کرے گا، وہ دیکھ رہا ہے۔ یہ لوگ جو سارے کام کر رہے ہیں، وہ جس ماحول میں تھا، اس کے لیے ان کاموں پر عمل مشکل ہے۔ وہ اس کو کہیں گے کہ چلو، چلو۔ بار بار اس کو اکسائیں گے، اس کی رغبت دیں گے۔

مجالست اور ہم نشینی کے مسئلے سے ہماری بے اعتنائی

یہ بری صحبت آدمی کو بالکل ختم کر دیتی ہے اور ہم اس کو معمولی سمجھتے ہیں۔ اب یہاں رمضان کے اس مہینے میں آئے اور لگے ہوئے ہیں، اللہ تبارک وتعالی نے ماحول کی برکت سے کچھ کام کرنے کی توفیق دی، اب ہم یہاں سے جائیں گے تو ہمیں کوئی پروانہیں۔ ارے بھائی! اتنے اچھے ماحول سے آئے، پھر بھی تمھاری کمپنی پہلے جو تھی، اب بھی وہی ہے، بدلنے کا نام نہیں۔

کبوتر با کبوتر، باز با باز

بھائی! ایک آدمی وکیل بن گیا، وکالت کا سرٹیفکٹ مل گیا، وکالت کا پیشہ شروع کر دیا تو اب وہ بچپن میں جن جاہل لوگوں کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا، ان کے ساتھ بیٹھے گا وہ؟ نہیں! اب تو اس کا اسٹیٹس ایسا ہو گیا ہے کہ وہ اپنے جیسے وکیلوں کی کمپنی تلاش کرے گا۔ کوئی آدمی ڈاکٹر بن گیا، ڈاکٹری کا سرٹیفکٹ مل گیا، پریکٹس بھی کرلی، کلینک بھی کھول لی، اپنا لباس بھی تبدیل کرلیا تو اب وہ بچپن میں جن جاہل لوگوں کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا، اس لیے کہ اب بھی بعض دوست وہ ہیں جو کسان ہیں اور کچھ دوست کچھ اور بن گئے تو کیا ان کے ساتھ بیٹھے گا وہ؟۔

ہم نے جب اپنی لائن بدل لی، دین پر آ گئے، اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری کے راستے پر آ گئے تو جو لوگ بے دین ہیں، اللہ کی نافرمانی میں مبتلا ہیں، ان سے تو اپنے آپ کو بہت دور رکھنا ہے، برائی کا اثر تو اچھے اچھوں پر پڑتا ہے۔

عجب کا خطرناک انجام

آپ اندازہ لگائیں کہ مکہ مکرمہ فتح ہونے کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ حنین کی طرف جا رہے تھے۔ اس لشکر میں وہ لوگ بھی تھے جو ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ مسلمانوں کے لشکر کی کثرتِ تعداد کو دیکھ کر کسی کے منہ سے یہ جملہ نکل گیا: لَنْ نُغْلَبَ الْيَوْم مِنْ قِلَّة[1]: آج قلتِ تعداد کی وجہ سے ہم مغلوب نہیں ہو سکتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ جملہ بڑا ناگوار گذرا۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ وہاں میدانِ جنگ میں وقتی طور پر مسلمانوں کو پسپائی ہوئی، اللہ تعالی فرماتے ہیں: ﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ﴾ [التوبة: ٢٥] عجب پیدا ہو گیا۔ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہیں، اس کے باوجود اس عجب کا نقصان بھگتنا پڑا۔

بڑے مجاہدات کے بعد حاصل ہونے والے اثر کو بری صحبت سے ختم مت کیجیے

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ بری صحبت سے پرہیز کیجیے، ہم لوگ اس کو کوئی اہمیت ہی

---

① تفسیر الخازن، ۲/ ۳٤٥ - تفسیر الجلالین ۱/ ۲٤٤.

نہیں دیتے۔ بھائی! جب آپ یہاں آئے، اتنی محنتیں کررہے ہیں، لگے ہوئے ہیں، اپنے آپ کو اللہ تعالی کے ساتھ جوڑنا چاہتے ہیں، اس کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں، اللہ تبارک وتعالی کی رضامندی والے کام کرکے اس کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہیں تو سمجھ لو کہ ہماری لائن اوران کی لائن الگ ہے تو ان سے دور رہو۔ وہ اگر آپ کے ساتھ یہاں آنا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے لیکن اگر آپ یہاں سے جانے کے بعد پھر ان ہی کے ساتھ اسی اڈّے پر بیٹھنا چاہتے ہیں جس اڈّے پر پہلے بیٹھا کرتے تھے تو یہ غلط ہے۔ وہ پوچھیں گے کہ کہاں گئے تھے۔ کہا کہ ڈابھیل گئے تھے، وہ کہیں گے کہ کل پھر آجانا اسی اڈّے پر! ایک ہی دن میں مہینے بھر کی محنت کا صفایا کرڈالیں گے۔

بہرحال! میں یہ عرض کررہا تھا کہ آدمی کے دل میں جب کسی چیز کی برائی ہوتی ہے، وہ ایک دم سے جاتی نہیں ہے، جاتے جاتے جاتی ہے۔

کسی برائی کو بار بار دیکھنے سے اس کی برائی دل سے ختم ہوجاتی ہے

مجھے خوب یاد ہے کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جب ہم رمضان گذارنے کے لیے جاتے تھے، بس رمضان سے پہلے جانا ہوتا تھا اور کبھی سال میں دومرتبہ بھی جانا ہوتا تھا۔ جولوگ اس راستے سے جاتے تھے، وہ جانتے ہیں کہ وہاں دیواروں پر اشتہار کا ایک سلسلہ شروع ہوجاتا تھا، ایک اشتہار لکھا ہوا تھا کہ اگر آپ کو شادی کرنی ہے تو اس پتے پر رابطہ قائم کیجیے۔

مجھے یاد ہے کہ جب پہلی مرتبہ میں نے وہ اشتہار پڑھا تو مجھے بہت برا معلوم ہوا

کہ یہ کوئی ایسی چیز ہے کہ اس کے لیے دفتر کھولا جائے اور ان سے رابطہ کیا جائے لیکن اس اشتہار کا سلسلہ آگے دہلی تک چل رہا ہے بلکہ دہلی کے بعد بھی آگے غازی آباد وغیرہ تک۔ ان کا ایک خاص جملہ تھا کہ ''مل تو لیجیے'' مجھے یاد ہے کہ شروع میں تو اتنا گراں گذرا لیکن پھر ہمیشہ اس کو پڑھتے پڑھتے اس کی شناعت ختم ہوگئی، پھر ہمیں وہ برا معلوم نہیں ہوتا تھا۔ یہ ماحول کا اثر ہے۔

کوئی بھی اچھے سے اچھا آدمی ہوگا، جب بری صحبت میں جائے گا تو پہلے ہی دن ساری برائیوں میں مبتلا نہیں ہوجائے گا لیکن یہی برائیاں جب ان کو بار بار کرتے دیکھے گا اور اس کے ساتھی اس کو بار بار گناہ کرنے پر اکسائیں گے تو اب سنتے سنتے طبیعت کی ناگواری بھی دور ہوجائے گی اور دھیرے دھیرے وہ بھی اس میں مبتلا ہوجائے گا۔

گناہوں کی نحوست سے قلبِ انسانی سیاہ پڑ جاتا ہے

قرآن میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ [المطففين:١٤] حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ جب آدمی گناہ کرتا ہے تو گناہ کرنے کے نتیجے میں اس کے قلب پر ایک نکتہ سا لگتا ہے- اس کو وہ گناہ بھی ناگوار معلوم ہوتا ہے- اس کے قلب پر ایک سیاہ نکتہ آجاتا ہے، اگر وہ توبہ کرلے تو دور ہوجاتا ہے، ورنہ باقی رہتا ہے پھر دوسرا گناہ کرتا ہے تو دوسرا نکتہ لگتا ہے۔ گناہ کرتے کرتے اس کا پورا دل سیاہ ہوجاتا ہے[۱]۔

---

[۱] سنن الترمذي، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، بَاب وَمِنْ سُورَةِ وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ.

قلب کے سیاہ ہونے کے بعد گناہوں کی برائی دل سے ختم ہوجاتی ہے

اب اس کے دل پر مہر لگ گئی۔اب برے کام اس کو برے نہیں لگتے،ساری دنیا کو برا لگ رہا ہے لیکن اس کو اچھا لگتا ہے، وہ تو اس کی اچھائی پر لوگوں کے سامنے باقاعدہ دلیلیں پیش کرے گا،ان سے حجت کرے گا۔بہر حال!بری صحبت میں آنے والا آدمی اچانک ان گناہوں میں مبتلا نہیں ہوگا۔

بروں کی صحبت سے بچنے کی تاکید
اور تعلیماتِ نبوی کی روشنی میں برے لوگوں کی شناخت

اسی لیے شریعت بہت تاکید کرتی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو گناہ کے ماحول اور بری صحبت سے بہت بچا کر رکھے۔حدیث میں ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اَلْمَرْءُ عَلٰی دِینِ خَلِیلِهِ فَلْیَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ یُخَالِلُ[۱]: آدمی اپنے دوست کے دین اور طریقے پر ہوتا ہے۔اگر آپ جاننا چاہتے ہیں کہ وہ کیسا ہے تو دیکھ لو کہ اس کا اٹھنا بیٹھنا کہاں،اس کی کمپنی کون سی ہے،اس کے مطابق فیصلہ کرلو، یہ حدیث کہتی ہے۔

اب وہ بروں میں بیٹھتا ہے لیکن اپنے آپ کو نیک ظاہر کرتا ہے تو کرتا رہے، ہمیں تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک معیار بتا دیا کہ اس کی کمپنی غلط ہے،اس کی نشست وبرخاست غلط لوگوں کے ساتھ ہے تو وہ بھی غلط ہے۔اب اگر وہ اپنے آپ کو اچھا ظاہر کرتا ہے تو دنیا کو دھوکہ دے رہا ہے۔

---

(۱) شعب الإیمان،عَنْ أَبِي هُرَیْرَةَ ،فَصْلٌ مِنْ هَذَا الْبَابِ مُجَانَبَةُ الْفَسَقَةِ الخ. رقم الحدیث: ۸۹۹۰.

گناہوں کے وسوسے انسان کی طرف سے بھی ڈالے جاتے ہیں

تو یہ وسوسہ اندازی خالی جنات والے شیاطین ہی نہیں بلکہ شیاطین الانس بھی کرتے ہیں، قرآن میں شیاطین الانس کہا گیا ہے۔ یہ جو بری صحبتیں ہیں، وہ بھی اسی قبیل سے ہیں، دونوں سے اللہ کی پناہ حاصل کی گئی۔

شیطان وساوس ڈالنے سے اکتاتا نہیں ہے

میں یہ عرض کررہا تھا کہ انسان کو گمراہ کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے شیطان کو جو ہتھیار دیا گیا ہے اور جو طاقت دی گئی ہے، وہ صرف اور صرف وسوسہ ہے لیکن وہ اس طاقت کو بڑے زبردست انداز میں استعمال کرتا ہے، وہ انسان کے اوپر برابر مسلط رہتا ہے، باربار خیالات ڈالتا ہے اور ایک برائی کا خیال جب بار بار آئے گا تو وہ کتنا ہی برا ہو، انسان اس کے اثر کو قبول کرتا ہے۔

اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرنے میں میڈیا شیطان کے نقشِ قدم پر

گوبیل جو ہٹلر کا وزیرِ نشریات تھا، اس کا مشہور جملہ ہے کہ ایک جھوٹ کو بار بار بولیں گے تو لوگ اس کو سچ سمجھیں گے۔ آج کل آپ دیکھتے ہیں کہ یہ جو میڈیا ہے، چاہے وہ پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرونک میڈیا ہو۔ وہ جب اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں، اسلامی حقائق کو کتنا مسخ کرکے پیش کرتے ہیں لیکن وہ بار بار پیش کرتے ہیں۔ آج دنیا کی اکثر آبادی وہ ہے جو اسلام کے متعلق غلط معلومات لیے ہوئے ہے بلکہ ہمارے پڑوس میں جو غیر مسلم رہتا ہے، اگر ہم اس سے بات کریں گے تو پتہ

چلے گا کہ اس کے دل میں اسلام کے متعلق کتنی غلط چیزیں اور غلط فہمیاں ہیں لیکن آج تک ہم نے کبھی اس کا جائزہ نہیں لیا۔

وساوسِ شیطانیہ سے بچنے کی اصل تدبیر: اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کرنا

بہر حال! یہ وسوسہ شیطان کا اصل ہتھیار ہے جس کے ذریعہ وہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے تو جن وساوسِ شیطانیہ کے ذریعہ انسان گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے، اس سے بچنے کی تدبیریں کیا ہیں؟ تو اس سے بچنے کی اصل تدبیر تو یہی ہے کہ چوں کہ شیطان کا یہ عمل ہمارے قابو کا ہے نہیں تو اب اس سے بچنے کے لیے ہمیں ایک ایسی ذات کی پناہ حاصل کرنی پڑے گی جس کے قابو میں یہ ہے یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ!۔

دنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ بھی وساوسِ شیطانیہ سے ہمیں بچا نہیں سکتا

اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ شیطان کے اس حملے سے پناہ دینے والا کوئی نہیں ہے۔ شیطان جس نوع کا حملہ ہم پر کرنا چاہتا ہے، اس کے اس حملے سے بچنے کے لیے دنیا میں کوئی ایسی طاقت نہیں ہے۔ بڑے سے بڑے بادشاہ کے پاس جا کر تم کہو کہ یہ شیطان میرے پیچھے پڑا ہوا ہے اور روزانہ میرے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ یہ گناہ کرو، میں تو عاجز آ گیا ہوں؛ اس لیے مہربانی کر کے میری مدد کر دیجیے۔ تو بادشاہ کیا کہے گا؟ ارے بھائی! میرے اوپر بھی اس کے یہ حملے ہو رہے ہیں، اس میں میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں۔ دنیا کی کوئی بھی طاقت شیطان کے اس حملے سے بچا نہیں سکتی سوائے اللہ تبارک وتعالیٰ کے۔

بڑے دشمن کی ایذا سے بچنے کے لیے اپنے بڑوں کی پناہ حاصل کرنا انسانی فطرت ہے

جب کوئی ایسا دشمن ہمارے پاس آجاوے جو ہمارے قابو کا نہیں ہے تو ایسے موقع پر انسانی مزاج یہ ہے کہ وہ کسی بڑے کی پناہ مانگتا ہے۔ جیسے کوئی بچہ ہے، اس کو کوئی بڑا مار رہا ہو تو وہ دوڑتے ہوئے آکر باپ کی کمر میں ہاتھ ڈال کے کہتا ہے کہ ابّا ابّا! یہ مجھے مارتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ابّا! مجھے اس سے بچایئے!۔

اسی طرح نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں شیطان کے وساوس سے بچنے کی جو تدبیر بتائی، اس کا خلاصہ یہی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف پناہ حاصل کریں۔

وساوسِ شیطانیہ سے ڈر جانے اور پریشان ہونے کا سبب

آج کل وساوس اور برے خیالات کی وجہ سے جو زیادہ پریشانی ہوتی ہے، وہ اس لیے ہوتی ہے کہ ہم دنیا کے اندر رہ کر مادّیات کے اتنے عادی ہو گئے کہ ہر چیز کا علاج مادّی اعتبار سے سوچتے ہیں۔ زندگی میں جتنی بھی پریشانیاں اور مسائل پیش آتے ہیں، ان کو حل کرنے کے لیے ہم کبھی بھی ان تدبیروں کی طرف جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلائیں، شریعتِ مطہرہ نے بتلائیں، دھیان دیتے ہی نہیں۔ اہلِ دنیا اس سلسلے میں جو سوچتے ہیں، جو دین سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، ہم بھی ان ہی کے انداز میں سوچتے ہیں اور مادّی تدبیروں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔

اب شیطان کے ان حملوں سے بچنے کے لیے ہمارے پاس کوئی مادّی تدبیر ہے

نہیں تو وہاں جب ہم اپنے آپ کو بے بس پاتے ہیں تو بے چین ہو جاتے ہیں اور مایوس ہو جاتے ہیں کہ اب کیا ہوگا۔ وہاں بھی ہماری نظر اس طرف نہیں جاتی کہ ہم وہ تدبیر اختیار کریں جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلائی ہے۔

اسی پے رکھ اپنی بس نظر تو، نگاہ نہ دوڑ ا اِدھر اُدھر تو

تو اصل تو یہی ہے کہ آدمی اپنا تعلق اللہ تبارک وتعالی کے ساتھ ایسا مضبوط قائم کرے اور ہر وقت اس کی یاد اور اطاعت وفرماں برداری میں اس طرح مشغول رہے کہ کسی طرح کی غفلت کی نوبت نہ آوے۔ اگر ایسا ہو تو شیطان اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ قرآنِ پاک میں جگہ جگہ اللہ تبارک وتعالی نے یہ بات بتلادی، شیطان کو بھی کہہ دیا: ﴿اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾[الحجر:۴۲] کہ میرے وہ بندے جو میرے مطیع وفرماں بردار ہیں، ان کے اوپر تیرا داؤ چلنے والا نہیں ہے۔ یہ اس کو بتادیا لیکن وہ مایوس نہیں ہوا ہے، ہماری طرح نہیں کہ کوئی کام نہ ہوتا ہو تو اس کو چھوڑ دیں، نہیں! وہ چھوڑتا نہیں ہے، لگا ہی رہتا ہے لیکن اس کی تدبیریں وہاں چلتی نہیں ہیں؛ اس لیے اصل تو یہی ہے کہ بندہ اللہ کا ہو کر رہے۔

اللہ تبارک وتعالی شیطان کے وساوس اور اس کے مکروفریب سے ہماری حفاظت فرمائے۔ (آمین)

شیطانی وساوس کی حقیقت
اور ان سے بچنے کے نبوی طریقے (۲)

اقتباس

دوسرا یہ کہ ان اخبارات میں ہوتا کیا ہے، کون سے مضامین آتے ہیں؟ یہ جو روز مرّہ کے روزنامے ہیں، ان کا باقاعدہ روزانہ کا کوئی ضمیمہ ہوتا ہے جس کو گجراتی میں ’’پورتی‘‘ کہتے ہیں، ضمیمہ، زائد اور اضافی حصہ، سب گجراتی اخباروں نے اب یہ سلسلہ شروع کر دیا ہے، اس میں ایک ’’دھارمک پورتی‘‘ آتی ہے، ان کے مذہب کے متعلق اس میں معلومات ہوتی ہیں۔ اب اس میں ان ہندوؤں کے جتنے بھی عقائد ہیں، ان کے متعلق ایسے ایسے گھڑے ہوئے قصے آتے ہیں اور ہمارا یہ مسلمان طبقہ اس کا ایک ایک لفظ بڑے شوق سے پڑھتا ہے۔

ہمارے مسلمان نوجوانوں کو قرآن کی آیتیں اور نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں پڑھنے کی فرصت نہیں اور یہ پورتیاں پوری کی پوری پڑھ ڈالتے ہیں۔

اب یہ ساری باتیں جو دین کے خلاف بتائی گئی ہیں، ان کو آپ پڑھیں یا سنیں تو ظاہر ہے کہ دل ودماغ میں شکوک وشبہات پیدا ہوں گے، اس سے اپنے آپ کو بہت زیادہ بچانے کی ضرورت ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدُللہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سیدالأنبیاءِوالمرسلین، سیدنا ونبینا وحبیبنا وشفیعنا محمد واٰلہ وأصحابہ أجمعین.

کل کی مجلس میں وساوس اورخیالات کی بات شروع کی تھی،کل یہ بتلایا تھا کہ وسوسہ کیا ہے؟اب یہ جووساوس آتے ہیں،ان کی مختلف قسمیں ہیں اوراسی اعتبار سے اس کاعلاج بھی بتلایا جاتا ہے۔

وساوس کی پہلی قسم:ایمانیات کے متعلق آنے والے وساوس

وساوس کی پہلی قسم وہ ہے جوآدمی کے دل میں ایمانیات اورعقائد کے متعلق آتے ہیں یعنی ہمیں جن چیزوں پرایمان لاناضروری ہے:اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات، اس کی صفات، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت، قیامت، جنت،دوزخ، دوبارہ پیدا کیاجانا، قیامت،حساب کتاب، نامۂ اعمال کاتلنا،تقدیر، یہ ساری چیزیں ہیں جن پرہم ایمان لاتے ہیں:آمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلَائِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدَرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالیٰ: یہ ایمانیات پرمشتمل مختصرکلمہ ہے۔

بہت سےنوجوان حضرات اپنے دل میں ان امورکے متعلق وسوسہ محسوس کرتے ہیں۔وہ امورکہ مؤمن اورمسلمان ہونے کی حیثیت سےجن کاعقیدہ رکھناضروری ہے، مثلاً:اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق،اس کی صفات سے متعلق، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اوررسالت کے متعلق کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے نبی اوررسول ہیں۔اسی طرح قیامت کے

متعلق کہ قیامت آنے والی ہے۔ قرآن اللہ کی کتاب ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمائی، جنت اور دوزخ کے متعلق کہ وہ حق ہیں۔

یہ عقائد جو ہمیں بتلائے گئے ہیں اور ایک مسلمان اور مؤمن ہونے کی حیثیت سے ان پر ایمان رکھنا اور ان کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے، اس کے متعلق بعض لوگوں کو خیالات اور وساوس آتے ہیں: بعض مرتبہ یہ وسوسہ آتا ہے کہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہے یا نہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں آئے بھی تھے یا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں بھی یا نہیں۔ پتہ نہیں قیامت آئے گی یا نہیں آئے گی۔ اس طرح کے خیالات اور وساوس بعض لوگوں کو محسوس ہوتے ہیں۔

وسوسہ اندازی سے شیطان کا مقصود

اس وسوسہ اندازی سے شیطان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ آدمی کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اور گمراہ نہ ہو تو اس کو تکلیف میں ڈالنا چاہتا ہے۔ انسان جتنا زیادہ تکلیف میں ہو، اس کو اتنی ہی زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ کسی کا کوئی دشمن ہو تو اس کو جب بھی کوئی تکلیف پہنچے گی تو دشمن خوش ہوگا، اسی طرح ان وساوس کے ذریعہ شیطان انسان کو تکلیف میں ڈال کر خوش ہوتا ہے۔

قسمِ اول کے وساوس اور ان کو دفع کرنے کی تفصیل

جن لوگوں کو اعتقادات اور ایمانیات کے متعلق اس طرح کے وساوس آتے ہیں تو اس کے متعلق یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک تو ہے ہمارا اعتقاد یعنی وہ یقین جو ہمارے دل

میں جما ہوا ہے اور ایک ہے اس کے متعلق آنے والے خیالات اور وساوس، یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

ایک مؤمن اور ایک مسلمان جب کہ وہ مسلمان اور مؤمن ہے، وہ اپنے دل میں اس بات کا اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ تعالی ایک ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالی کے نبی اور رسول ہیں، اللہ تبارک وتعالی نے آپ پر وحی بھیجی، قرآنِ پاک نازل فرمایا۔ قیامت قائم ہونے والی ہے۔ جنت ہے، دوزخ ہے۔ یہ ساری چیزیں جن کا ایک مسلمان اعتقاد رکھتا ہے، اپنے دل میں یقین رکھتا ہے۔

عقائد کے متعلق آنے والے وساوس کی حقیقت اور ایک مثال سے اس کی تفہیم

یہ یقین رکھنے کے باوجود کبھی اس کے دل ودماغ میں خیالات کے طور پر ایک وسوسہ یہ آتا ہے کہ پتہ نہیں اللہ کی ذات ہے یا نہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے، جیسے آپ کی جیب میں روپے ہیں، آپ کو یقین ہے کہ روپے ہیں لیکن کبھی خیال آجاتا ہے کہ جیب میں روپے ہیں یا نہیں، پھر وہ جیب ٹٹول ٹٹول کر دیکھتا ہے۔ اب دیکھو! آپ کو روپیہ ہونے کا یقین ہے، اس کے باوجود آپ کو اس کے متعلق یہ خیال آیا۔

آپ اپنے گھر میں ایک چیز رکھ کر کے آئے، تجوری میں بند کر کے آئے اور آپ کو یقین ہے کہ وہ چیز میرے پاس موجود ہے لیکن اس کے باوجود کبھی آپ کے دل میں یہ خیال آجاتا ہے کہ پتہ نہیں، وہ چیز گھر پر موجود ہے یا نہیں۔ اب آپ جائیں گے اور

تجوری کھولیں گے۔

میں اس مثال سے یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ ایک حقیقت جو ہمارے دل میں بیٹھی ہوئی ہے، وہ اپنی جگہ پر موجود ہے لیکن اس کے باوجود ایسے خیالات اور وساوس انسان کے دل میں آتے ہیں تو یہ سمجھنا چاہیے کہ اس طرح کے خیالات اور وساوس کی وجہ سے وہ حقیقت نہیں بدل جاتی، وہ اپنی جگہ پر قائم ہے۔ ایمان تو اس حقیقت کا نام ہے۔ یہ وساوس جو آرہے ہیں، اس کی وجہ سے ایمان پر کوئی زد نہیں پہنچے گی، ایمان اپنی جگہ پر موجود ہے۔

دیکھو! اگر ان وساوس اور خیالات کی وجہ سے اس کی طبیعت پر اتنا زیادہ دباؤ پڑا کہ اس کا چین وسکون چھن گیا اور وہ رو رہا ہے، پریشان ہے اور اس کو یہ احساس ہو رہا ہے کہ -نعوذ باللہ- میں ایمان سے محروم ہو گیا، اللہ کی بارگاہ سے مردود ہو گیا تو اس کا یہ احساس اور خیال غلط ہے اور اس کا اس طرح پریشان ہونا احادیث کی روشنی میں اس کے ایمان کی دلیل ہے۔

حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس امت پر احسانِ عظیم

اللہ تبارک وتعالی جزائے خیر دے حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جنھوں نے قیامت تک آنے والی امتِ محمدیہ کے اس قسم کے مسائل نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت فرما کر حل کرائے۔ چنانچہ کل گذشتہ میں نے آپ حضرات کے سامنے کچھ روایتیں بھی پڑھی تھیں، آیات کے متعلق تو عرض کر دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مختصر تشریح

جو روایتیں پڑھی تھیں، ان میں ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے، صاحبِ مشکوۃ نے اس کو ذکر کیا ہے: جَاءَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَسَأَلُوهُ کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے کچھ لوگ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: إِنَّا نَجِدُ فِي أَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاظَمُ أَحَدُنَا أَنْ يَتَكَلَّمَ بِهِ کہ: بعض اوقات ہم اپنے دلوں میں کچھ ایسے خیالات پاتے ہیں، کچھ ایسے احساسات اپنے اندر پاتے ہیں کہ اپنی زبان سے اس کو بولنا ہم میں سے ہر ایک کو بہت بھاری معلوم ہوتا ہے، يَتَعَاظَمُ أَحَدُنَا أَنْ يَتَكَلَّمَ بِهِ: ہم میں سے ہر شخص کو اس کو اپنی زبان پر لانا گراں گذرتا ہے۔ اس پر نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: أَوَقَدْ وَجَدْتُمُوهُ؟: کیا واقعۃً اس طرح کا احساس تمھیں ہوتا ہے؟ یعنی اس طرح کے خیالات تمھارے دلوں میں آنے پر تم اس کو اپنی زبان سے نکالنا بھاری سمجھتے ہو؟ قَالُوا: نَعَمْ: انھوں نے جواب دیا: ہاں! تو نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ذَاكَ صَرِيحُ الْإِيمَانِ: یہی تو ہے کھلا ہوا ایمان!۔

دلوں میں آنے والے برے خیالات کو برا سمجھنا ایمان کی دلیل ہے

دیکھیے! نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت آسانی کے ساتھ اس مسئلے کو حل کر دیا، گویا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ تمھارا ان آنے والے وساوس کے متعلق یہ سمجھنا کہ یہ وساوس اور خیالات اتنے خطرناک ہیں کہ ہم ان کو اپنی زبان پر لا نہیں سکتے، ان آنے والے وساوس اور خیالات کے متعلق تمھارا یہ احساس، تمھارا اس کو یہ سمجھنا کہ ہم

ان کو اپنی زبان پر لا نہیں سکتے، یہی تو ایمان کی علامت ہے۔

کافر وساوسِ شیطانیہ کا داعی ہوتا ہے، اس کو برا نہیں سمجھتا

گویا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرما رہے ہیں کہ تمھارے دل میں ایمان ہے، اسی لیے تم آنے والے اس قسم کے خیالات کو برا سمجھتے ہو۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ جس کے دل میں ایمان نہیں ہوگا۔ ایک آدمی کافر ہے جو ان باتوں کا عقیدہ نہیں رکھتا تو کیا اس کے دل میں اس طرح کے برے خیالات آئیں تو وہ اس کو برا سمجھے گا؟ وسوسے کیا، وہ تو یہ یقین رکھتا ہے، اس کے دل میں یہ یقین ہے کہ -نعوذ باللہ- اللہ نہیں ہے، قیامت آنے والی نہیں ہے۔ اس کا صرف وسوسہ نہیں بلکہ یقین ہے اور اگر وہ داعی ہے تو ساری دنیا کو ان غلط عقائد کی طرف بلاتا ہے اور اس چیز کو ثابت کرنے کے لیے اپنے زعم میں دلائل قائم کرتا ہے۔ جو آدمی اس درجے تک پہنچا ہوا ہے، کیا اس کے دل میں کبھی یہ خیال آئے گا کہ میرے دل میں آنے والے یہ خیالات برے ہیں؟ وہ تو بول بھی رہا ہے، لوگوں کو بلا بھی رہا ہے، اس کو برا سمجھنا تو دور کی بات ہے!۔

برے خیالات کو برا سمجھنا ایمان کی دلیل کیوں ہے؟

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گویا تسلی دے رہے ہیں کہ تمھارا ان آنے والے غیر اختیاری خیالات اور وساوس کو برا سمجھنا اور ایسا سمجھنا کہ ہم ان خیالات کو اپنی زبان پر نہیں لا سکتے۔ یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ تمھارے دل کے اندر ایمان موجود ہے۔

لو بھائی! ہم جس کے بارے میں یہ سمجھ رہے تھے کہ اس کی وجہ سے ایمان چلا گیا، اسی کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان قرار دے رہے ہیں۔ اور یہ حقیقت بھی ہے۔ چنانچہ اگر اس کے دل میں ایمان نہ ہوتا، ان چیزوں کا اعتقاد نہ ہوتا تو ان آنے والے خیالات کو وہ برا نہ سمجھتا۔ ہمارے بعض نوجوانوں کو جب اس طرح کے خیالات آتے ہیں تو وہ -نعوذ باللہ- یہ سمجھتے ہیں کہ میں کافر ہو گیا، میں مردود ہو گیا، جہنمی بن گیا۔ ایسا نہیں ہے۔ شیطان اس طرح کے خیالات ڈال کر مؤمن کو تکلیف پہنچانا چاہتا ہے۔ یہ ذَاكَ صَرِيحُ الْإِيمَانِ کی ایک توجیہ ہے۔

ذَاكَ صَرِيحُ الْإِيمَانِ کی ایک دوسری توجیہ

ذَاكَ صَرِيحُ الْإِيمَانِ کی ایک دوسری توجیہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجرِ مکی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں ہے۔ دیکھو! پہلی توجیہ میں تو یہ تھا کہ ان آنے والے وساوس کو برا سمجھنا صَرِيحُ الْإِيمَانِ ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے اس کے متعلق سوال کیا تو حضرت نے جواب میں فرمایا کہ بھائی! دیکھو! چور اسی گھر میں داخل ہوتا ہے جس میں مال ہوتا ہے تو شیطان کا تمھارے دل میں ایمانیات کے متعلق اس طرح کے وسوسے ڈالنا اس بات کی دلیل ہے کہ تمھارے دل میں ایمان ہے، یہ صَرِيحُ الْإِيمَانِ ہے، شیطان اسی لیے آیا ہے کہ تمھارے دل میں ایمان جیسی قیمتی چیز موجود ہے۔

شیطان کی فعّالیت اور ہماری بے حسّی

شیطان کاہے کو آتا ہے؟ شیطان کوئی بھی کام اور محنت بے کار اور فضول میں کرتا

نہیں، یہ تو ہم ہی ہیں جو لایعنی کاموں میں مشغول رہتے ہیں: یہاں بیان ہو رہا ہے، پیچھے موبائل لے کر بیٹھے ہیں، شام کو کتاب کی تعلیم ہو رہی ہے، وہاں بالکنی میں بے کار بیٹھا ہوا ہے۔ یہاں ہم سننے اور سیکھنے کے لیے آئے تھے اور اس کے سوا سب کام کر رہے ہیں۔ ہمارے دل میں یہ غم بھی ہوتا ہے کہ ہمارے منتظمین ان کی اتنی ساری خدمتیں کرتے ہیں، یہ اتنے دور سے آئے ہیں، پھر یہ اپنے وقت کو کیوں ضائع کر رہے ہیں! پہلے ہی دن آپ کو یہ بات بتلائی تھی کہ ان لغویات سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔

پیچھے رہنے کا رجحان آدمی کو دینی کمالات کے حصول سے محروم کرنے والا ہے

آگے بڑھو، حدیث میں آتا ہے کہ پہلی صف میں کھڑے رہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ پیچھے رہتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ پیچھے رہتے رہتے اللہ تبارک وتعالی ان کو جہنم تک پہنچا دے [1]۔ دین کے کاموں میں آگے بڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے، آپ کا جذبہ تو یہی ہونا چاہیے کہ میں آگے بڑھوں، بھلے آپ کو پہلی صف میں کھڑے رہنے کا موقع نہیں ملا لیکن یہ جو جذبہ ہے نا، اس کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالی آپ کو نواز دیں گے لیکن اگر آپ کا یہ جذبہ ہی نہیں ہے، پہلی صف میں جگہ مل سکتی ہے پھر بھی آپ بڑی بے رخی اور بے پروائی کے ساتھ اور استغنا کے ساتھ پیچھے ہی بیٹھے ہوئے ہیں کہ

① عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ رَأَى فِي أَصْحَابِهِ تَأَخُّرًا فَقَالَ لَهُمْ: تَقَدَّمُوا فَأْتَمُّوا بِي، وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ، لَا يَزَالُ قَوْمٌ يَتَأَخَّرُونَ حَتَّى يُؤَخِّرَهُمُ اللهُ(صحيح مسلم،باب جزاء الذين يتأخرون عن الصفوف الأول،رقم الحديث:٤٣٨)

میں تو پیچھے ہی رہوں گا تو جو پیچھے رہنا پسند کرتا ہے، اللہ تبارک وتعالی اس کو پیچھے ہی رکھتے ہیں، یہ چیز آدمی کو دینی کمالات اور فضائل کو حاصل کرنے سے محروم کرنے والی ہے۔ یہ تو ضمناً بات آ گئی تو بتادی۔

شیطان بے وقوف نہیں ہے کہ کسی شیعی پر اپنی محنت کو ضائع کرے

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ چور اسی گھر میں آتا ہے جہاں مال ہوتا ہے۔ ہمارے حضرت مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ مظاہر علوم میں ایک شیعی آیا اور مدرسے کے مہمان خانے میں قیام کیا، کئی روز تک رہا اور بہت سے دینی مسائل پر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے گفتگو ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب قادیانیت نئی نئی پھیل رہی تھی۔ اس شیعی نے حضرت سے ایک بات کہی کہ یہ جتنے بھی قادیانی بنتے ہیں، سب سنّی ہی بنتے ہیں، کوئی شیعہ آج تک قادیانی نہیں بنا۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ شیعہ کے پاس تو پہلے سے ہی ایمان نہیں ہے تو شیطان کو اس کے اوپر محنت کرنے اور اسے قادیانی بنانے کی کیا ضرورت ہے! وہ تو سنّی کو قادیانی بنائے گا کہ اس کے پاس ایمان ہے، وہ اس ایمان والی دولت سے اس کو محروم کرنا چاہتا ہے تو شیطان کوئی بے وقوف نہیں ہے کہ کسی شیعی پر اپنی محنت کو ضائع کرے۔

مغرب سے طلوعِ آفتاب کے بعد ایمان غیر معتبر ہوگا

جیسے قرآنِ پاک میں اللہ تعالی فرماتے ہیں: ﴿يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ

لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُھَا﴾[الأنعام:۱۵۸] کہ جب اللہ تبارک وتعالی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یعنی سورج کا جانبِ مغرب سے طلوع ہونا ظاہر ہوگی تو اس کے بعد جو لوگ ایمان لائیں گے تو ان کے حق میں ان کا ایمان کار آمد نہیں ہوگا۔

بخاری شریف میں روایت موجود ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی آیت کے متعلق ارشاد فرمایا کہ جب سورج جانبِ مغرب سے طلوع ہوگا تو سب لوگ ایمان لے آئیں گے [۱]۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ - اللہ تبارک وتعالی ان کی قبر کو نور سے بھر دے - نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کی عجیب توضیح فرمائی۔

جانبِ مغرب سے سورج طلوع ہونے پر سب لوگوں کے ایمان لانے پر ایک اشکال

پہلے تو ایک اشکال قائم فرمایا کہ جب سے اللہ تبارک وتعالی نے یہ دنیا پیدا فرمائی ہے، تب سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت تک نبیوں کا ایک سلسلہ جاری ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہے، غلط راستے سے ہٹا کر سیدھے راستے کی دعوت دیتا ہے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے جو نائبین ہیں حضراتِ علماء، وہ یہ سلسلہ جای رکھے ہوئے ہیں اور دنیا میں لوگوں کو ایمان پر قائم رکھنے کی مسلسل محنتیں ہو رہی ہیں، لوگوں کو ایمان کی دعوتیں دی جا رہی ہیں لیکن آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ سب لوگ ایمان لے آئے ہوں تو پھر سورج کو جانبِ مغرب سے طلوع ہوتا ہوا دیکھ کر سب لوگ

[۱] صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تعالى عَنْهُ، بَابُ {لاَ يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا}، رقم: ٤٦٣٥.

ایمان کیسے لے آئیں گے؟۔

مذکورہ اشکال کا بے مثال جواب

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا کہ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی دعوت اور علماء کی دعوت کے باوجود سب لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی شیطان رکاوٹ ڈالتا ہے، ان کی دعوتوں اور ان کی باتوں کے سلسلے میں لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات اور اشکالات ڈالتا رہتا ہے جس کی وجہ سے لوگ ایمان نہیں لاتے، اس طرح ایمان کے راستے میں شیطان رکاوٹ ڈالتا ہے۔ اب جب سورج جانبِ مغرب سے طلوع ہوگا اور شیطان جانتا ہے کہ اب لوگوں کے ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے تو رکاوٹ ڈالنا ہی چھوڑ دے گا؛ اس لیے سارے لوگ ایمان لے آئیں گے۔

بہر حال! ہمارے حضرت نے اس شیعے کو یہی جواب دیا کہ شیعوں کے پاس ہے ہی کیا کہ شیطان اس پر اپنی محنت ضائع کرے۔

کافروں کے دلوں میں وساوس نہ آنے کے اشکال کا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے جواب

علامہ ابنِ قیّم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اسی نوع کا ایک جملہ دیکھا کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ یہ یہودی لوگ عبادت کرتے ہیں تو ان کی عبادت میں اس طرح کے خیالات اور وساوس نہیں آتے تو حضرت عبداللہ بنِ عباس

رضی اللہ عنہما نے یہی جواب دیا کہ ان کی عبادتیں اللہ تبارک وتعالی کے یہاں قبول تو ہوتی نہیں تو ایسا خیال ڈال کر کے شیطان اس کو پریشان کرنے کی کوشش کاہے کو کرے گا! وہ تو جانتا ہے کہ کیسی بھی عبادت کرے، وہ قبول ہونے والی نہیں ہے تو اس کو اطمینان کے ساتھ کرنے دو۔

وساوس سے پریشان آدمی کے لیے یہ حدیث تسلی کا سامان ہے

بات یہ چل رہی تھی کہ آپ کے دل میں وساوس اور خیالات آرہے ہیں تو ان کا آنا خود ہی دلیل ہے اس بات کی کہ آپ کے دل میں ایمان موجود ہے۔ یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ایک بات ذَاكَ صَرِيحُ الْإِيمَانِ فرمائی تھی، اس کی وضاحت کے طور پر میں نے یہ دو توجیہیں آپ کے سامنے پیش کی ہیں اور کوئی ایسا مسلمان جس کو اس قسم کے وساوس آتے ہیں اور ان کے آنے کی وجہ سے وہ اپنے متعلق یوں سمجھتا ہے کہ -نعوذ باللہ- میں ایمان سے نکل گیا اور اس کی وجہ سے پریشان ہوتا ہے، بے چین ہوتا ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بے چینی دور فرمادی۔

بات صاف ہوگئی کہ ایسے وساوس اور خیالات کی وجہ سے اپنے آپ کو کافر ومشرک سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

وساوسِ شیطانیہ کی آمد کے بھی اسباب ہوتے ہیں

لیکن ایک تیسری بات یہ عرض کرتا ہوں کہ بہت سی مرتبہ اس طرح کے جو خیالات آتے ہیں، اس کی وجہ بھی ہوا کرتی ہے۔ ایک مؤمن کو بحیثیت مؤمن کے ضروری ہے،

اس کے ایمان کا تقاضا ہے کہ ایسی چیزیں جو اس کی ایمان کی راہ میں شکوک وشبہات پیدا کرنے والی ہوں، آگے اس کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے والی ہوں، اس سے اپنے آپ کو بچائے۔ یہ بھی ضروری ہے۔

اخبار بینی کا غلط ذوق اور اس کے مضر اثرات

ہمارے اس زمانے میں ہر آدمی کا ایک مزاج بن گیا ہے کہ جو سامنے آوے، پڑھو اور آج کل یہ جو میڈیا ہے، چاہے وہ پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرونک میڈیا ہو، اس پر جتنی بھی چیزیں آتی ہیں، اس میں ایک چیز بھی ایسی نہیں آتی جس میں اسلام کے لیے خیر و بھلائی ہے بلکہ وہ ایسے مسائل چھیڑتے ہیں، ایسی بحثیں چھیڑتے ہیں جس کی وجہ سے ایک پختہ مؤمن کے ایمان کے اندر بھی تزلزل آجاتا ہے۔ بعض لوگوں کی تو عادت ہوتی ہے کہ اخبار کی ہر چیز پڑھ لیتے ہیں۔ نہیں پڑھیں گے تو بس دینی چیزیں نہیں پڑھیں گے، دینی رسائل کو ہاتھ نہیں لگاتے۔

دینی معلومات پر مشتمل لٹریچر سے ہماری مجرمانہ بے اعتنائی

میں کہا کرتا ہوں کہ مدارسِ دینیہ کے جلسوں میں پہنچ گئے تو جب نکلیں گے تو باہر آدمی کھڑے ہیں، اِدھر بھی کھڑا ہے، اُدھر بھی کھڑا ہے جو دینی مضامین پر مشتمل پرچے، کتابچے تقسیم کر رہا ہے، آپ نہیں لینا چاہیں گے تو بھی لوگوں کی شرم کی وجہ سے ہاتھ بڑھا کر لے لیں گے، ورنہ کہنے والے کہیں گے کہ مفت مل رہا ہے، پھر بھی نہیں لیتا، لینے کو تو لے لیں گے لیکن پڑھنے کی توفیق نہیں ملے گی۔ حالاں کہ اس میں کیا ہوتا ہے؟ اگر

رمضان قریب ہے تو اس کے متعلق احکام ہوتے ہیں، اور بھی بہت ساری چیزیں ہوتی ہیں، دینی معلومات ہوتی ہیں۔ اللہ کے بعض بندے چاہتے ہیں کہ دوسرے بندوں تک بھی دین کے احکام پہنچ جائیں۔

اب یہ آئے ہیں تو ان کے ہاتھ میں تھما دیا لیکن بہت سے وہ ہوتے ہیں کہ جو ہاتھ میں پکڑا ہوا ہے، اس کو ذرا بھی پڑھتے نہیں، دیکھنے تک کی زحمت گوارا نہیں کرتے، لے جا کر کے گھر کے کسی طاقچے میں ڈال دیا۔

روزناموں (اخباروں) کے دیوانے

اس کے برخلاف یہ جو روزمرّہ کے اخبارات ہیں، اس کا ایسا عادی بن گیا ہے کہ چائے کا گھونٹ حلق سے اترے گا نہیں، جب تک کہ وہ اخبار نہ دیکھ لے، پہلے اخبار دیکھے گا پھر چائے اچھی لگے گی اور اس کا ایسا عادی بن گیا ہے کہ صبح اس کو پڑھے گا پھر رکھ کر کے آفس گیا، اس کے بعد دوپہر کو کھانے کے لیے آئے گا تو ٹیبل پر پڑا ہوا اخبار اٹھائے گا اور پڑھے گا۔ حالاں کہ سب کچھ پڑھ چکا ہے، اس کو سب معلوم ہے کہ اندر کہاں کیا لکھا ہوا ہے، پھر بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ پھر شام کو آئے گا تو پھر اسی کو لے کر بیٹھے گا۔ دوسرے دن جب تک نیا اخبار نہیں آجاتا، اس کے ساتھ یہی معاملہ اس کا چلتا رہتا رہے گا۔

اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش

دورِ حاضر علم کا دور ہے، میڈیا نے بھی بہت زیادہ ترقی کرلی ہے، اتنی کہ اس

سے زیادہ تصور بھی بظاہر ممکن نہیں اور اس میں بہت کچھ آتا ہے۔ اب بہت سے لوگوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ سب کچھ پڑھتے ہیں، اب اس میں جتنا بھی کوڑا کرکٹ آتا ہے، وہ سب اپنے دماغ میں لے رہا ہے، یہ غلط بات ہے۔ آپ راستے میں جو کچھ پڑا ہوا ہو، سب کچھ لے لیتے ہیں؟ اگر اپنے جیب میں یا گھر میں سب کچھ اٹھا کر رکھنے لگو گے، تب تو تمھارا گھر کباڑ خانہ بن جائے گا تو جس طرح تم اپنے گھر کو، اپنی جیب کو ایسی فضول چیزوں سے بچاتے ہو، اسی طرح اپنے دل ودماغ کو بھی ایسی فضول چیزوں سے بچانے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ ہمیں کن چیزوں کا مطالعہ کرنا ہے، مطالعے کے لیے صحیح انتخاب بے انتہا ضروری ہے۔

موجودہ روزناموں کی واقعات بیان کرنے میں دروغ گوئی کی انتہا

حالاں کہ ہم ان اخباروں کے متعلق جانتے ہیں کہ وہ اسلام کے کتنے پکے دشمن ہیں، اس کے باوجود اس میں جو باتیں، جو حقائق، خاص کر کے اسلام اور مسلمانوں کے متعلق جو باتیں ہیں، وہ کس قدر توڑ مروڑ کر پیش کی جاتی ہیں۔ ایک واقعہ آپ کی آنکھوں کے سامنے پیش آیا، آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ یہ ہوا۔ اب اسی واقعے کی رپورٹنگ اخبار میں دیکھ لیجیے۔ آپ اس واقعے کی خبر اخبار میں پڑھیں گے تو حیرت زدہ ہو کر رہ جائیں گے کہ ہوا کیا تھا اور لکھا کیا گیا ہے، خاص کر کے مسلمانوں کے متعلق، ایسے جھوٹے الزامات ہوتے ہیں کہ جن کا کوئی سر پیر نہیں ہوتا، پھر بھی ہم ان

اخبارات کو خرید کر پڑھتے ہیں اور خرید کر کے گویا ان کو تقویت پہنچاتے ہیں۔

گجراتی اخبارات کے بارے میں ایک بڑے سرکاری ہندو افسر کا حقیقت پسندانہ تجزیہ

پہلی بات تو یہ کہ ان اخباروں کو کتنا پڑھنا چاہیے؟ خریدنا بھی چاہیے یا نہیں؟ جیسا کہ میں نے ابھی بتایا کہ اگر ہمارا سب سے بڑا کوئی دشمن ہے تو وہ یہی اخبارات ہیں، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر اگلتے ہیں۔ ایک بہت بڑے سرکاری آفیسر کا ایک جملہ میرے سامنے ایک آدمی نے نقل کیا کہ گجرات کے یہ جتنے بھی اخبارات ہیں، وہ اتنے متعصب ہیں کہ پورے ہندوستان میں اس کی نظیر نہیں، یہ ایک ہندو افسر کا جملہ ہے۔ یہ سب کچھ جان کر بھی ہم اس کو خریدتے ہیں۔

اخباروں کو خریدنا دشمنِ اسلام کو تقویت پہنچانا اور گناہ میں مدد کرنا ہے

حالاں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدۃ:۲] ہم اللہ کے اس حکم کی مخالفت کر رہے ہیں اور بعض لوگ تو سماج میں اپنا مقام، اسٹیٹس اونچا بتانے کے لیے ایک نہیں، کئی کئی اخبارات خرید کر پڑھتے ہیں: سندیش بھی خریدتے ہیں، دیویا بھاسکر بھی خریدتے ہیں، گجرات سماچار بھی خریدتے ہیں، گجرات مِتر بھی ہونا چاہیے اور انگریزی کا بھی فلاں فلاں اخبار ہونا چاہیے، پڑھیں گے کچھ بھی نہیں، یوں ہی پڑا رہے گا لیکن خریدیں گے، پیسے ضائع کریں گے، اگر کسی نیک کام کے لیے کہا جاتا تو خرچ کرنے کے لیے تیار نہ ہوتے۔

ضرورت سے زیادہ اخبار خریدنا بھی اسراف ہے

دیکھیے! اگر آپ کاروباری آدمی ہیں تو آپ کو اپنے کاروباری لائن سے، تجارت کی لائن سے جو باتیں آتی ہیں، ان کو پڑھنے کے لیے آپ کو یہ اخبار خریدنے کی ضرورت ہے تو یہ ضرورت تو ایک سے بھی پوری ہو جاتی ہے تو جتنی ضرورت ہے، اسی پر اکتفا کیجیے۔ اتنے زیادہ اخبارات خریدنا، یہ تو فضول خرچی ہے۔

واقعی جو ضرورت ہے، اس میں بھی ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کو شریعت اسراف اور فضول خرچی کہتی ہے: کھانا، پہننا۔ اس میں بھی ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اسراف ہے۔ کوئی آدمی دو کپڑے پہنے تو لوگ اس کی عقل پر شبہہ کریں گے کہ اس کی عقل ٹھکانے ہے کہ نہیں، ڈبل کرتے پہن کر آیا ہے! اور یہاں (اخبارات کے سلسلے میں) اس کو ہماری سمجھداری سمجھی جا رہی ہے!!۔

بہر حال! یہ اخبارات بقدرِ ضرورت خریدو اور پڑھو، اس کو مشغلہ نہ بناؤ! آپ اپنی ضرورت کے مطابق ایک وقت طے کر لو کہ دس منٹ یا پندرہ منٹ سے زیادہ اس کے پیچھے میں اپنا وقت نہیں لگاؤں گا، یہ طے کر لیجیے، ورنہ یہ اخبارات آپ کا سارا وقت کھا جائیں گے۔

روزناموں کا ایک عظیم فتنہ: دھارمک پورتی

دوسرا یہ کہ ان اخبارات میں ہوتا کیا ہے، کون سے مضامین آتے ہیں؟ یہ جو روز مرّہ کے روزنامے ہیں، ان کا باقاعدہ روازانہ کا کوئی ضمیمہ ہوتا ہے جس کو گجراتی میں

''پورتی'' کہتے ہیں، ضمیمہ، زائد اور اضافی حصہ، سب گجراتی اخباروں نے اب یہ سلسلہ شروع کردیا ہے، اس میں ایک ''دھارمک پورتی'' آتی ہے، ان کے مذہب کے متعلق اس میں معلومات ہوتی ہیں۔ اب اس میں ان ہندوؤں کے جتنے بھی عقائد ہیں، ان کے متعلق ایسے ایسے گھڑے ہوئے قصے آتے ہیں اور یہ ہمارا مسلمان طبقہ اس کا ایک ایک لفظ بڑے شوق سے پڑھتا ہے۔

ہمارے مسلمان نوجوانوں کو قرآن کی آیتیں اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں پڑھنے کی فرصت نہیں اور یہ پورتیاں پوری کی پوری پڑھ ڈالتے ہیں۔

اب یہ ساری باتیں جو دین کے خلاف بتائی گئی ہیں، ان کو آپ پڑھیں یا سنیں تو ظاہر ہے کہ دل و دماغ میں شکوک وشبہات پیدا ہوں گے، اس سے اپنے آپ کو بہت زیادہ بچانے کی ضرورت ہے۔

مصنف کے نظریات کا اثر کتاب پڑھنے والے پر بھی مرتب ہوتا ہے

ہر چیز کا ایک اثر ہوتا ہے۔ ہمارے یہاں نصاب میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں تو آپ نے ہمارے بزرگوں کی یہ بات ضرور سنی ہوگی کہ کتاب کا جو مصنف ہے، اس کے خیالات، اس کے عقائد، اس کا مزاج اور اس کی طبیعت کا اثر بھی اس کتاب سے ظاہر ہوتا ہے اور پڑھنے والے پر پڑتا ہے۔ ہمارے یہاں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، اس میں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ مصنف کس درجے کا تھا، اس کی دینی حالت کیسی تھی؛ تاکہ اس کا برا اثر پڑھنے والوں پر نہ پڑے۔ ہمارے یہاں اتنا زیادہ اہتمام کیا

جاتا ہے اور ہم ان ساری چیزوں کو بے دریغ پڑھتے ہیں۔

اور آج کل ایسے روشن دماغ لوگ ہیں کہ اگر ان کو ایسی چیزوں کو پڑھنے سے روکتے ہیں تو کہتے ہیں کہ لو! پڑھنے سے بھی روکتے ہیں۔

تقدیر کے مسئلے میں بحث ومباحثہ کرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضراتِ صحابہ کو سخت تنبیہ

حضرت مولانا بدرِ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمان السنہ میں تقدیر کے بیان میں ایک جملہ بڑا عجیب لکھا ہے۔ روایت یہ ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے اور دیکھا کہ بعض حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تقدیر کے مسئلے میں بحث کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر اور سن کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور غصے سے سرخ ہوگیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمانے لگے: أَبِهَذَا أُمِرْتُمْ أَمْ بِهَذَا أُرْسِلْتُ إِلَيْكُمْ؟: کیا تمھیں اس کا حکم دیا گیا ہے؟ کیا یہی دے کر مجھے بھیجا گیا ہے؟[①] حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ کیفیت دیکھ کر صحابہ ڈر گئے۔

تقدیر کا مسئلہ مزلۃ الاقدام ہے

حضرت مولانا بدرِ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر بڑی عجیب بات لکھی کہ ان حضرات کو اس چیز سے روکنے کا اس سے بہتر کوئی انداز نہیں ہوسکتا تھا اور دوسرا یہ کہ تقدیر کا یہ مسئلہ ایسا عجیب وغریب ہے کہ جہاں کوئی آدمی اس میں پڑتا ہے، وہ کسی نہ کسی بدعقیدگی کا شکار ہو

① مشکوۃ المصابیح، باب الإیمان بالقدر، الفصل الثاني سنن الترمذی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّشْدِيدِ فِي الخَوْضِ فِي القَدَرِ.

ہی جاتا ہے۔ اسلام میں سب سے پہلے جو مختلف فرقے بنے ہیں: قدریہ، جبریہ وغیرہ، وہ اسی مسئلے کو لے کر وجود میں آئے ہیں، ساری دنیا اس کو جانتی ہے۔

غلط لٹریچر کے مطالعے سے روکنا گمراہی اور ہلاکت سے بچانے کے لیے ہے

فرماتے ہیں کہ چھوٹے بچے کو کوئی بھی آدمی دریا کے اندر جانے کی اجازت نہیں دیتا۔ اب جس کو تیرنا نہیں آتا، اگر وہ اندر جانا چاہے گا تو اس کو روکیں گے کہ تو مت جا۔ اب اگر وہ کہے کہ مجھے کاہے کو روکتے ہو؟ تو جواب دیں گے کہ تمھاری سلامتی اسی میں ہے، تم جاؤ گے تو ڈوب جاؤ گے۔ اسی طرح سے ان چیزوں کے پڑھنے سے روکنا بھی تمھاری سلامتی کے لیے ہے، اس سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔

گمراہ لوگوں سے ان کی باتوں کو سننے کا وبال: ایک چشم کُشا واقعہ

میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں جو مولانا بدرِ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے: علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الاعتصام'' میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک آدمی حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ بدعتی یعنی کسی گمراہ فرقے سے تعلق رکھنے والا تھا۔ اس نے آکر کے کہا کہ حضرت! میں آپ کو قرآنِ پاک کی ایک آیت سنانا چاہتا ہوں، بس آیت سنا کر کے چلا جاؤں گا، اپنی طرف سے ایک لفظ بھی نہیں کہوں گا، مجھے اجازت دیجیے تو حضرت امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال دیں اور اس سے یوں فرمایا کہ اگر تو

مسلمان ہے تو اللہ کے واسطے یہاں سے چلا جا، میں تجھ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تو یہاں سے چلا جا۔

اسی واقعے کو کسی اور کتاب میں بھی دیکھا، اس میں ہے کہ جب وہ جانے کے لیے تیار نہیں ہوا تو حضرت امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرا کرتا لاؤ، یہ نہیں جاتا تو میں چلا جاتا ہوں۔ حاضرین نے کہا کہ بھائی! تو ان کو ان کے گھر سے نکلنے پر کیوں مجبور کرتا ہے؟ بہرحال! کسی طرح اس کو نکالا۔

اس کے جانے کے بعد لوگوں نے دریافت کیا کہ حضرت! اس نے تو آپ سے بس ایک درخواست کی تھی کہ قرآنِ پاک کی ایک آیت آپ کو سنانا چاہتا ہوں، اپنی طرف سے ایک لفظ بھی نہیں کہوں گا، پھر بھی آپ نے اس کو اجازت نہیں دی۔ اس کے جواب میں حضرت امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ جو اکابرِ تابعین میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ اگر مجھے اس بات کا یقین ہوتا کہ میرا دل ایسا ہی مطمئن رہے گا، جیسا اس وقت ہے تو میں اس کو قرآنِ پاک کی اس آیت کو سنانے کی اجازت دیتا لیکن مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ ایک گمراہ آدمی کی زبان سے قرآنِ پاک کی آیت سن کر، اس آیت کے متعلق میرے دل میں کوئی ایسا شبہہ پیدا نہ ہو جائے جس کو میں دور نہ کر سکوں۔

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا.....

دیکھو! قرآن کی آیت کی بات ہے، گویا ان کی زبان سے قرآن کی آیت کو سننے میں بھی خطرہ ہے، اتنا بڑا امام یہ خطرہ محسوس کر رہا ہے اور ایک ہم ہیں کہ سمجھتے ہیں کہ ہم

کچھ بھی پڑھ سکتے ہیں، ہمارے پاس عقل ہے نا! ارے! یہ جتنے بھی گمراہ لوگ ہیں، کیا ان کے پاس عقل نہیں ہے؟ ساری دنیا کو چلا رہے ہیں، آسمان پر پہنچ گئے، چاند پر کمندیں ڈال دیں لیکن ان کی عقل ان کو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے نہیں دیتی۔ جو عقل آخرت سے غافل بنانے والی ہو، وہ عقل عقل کہلانے کے لائق نہیں ہے۔

ہمارے اکابر اور کتبِ غیر کے مطالعے سے احتراز

ایک واقعہ آپ کو سناتا ہوں کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: مفتی جی! آپ نے مولانا مودودی کی کتابیں پڑھی ہیں؟ جواب دیا کہ نہیں! حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حکم فرمایا کہ پڑھو! حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ڈر رہے ہیں کہ بڑے بڑے لوگ ان کی باتوں میں آ گئے: حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور بھی بہت سے حضرات۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ کو اس کا جواب دینا ہے؛ اس لیے آپ پڑھیے۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ توجہ فرمائیں گے؟ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہاں میں توجہ بھی رکھتا ہوں اور دعا بھی کرتا ہوں۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ٹھیک ہے، آپ حکم دے رہے ہیں تو پڑھتا ہوں۔ اس کے بعد حال یہ تھا کہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو مودودی کی کتابوں کے صفحے کے صفحے یاد تھے۔ جنھوں نے حضرت کی مجلس میں شرکت کی ہے، ان کو معلوم ہے کہ کبھی ان کی عبارت نقل کرتے تھے تو مسلسل نقل کرتے چلے جاتے تھے کہ فلانی کتاب میں یوں لکھا ہے اور فلانی کتاب میں یوں لکھا ہے۔ دو دو،

تین تین، چار چار صفحے لگاتار پڑھتے تھے کہ فلاں کتاب کے فلاں صفحے پر یوں لکھا ہے۔

حضرت جس زمانے میں کانپور میں تھے تو وہاں سرائے میر میں حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھول پوری رحمۃ اللہ علیہ کا جو مدرسہ قائم کیا ہوا تھا بیت العلوم۔ پہلے وہاں مدرسۃ الاصلاح تھا، اب بھی ہے لیکن چوں کہ مدرسۃ الاصلاح کے اوپر مودودیوں کا قبضہ ہو گیا تھا اور آج بھی ان ہی کا قبضہ ہے۔ مولانا نے دوسرا مدرسہ قائم کیا تھا، حضرت اس زمانے میں کانپور تھے، حضرت کو انھوں نے مستقل دعوت دی۔ حضرت فرماتے ہیں کہ کتابوں کا ڈھیر لے کر گیا تھا، اسٹیج پر ساری کتابیں رکھیں۔ زبانی پڑھتے تھے اور کتابیں کھول کر دکھاتے تھے کہ دیکھ لو! یہاں یہ بات لکھی ہوئی ہے۔ فرماتے ہیں کہ مولانا عبدالغنی صاحب پھول پوری رحمۃ اللہ علیہ نے جلسہ رکھا تھا جو عشاء کے بعد سے فجر تک چلتا رہا۔ حضرت پھول پوری رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش ہوئے۔ حضرت پھول پوری رحمۃ اللہ علیہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ جب آپ سرائے میر جاتے تھے تو سینے سے لگا کر فرماتے کہ میرا مفتی آ گیا۔

کتبِ غیر کا مطالعہ ہمارے لیے ہرگز مناسب نہیں

میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ یہ حال ہے اتنے بڑے مفتی کا اور ہم ٹٹ پونجیے، علمی اعتبار سے معمولی پونجی رکھنے والے، ہمارا کام یہ ہے کہ ہم ساری چیزیں پڑھنے لگیں؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عقل دی ہے، سمجھ دی ہے، صحیح اور غلط کے درمیان فیصلہ کرنے کا طریقہ معلوم ہے؟ شیطان جیسا شیطان جو اتنا بڑا عالم تھا، وہ بھی گمراہ ہو گیا۔

ردِّ مودودیت پر حضرت فقیہ الامت کا گہرا مطالعہ اور مضبوط پکڑ

حضرت فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے مودودی کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا۔ آج بھی حضرت کی جو چیزیں ردِّ مودودیت پر ہیں، وہ لاجواب ہیں اور ایک مضمون کانپور میں شروع کیا تھا، جو کئی جلدوں میں چھپ کر آیا۔ اس کے بعد باقاعدہ وہاں کے بعض بڑے لوگوں نے درخواست کی کہ اس مضمون کو بند کیا جائے، وہ مضمون فتاوی محمودیہ میں چھپا ہوا موجود ہے۔

ہاں اگر آپ کے پاس قرآن وحدیث کا گہرا علم ہے، وسیع مطالعہ ہے اکابر کی باتیں ہیں، کسی بڑے کی آپ کے اوپر نگرانی بھی ہے اور صحیح عقائد اس قدر زیادہ راسخ ہیں کہ ان کتابوں کے مطالعے سے آپ کا ایمان متزلزل نہیں ہوسکتا تو آپ ان چیزوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

اسلاف کا اپنے آپ کو غلط نظریات سے بچانے کا اہتمام

آپ اندازہ لگائیے، ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی نے سنایا کہ جس زمانے میں مودودی صاحب نے اپنی تبلیغ کو شروع کیا تھا اور باقاعدہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں غالبًا حضرت علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھیجا گیا تھا۔ ان حضرات نے حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری اور باتیں پیش کرنے کی اجازت چاہی تو ہمارے حضرت فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھایا، کہلوایا کہ وہ اس

سلسلے میں ملاقات کے لیے آرہے ہیں؛ اس لیے خاص اہتمام سے دعا اور توجہ سے کام لینا، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی گفتگو کی وجہ سے مجھ پر کچھ اثر پڑ جائے۔

بے سند باتوں کے لیے دین میں کوئی جگہ نہیں ہے

اب اس زمانے میں انٹرنیٹ کا فتنہ پیدا ہوا ہے۔ ہمارے یہاں اصل چیز سند ہے، بغیر سند کے کوئی بات معتبر نہیں۔ ترمذی میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی بات نقل کی ہے: الْإِسْنَادُ مِنَ الدِّينِ، وَلَوْلَا الْإِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ[1]: سند دین کا جزء ہے، اگر یہ سند نہ ہوتی تو جو چاہتا، اپنی زبان سے جو چاہے، باتیں نکالتا۔

اسلام دشمن طاقتوں کی قائم کردہ ویب سائٹوں سے معلومات حاصل کرنے سے بچیے

آج کل کیا ہو رہا ہے؟ انٹرنیٹ پر اسلامی ویب سائٹ آ گئی۔ یہ ویب سائٹ کون نکالتا ہے؟ اسرائیل نے باقاعدہ بیسیوں ویب سائٹ اسلامی ویب سائٹ کے نام سے جاری کر رکھی ہیں، ہمارے نوجوان اس کو پڑھتے ہیں اور اسلامی معلومات حاصل کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ اس اسلام دشمن طاقت کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ وہ کیسی معلومات فراہم کر سکتا ہے؟ اس لیے ان ساری چیزوں سے بچنے کی ضرورت ہے، جو چیزیں معتبر اور مستند ہوں، ان ہی کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔

---

[1] صحيح مسلم، بَابُ فِي أَنَّ الْإِسْنَادَ مِنَ الدِّينِ سنن الترمذی، بَابٌ فِي فضل الشام واليمن.

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا دل کو جھنجھوڑنے والا مقولہ

حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی گمراہ آدمی کے ساتھ بات مت کرو اور اس کے ساتھ بحث مت کرو، آپ بات کریں گے اور بحث کریں گے تو وہ کسی نہ کسی طرح آپ کے دل میں فتنے کا بیج بو ہی دے گا۔

آج کل کے نوجوانوں کی ایک ذہنی بیماری یا غلط سوچ

آج کل اکثریت ان لوگوں کی ہوگئی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں اور ہم ہر ایک کے ساتھ بحث کر سکتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی باتوں میں آ کر کے گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے۔

مرزا غلام قادیانی کے خلیفۂ اول حکیم نور الدین کی گمراہی کی داستان

یہ حکیم نور الدین جو مرزا غلام قادیانی کا خلیفۂ اول ہے۔ یہ کشمیر کے مہاراجہ کا طبیب تھا۔ حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری، بڑے حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے پیر حضرت عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے جو سہارنپور کے رہنے والے تھے، اس کے بعد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے تھے، پہلے شیخ وہ تھے، ان سے اجازت بھی تھی، ان کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ حضرت عبدالرحیم صاحب سہارنپوری بڑے صاحبِ کشف تھے، ان کے متعلق لکھا ہے کہ رات کو اپنے سارے مریدین کا جائزہ لے لیتے تھے اور صبح کو ان سے کہتے تھے، ان کا تکیہ کلام تھا: ''میرا چاند'' میرا چاند ایسا نہیں کرتے۔

ایک مرتبہ بیمار ہوئے تو ان کے علاج کے لیے یہ حکیم نورالدین آیا، یہ پنجاب کا رہنے والا تھا، حضرت عبدالرحیم صاحب سہارنپوری نے اس سے پوچھا کہ آپ کے یہاں گرد واس پور ضلع میں کوئی قادیان نامی جگہ ہے؟ کہا کہ ہاں! پوچھا کہ وہاں کسی نے نبوت کا دعوی کیا ہے؟ جواب دیا کہ نہیں! تو فرمایا کہ دیکھو! آپ نے ہماری خیر خواہی کی ہے، ہمارے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیا ہے، ہمارا علاج معالجہ کیا ہے، ہم بھی آپ کی خیر خواہی کرتے ہیں۔ دیکھو! وہاں ایک آدمی ہوگا جو نبوت کا دعوی کرے گا اور لوحِ محفوظ میں ہم نے دیکھا کہ آپ اس کا ساتھ دے رہے ہیں۔ دیکھو! تمھارے اندر ایک بیماری ہے بحث مباحثہ کرنے کی، تم اس کے پاس بحث کرنے کے لیے جاؤ گے اور اسی کا شکار ہو جاؤ گے۔ اب جو چیز لوحِ محفوظ کے اندر لکھ دی گئی تھی، وہ کیسے بدلی جاسکتی تھی! بہر حال! ایسا ہی ہوا، وہ گیا اور قادیانی کا بڑا ساتھی بن گیا بلکہ بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ غلام قادیانی کی جو بہت سی علمی چیزیں ہیں، وہ اسی (حکیم نورالدین) کی ہیں۔ تو دیکھیے! یہ آدمی بحث مباحثہ میں پڑا تو نہ صرف خود گمراہ ہوا بلکہ قادیانی کا نائب بن کر دوسروں کی گمراہی کا سبب بھی بنا۔

ناپختہ کار عالم بھی گمراہ کُن لٹریچر کے مطالعے سے اپنے آپ کو بچائے

اس لیے اس طرح کے گمراہی والے لٹریچر سے بھی اپنے آپ کو بہت زیادہ بچانے کی ضرورت ہے۔ جو عالم ہو، علومِ دینیہ کا ماہر ہو، دین کے اعتبار سے پختہ ہو اور دین کی ساری چیزیں دلائل کے ساتھ اس کے دل ودماغ میں محفوظ ہیں، وہ اگر عقائدِ حقہ کے

دفاع اور گمراہ فرقوں کے دلائل کی تردید اور ان کا جواب دینے کے لیے ان چیزوں کو پڑھتا ہے تو علماء نے اس کو اجازت دی ہے لیکن جو ابھی پختہ کار نہیں ہے، اس کو تو اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے ایسی چیزوں سے اپنے آپ کو بچانے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے توریت پڑھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اظہارِ غضب

مشکوۃ شریف میں روایت ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ توریت کا ایک نسخہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت لے کر کے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ توریت کا نسخہ ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ بولے نہیں، خاموش رہے۔ ابھی آپ نے کچھ فرمایا نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھنا شروع کیا۔ اب یہ پڑھ رہے ہیں اور اِدھر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کا رنگ مارے غصے کے سرخ ہو رہا ہے لیکن یہ پڑھنے میں مشغول تھے؛ اس لیے ان کو پتہ نہیں چلا کہ کیا ہو رہا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ منظر دیکھ رہے تھے تو انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ثَكِلَتْكَ الثَّوَاكِلُ، أَمَا تَرَى بِوَجْهِ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟: اے عمر بن خطاب! رونے والیاں تمھیں روئیں یعنی تمھیں موت آئے! دیکھتے نہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کا کیا حال ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور غصے کے مارے سرخ ہو رہا ہے۔ فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ پڑھنے لگے: أَعُوذُ بِاللهِ مِنْ غَضَبِ اللهِ وَغَضَبِ رَسُولِهِ رَضِينَا بِاللهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا۔ یہاں تک کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو فرمایا کہ اگر آج حضرت موسیٰ آ جائیں اور تم مجھے

چھوڑ کر ان کا اتباع کرلو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ ان کے لیے بھی میری پیروی کے بغیر چارۂ کار نہیں①۔

وساوسِ شیطانیہ کی روک تھام کا اکسیر نسخہ

جب توریت جو کہ ایک آسمانی کتاب تھی، یہ بات الگ تھی کہ اس میں تغیر وتبدل کیا گیا تھا، اس کو اس طرح لانے اور پڑھنے کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گوارا نہیں فرمایا تو اس طرح کی چیزوں کو خرید کر اپنے آپ کو اس میں مشغول کرنا ایک مؤمن کی غیرتِ ایمانی کے خلاف ہے۔ بہرحال! وساوس سے بچنے کی تدبیروں میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ ایسے ماحول سے، ایسے لوگوں کی صحبت سے، ایسے لٹریچر سے، ایسی باتوں کو سننے اور دیکھنے سے اپنے آپ کو دور رکھیں گے تو ان شاء اللہ تعالی ایسے وساوس سے نجات حاصل ہوگی۔ اور اگر اس کے باوجود وساوس آتے ہیں تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دے کر تسلی فرمادی ہے؛ اس لیے ہم سمجھیں کہ اس کی وجہ سے ہمارے ایمان پر کوئی آنچ نہیں آئی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کی شرح

دوسری روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے کہ ایک آدمی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: إِنِّي لَأُحَدِّثُ نَفْسِي بِالشَّيْءِ: میں اپنے دل سے کچھ باتیں کرتا ہوں، میرے دل میں خیالات آتے ہیں، وساوس آتے ہیں،

---

①مشكوة شريف، باب الاعتصام بالكتاب والسنة.

لَأَنْ أَكُونَ حُمَمَةً أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَكَلَّمَ بِهِ کہ: میں جل کر کے کوئلہ ہوجاؤں، یہ مجھے زیادہ پسند ہے، بہ نسبت اس کے کہ میں ان باتوں کا اپنی زبان سے اظہار کروں تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي رَدَّ أَمْرَهُ إِلَى الْوَسْوَسَةِ: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اس کا معاملہ وسوسے تک رکھ چھوڑا ہے۔

''أَمْرَهُ'' کی ضمیر ''هُ'' کے مرجع کے بارے میں دو احتمال

''اس کا'' یعنی کس کا؟ اس حدیث کی شرح میں شُرّاح نے لکھا ہے کہ '' أَمْرَهُ'' ''هُ'' کی ضمیر یا تو اس آدمی ہی طرف لوٹتی ہے یا پھر شیطان کی طرف لوٹتی ہے۔ اگرچہ یہاں شیطان کا تذکرہ نہیں ہے لیکن اس کا سیاق وسباق اور حدیث کا مضمون اس کی طرف مشیر ہے۔

میں آگے وسوسے کی دوسری قسم ذکر کروں گا۔ ابھی جو پہلی قسم کے وساوس کی بحث چل رہی ہے وہ تو ایمانیات اور اعتقادات کے متعلق ہے اور دوسری قسم کے وساوس وہ ہیں جو گناہ اور فسق وفجور کے متعلق ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں بھی اس حدیث کو پیش کروں گا لیکن اس حدیث کا مفہوم اتنا وسیع ہے کہ وہ وساوس کی پہلی قسم جو ایمانیات اور اعتقادات کے متعلق ہے، اس کو بھی شامل ہے۔

گویا یہاں یہ آدمی یہ کہنا چاہتا ہے کہ میرے دل میں جو وسوسے آتے ہیں، میں جل کر کے کوئلہ ہوجانا گوارا کرسکتا ہوں لیکن اپنی زبان پر ان خیالات کو لانا مجھے گوارا نہیں۔ گویا یہ ایمانیات کے متعلق ہے۔

شیطان کو ضمیر کا مرجع قرار دینے کی صورت میں حدیث کا مفہوم

جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو جملہ ارشاد فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِي رَدَّ أَمْرَہُ إِلَی الْوَسْوَسَةِ: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے شیطان کا معاملہ وسوسے کی حد تک محدود رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ شیطان تو تیرے پاس تیرا ایمان چھیننے اور تجھے ایمان سے محروم کرنے کے لیے آیا تھا، اس کی کوشش تو یہ تھی اور اس نے اس کے لیے محنت بھی کی تھی لیکن وہ اپنی اس محنت میں کامیاب نہیں ہوا، وہ تیرا ایمان تو چھین نہیں سکا، البتہ وہ تیرے دل میں کچھ خیالات اور وسوسے ڈال کے چلا گیا، اس کے آگے نہیں بڑھ پایا۔ اسی پر نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ فرما رہے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذکورہ جملے کی ایک مثال سے تفہیم

یہ ایسا ہی ہے، جیسے کسی کا کوئی دشمن تھا، اس دشمن نے اس کے خلاف سازش کر کے اس کو قتل کرنے کے ارادے سے حملہ کیا۔ اب ہوا یہ کہ وہ اس حملے میں قتل تو نہیں ہوا لیکن اس کی ٹانگیں ٹوٹ گئیں، بہت سے زخم آئے۔ اب لوگ آ کر کے اس کی عیادت کرتے ہیں تو یہ کہتا ہے کہ اللہ کا شکر ہے کہ ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔ ارے بھائی! وہ ٹانگیں ٹوٹنے پر اللہ کا شکر ادا کر رہا ہے؟ نہیں! وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ دشمن تو تمھیں مار ڈالنے کے لیے آیا تھا لیکن اللہ نے جان بچا لی، بھلے ہی ٹانگ ٹوٹ گئی تو جان بچنے پر اللہ کا شکر ادا کیا جا رہا ہے، ٹانگ ٹوٹنے پر نہیں۔

یہاں پر بھی گویا نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ فرما رہے ہیں، اس کا یہی مطلب

ہے کہ شیطان کا جو مقصد تھا، وہ تو تیرے پاس یہ عزم لے کر آیا تھا کہ تجھے ایمان سے محروم کرتا لیکن وہ تیرے ایمان پر ڈاکہ تو نہیں ڈال سکا، ہاں! تیرے دل میں کچھ خیالات اور وساوس چھوڑ کے گیا، چلو کوئی بات نہیں۔

پہلی حدیث جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے، اس کا تعلق تو صرف ایمانیات سے ہے لیکن اس دوسری روایت کا تعلق جو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، دونوں کے ساتھ ہے۔

بہر حال! یہ وساوس کی پہلی قسم ہے جو ایمانیات اور عقائد کے ساتھ متعلق ہے۔ اہلِ علم یہاں موجود ہیں اور ان کے پاس لوگ آ کر اس طرح کے وساوس کے متعلق سوال کرتے رہتے ہیں تو ان کو انشراح ہو جائے اور وہ لوگوں کو مطمئن کر سکیں؛ اس لیے میں اس کی وضاحت کر رہا ہوں کہ اس طرح کے وساوس اور خیالات کی وجہ سے آدمی کا ایمان ختم نہیں ہوتا۔

وساوس کی دوسری قسم: گناہوں کے وساوس اور خیالات

وساوس کی دوسری قسم وہ ہے جو فسق وفجور اور گناہوں سے متعلق ہوتے ہیں کہ فلاں عورت کے ساتھ موقع مل جائے تو اپنی خواہش پوری کر لوں۔ دل میں زنا کا خیال آیا۔ ایک آدمی شراب پیتا تھا، وہ اس سے توبہ کر چکا ہے لیکن شراب کی پرانی عادت کی وجہ سے اس کی رگ وریشے میں شراب کی لذت پڑی ہوئی ہے، اس کی وجہ سے کبھی خیال آتا ہے کہ شراب پی لوں۔ سینما دیکھتا تھا، اب توبہ کر چکا ہے لیکن کبھی خیال آتا ہے

کہ دوبارہ جا کر سنیما دیکھ لوں۔ انٹرنیٹ کے اوپر فحش مناظر دیکھتا رہا، بہت کنٹرول کر کے موبائل بھی نکال دیا اور اپنے آپ کو بچاتا رہا لیکن بار بار خیال آتا ہے کہ دوبارہ موبائل خریدوں اور پھر وہ مناظر دیکھوں۔ یہ فسق وفجور اور گناہ کے کاموں کے خیالات ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تشریح

گناہ کے کاموں کے خیالات کے متعلق نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اصول بتلا دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو روایت میں نے آپ کے سامنے پڑھی: إِنَّ اللّٰه تَجَاوَزَ لِي عَنْ أُمَّتِي مَا وَسْوَسَتْ بِهِ صُدُورُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ به أَوْ تَتَكَلَّمْ کہ: اللہ تبارک وتعالی نے میری امت سے معاف کر دیا ان چیزوں کو جن کا ان کے دلوں میں خیال آتا ہے، جب تک کہ وہ اس پر عمل نہ کریں یا جب تک کہ اپنی زبان سے اس کا اظہار نہ کریں۔

گناہ کی دو قسمیں

اس لیے کہ فسق وفجور کے جو کام انجام دئے جاتے ہیں، وہ یا تو زبان سے ہوتے ہیں، جیسے: کسی کی غیبت کی، کسی سے جھگڑا کیا، کسی پر تہمت لگائی، کسی عورت سے فحش گفتگو کی، گانا گیا۔ یہ سب زبان کے گناہ ہیں۔

اس کے علاوہ جسم کے جو دوسرے اعضاء ہیں: کان، آنکھ، ناک، ہاتھ، پاؤں، شرم گاہ وغیرہ دوسرے اعضاء۔ آپ دیکھیں گے کہ نصوص میں جب اس طرح کی چیزیں آتی ہیں تو زبان کے کاموں کو الگ بیان کیا جاتا ہے۔

حالاں کہ زبان بھی انسان کے جسم کے اعضاء میں سے ایک عضو ہے، جوارح میں

یہ بھی آجاتا ہے لیکن اس کے باوجود جیسا کہ آپ نے بخاری شریف کی آخری تقریر کے اندر سنا ہوگا: وأنَّ أعْمالَ بني آدَمَ وقَوْلَهُمْ يُوزَنُ، امام بخاری نے قول کو الگ ذکر کیا۔ چوں کہ زبان سے صادر ہونے والے اعمال یا اقوال کی اتنی زیادہ تعداد ہے کہ دوسرے اعضاء سے صادر ہونے والے اعمال کے مقابلے میں اس کی بڑی تعداد ہے۔

خیر! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مَا لَمْ تَعْمَلْ به أوْ تَتَكَلَّمْ فرمایا- اہلِ علم ہیں اس لیے میں وضاحت کر رہا ہوں- کہ: جب تک کہ اس پر عمل نہیں کیا یا اس کو اپنی زبان سے ادا نہیں کیا۔

گناہ کے محض وساوس اور خیالات اس امت سے معاف ہیں

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ گناہ کے متعلق دل میں جو خیالات اور وسوسے آئیں، اب اگر گناہ کا تعلق زبان کے علاوہ دوسرے اعضاء سے: ہاتھ سے، پاؤں سے، کان سے، شرم گاہ سے، دوسرے اعضاء سے ہو تو جب تک کہ آدمی اس عضو کے ذریعہ وہ عمل نہ کرلے، گناہ شمار نہیں ہوگا: خیال آیا کہ میں شراب پی لوں تو جب تک کہ شراب پی نہ لے، صرف گناہ کا، فسق کا خیال ہی رہا۔ یا خیال آیا کہ سینما دیکھ لوں، فحش مناظر دیکھ لوں لیکن اس کو دیکھا نہیں۔ یا خیال آیا کہ میں گانا گاؤں، گالی بولوں، فلانی عورت کے ساتھ فحش گفتگو کروں، فلانے کی غیبت کروں، فلانے پر تہمت لگاؤں تو جب تک وہ اس خیال کو عملی جامہ نہیں پہنائے گا، وہاں تک وہ گنہگار نہیں قرار دیا جائے گا۔

گویا اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تبارک وتعالی کے اس احسان کا تذکرہ فرمایا جو اللہ تعالی نے اس امت کے ساتھ کیا ہے۔

ایک بات یاد رکھئے کہ ایک تو ہے خیال اور وسوسہ اور ایک ہے اس کے لیے تدبیریں اختیار کرنا۔ آپ جہاں یہ روایت پڑھتے ہیں، وہاں وسوسے کے درجے پڑھے ہوں گے کہ اس کے پانچ درجے ہیں۔ ایک تو دل میں خیال آیا کہ فلانی عورت کے ساتھ زنا کروں، بس یہ خیال آیا اور اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کوئی تدبیر اختیار نہیں کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر اس نے زنا نہیں کیا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں کوئی گناہ نہیں لکھا جائے گا۔

گناہ کے خیال کو عملی جامہ پہنانے کی تدبیر اختیار کرنے کے بعد گناہ صادر نہ ہونے کا حکم الگ ہے

اور اگر اس نے زنا کے لیے ساری تدبیریں کر ڈالیں یعنی اس نے اس عورت کے ساتھ زنا کرنے کے لیے رابطہ کیا، ملنے کی جگہ طے ہوئی، وعدے ہوئے لیکن عین وقت پر کوئی ایسی رکاوٹ پیش آ گئی کہ وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوا تو وہ دوسری بات ہے، یہاں بات صرف خیالات کی چل رہی ہے۔

مسئلہ وساوس اور خیالات کا ہے، یہ جو پریشانیاں ہوتی ہیں، وہ ان ہی کو ہوتی ہیں جو دین پر چلنے والے ہیں اور جو دین پر چلنے والا ہوتا ہے، وہ اپنے گناہ کے ان خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کوئی تدبیر اور اسباب اختیار نہیں کرتا لیکن ان کے دلوں

میں خیال آتا ہے۔

اب یہ جتنے بھی مسجد میں بیٹھے ہیں، وہ کسی عورت سے زنا کرنے کی غرض سے رابطہ نہیں کریں گے، کوئی تدبیر نہیں کریں گے لیکن دل میں خیال تو آجاتا ہے کہ اگر ایسا موقع مل جاوے تو مزہ آجاوے تو یہ جو گناہ کے وساوس اور خیالات ہیں، ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر ایسا خیال آیا اور عمل نہیں کیا یا زبان سے بولنے کی چیز ہے اور اس کو زبان سے ادا نہیں کیا ہے تو آپ کے نامۂ اعمال میں کوئی گناہ نہیں لکھا جائے گا، اس کا اطمینان رکھنا چاہیے۔ آدمی کو ڈر تو اس کا لگا رہتا ہے کہ یہ گناہ تو نہیں ہوگیا؟ کہیں میری پکڑ نہ ہوجائے! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ گناہ نہیں ہوا؛ اس لیے اس پر کوئی گرفت اور پکڑ نہیں ہوگی۔ یہ وساوس کی دوسری قسم ہے۔

انسان کا دل خیالات کی گذرگاہ ہے

اب دیکھو! ان وساوس کے سلسلے میں حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ یہ جو فسق وفجور کے خیالات ہیں تو ایک تو ہے ان خیالات کا آنا اور ایک ہے ان کا لانا تو خیالات کا آنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے، وہ تو ایک غیر اختیاری چیز ہے، ہمارا دل خیالات کی گذرگاہ ہے، خیالات آتے ہیں اور گذرتے ہیں۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے یہ روڈ ہے، یہ سڑک گذرگاہ ہے۔ اب اس سڑک پر سے بادشاہ بھی گذرے گا اور گدھا اور سُوّر بھی گذرے گا، ہر چیز گذرے گی۔ اسی طرح ہمارا دل گذرگاہ ہے جس میں اچھے خیالات بھی آتے ہیں اور غیر اختیاری طور پر برے خیالات

بھی آتے ہیں۔ جب غیر اختیاری طور پر ہمارے دل میں یہ بری چیزیں آئیں گی تو اس پر ہماری کوئی گرفت نہیں ہے، چاہے وہ گناہ کا خیال ہی کیوں نہ ہو۔ آپ کے دل میں خیال آیا کہ کوئی عورت مل جاوے تو زنا کرلوں، یہ خود آیا، آپ نے پکایا نہیں، آپ نے اللہ کی طرف رجوع کرلیا کہ اے اللہ! میری حفاظت فرما تو اس خیال کی وجہ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ زنا کے اس خیال کی وجہ سے میں گنہگار رہوں گا۔

یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

تندئ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب		یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

ان خیالات کی وجہ سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، یہ تو ہمیں اور ترقی دے رہے ہیں، ہمارے درجات بلند کررہے ہیں، ان خیالات کے تقاضوں پر عمل کرنے سے بچو اور اللہ کے یہاں مرتبے حاصل کرو۔ یہ تو ہماری کم ہمتی کی بات ہوگی کہ ہم ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور شیطان جس طرح کہے، کرتے رہیں۔

برے خیالات کا لانا برا ہے

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب صاحب سے کسی نے پوچھا تو حضرت خواجہ صاحب نے ایک شعر میں یہی جواب دیا:

وساوس جو آتے ہیں اس کا غم کیوں؟		عبث اپنے جی کو جلانا برا ہے
خبر تجھ کو اتنی بھی ناداں نہیں ہے		وساوس کا لانا کہ آنا برا ہے

وساوس اور خیالات کا آنا برا نہیں ہے بلکہ اس کو سوچ کر کے لانا برا ہے۔

گناہوں کے خیالات کے بارے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

بہر حال! اس طرح کے فسق وفجور کے جو وساوس آتے ہیں تو اس موقع پر ہماری روِش کیا ہونی چاہیے؟ ہمیں کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے تو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارا طرزِ عمل یہ ہونا چاہیے کہ ہم ان وساوس کے تقاضوں پر عمل نہ کریں، یہ خیال آیا کہ موبائل کھولو اور کھول کر کے ننگی تصویریں دیکھو لیکن ہمیں اس کے تقاضے پر عمل نہیں کرنا ہے، ''مر جاؤں گا لیکن یہ نہیں کروں گا''۔

مجھے گناہ کا موقع نصیب نہ کرنا

اب یہ خیال پیچھا بھی نہیں چھوڑے گا تو اللہ تعالی کی طرف رجوع کرو کہ اے اللہ! تو میری حفاظت فرما۔ وہی طریقہ اختیار کرنا جو حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے اختیار کیا تھا: ﴿وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾ [یوسف: ۳۳] اے اللہ! ان کے کید اور مکر سے تو ہی مجھ کو بچا سکتا ہے، اگر ان عورتوں کے کید کو مجھ سے نہیں ہٹائے گا، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں اور گناہ کا ارتکاب کر کے میں جاہلین میں سے بن جاؤں۔ حضرت یوسفؑ بھی شیطان کے کید سے ڈر رہے ہیں اور ہمارا حال کیا ہے!۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی اس دعا کا پس منظر

واقعہ یہ ہے کہ جب زلیخا کے ساتھ وہ واقعہ پیش آیا (جس کی تفصیل ﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِه وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ﴾ میں بیان کی

گئی ہے اور اس واقعے کو لے کر) مصر کی عورتوں نے زلیخا پر طعنہ زنی کی کہ وہ اپنے غلام کے اوپر عاشق ہوگئی تو زلیخا نے بتلانا چاہا کہ میں نے جس کے ساتھ عشق کا معاملہ کیا ہے، وہ کوئی معمولی نہیں ہے، اگر میری جگہ تم ہوتیں تو تم بھی اپنے آپ کو قابو میں نہیں رکھ سکتیں۔

چنانچہ اس نے اس کو ثابت کرنے کے لیے باقاعدہ ایک مجلس قائم کی اور سب عورتوں کو اپنے گھر میں جمع کیا اور ان کے سامنے پھل اور چھریاں رکھ دیں اور کسی بہانے سے، کسی کام سے حضرت یوسف علیہ السلام کو وہاں بلایا، جب ان عورتوں نے آپ کا دیدار کیا تو سب کی سب ہوش کھو بیٹھیں، ہاتھوں میں پھل اور چاقو تھے، انھوں نے بجائے پھلوں کے اپنی انگلیاں کاٹ لیں، ایک ہی جھلک کے اندر بے ہوش ہوگئیں۔ اس وقت انھوں نے بھی حضرت یوسفؑ کو ورغلانا چاہا اور کہنے لگیں کہ تمھاری یہ آقانی تمھیں جو کہہ رہی ہیں، وہ بات تمھیں مان لینی چاہیے، اسی موقع پر حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے وہ دعا کی جو ابھی گذری۔

بہر حال! دو کام کرنے ہیں: ایک: ان وساوس کے تقاضوں پر عمل نہیں کرنا ہے اور دوسرا: آنے والے وساوس کے شر سے اللہ کی پناہ چاہنا ہے۔

یہ دوسری قسم کے خیالات ہیں، یہ جو خیالات آتے ہیں تو جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ ایک تو ان آنے والے خیالات کا حل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں بیان فرما دیا ہے اور دوسرا حل حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جو میں پہلی قسم میں بیان کر چکا ہوں کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو آپ فسق و فجور کے ان خیالات کے اوپر بھی منطبق کر سکتے ہیں۔

حضرت ابنِ عباسؓ کی حدیث کا قسمِ ثانی کے وساوس پر انطباق

اس لیے کہ ایک دین دار آدمی، تکبیرِ اولی کے ساتھ صفِّ اول میں نماز پڑھنے والا، آج تک کبھی غلط جگہ پر کسی نے نہیں دیکھا۔ اب اس کے دل میں ایسے خیالات جب آئیں گے، تو اس کا وہی حال ہوگا جو صحابی نے اس حدیث میں بیان کیا ہے کہ: إِنِّي لَأُحَدِّثُ نَفْسِي بِالشَّيْءِ: میں اپنے دل سے ایسی باتیں کرتا ہوں، لَأَنْ أَكُونَ حُمَمَةً أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَكَلَّمَ بِهِ: میں جل کر کے کوئلہ ہو جاؤں، یہ مجھے زیادہ پسند ہے، بہ نسبت اس کے کہ میں ان باتوں کا اپنی زبان سے اظہار کروں۔

شکل دکھانے کے قابل یہ سیاہ کار نہیں

ہمارے اس مجمع میں کون ایسا ہے جس کے دل میں اس طرح کے خیالات نہ آتے ہوں؟ لیکن ہم نے کبھی اپنے کسی قریبی اور لنگوٹیے دوست سے بھی ان خیالات کا اظہار کیا ہے؟ کوئی ہے ایسا؟ یہ تو اللہ تعالی کا فضل ہے کہ اس نے پردہ پوشی فرمائی۔ اگر ہمارے دل میں آنے والے ان خیالات کا لوگوں کو پتہ چل جائے تو وہ کیا کہیں گے کہ ہم تو یوں سمجھتے تھے کہ یہ پہلی صف میں بیٹھ کے تسبیح پڑھ رہا ہوگا۔ یہ تو پہلی صف میں بیٹھ کے پتہ نہیں کہاں گھوم رہا ہے تو اللہ کا بڑا احسان اور کرم ہے کہ اس نے ہمارے عیوب پر پردہ ڈال دیا اور ستاری فرمائی۔

گناہوں کے خیالات سے کوئی محفوظ نہیں ہے

بہرحال! ایک دین دار آدمی، دین پر چلنے والا، جس کو لوگ نیک اور صالح سمجھتے

ہیں، اس کے دل میں بھی خیالات تو آتے ہی ہیں، ایک بھی ایسا نہیں جس کے دل میں خیالات نہ آتے ہوں، إلّا ماشاء اللہ! بعض اللہ کے بندے ایسے ہوتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالی کا خصوصی معاملہ ہوتا ہے تو ان کے دل میں صغیرہ کا بھی خیال نہیں آتا، جیسے ہم اپنے بعض بزرگوں کے بارے میں سنتے ہیں لیکن عام طور پر آدمی کیسا ہی نیک اور صالح ہو، گناہوں کے خیالات تو آتے ہی ہیں لیکن وہ ایسے خیالات ہوتے ہیں، جیسے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں صحابی کہتے ہیں: لَأَنْ أَكُونَ حُمَمَةً أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَكَلَّمَ بِهِ: اپنی زبان سے لوگوں کے سامنے اس کا اظہار کرنے کے مقابلے میں جل کر کوئلہ ہوجانا مجھے زیادہ پسند ہے۔

اگر آج میرے دل میں زنا کا خیال آئے اور میں کسی ایک کے سامنے بھی اس کا اظہار کروں تو کیا ہوگا؟ کوئی بھی اس کا اظہار کرنا پسند نہیں کرتا تو دیکھو! حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا تعلق گناہ کی اس قسم کے ساتھ بھی ہوا۔

بہرحال! گناہوں کے ان خیالات کی وجہ سے بھی پریشان نہ ہوں، بس ان کے تقاضوں پر عمل نہ کریں اور اللہ کی پناہ حاصل کریں۔

آپ کے موبائل پر فون آتے ہیں یا نہیں؟ آج تو جگہ جگہ کال سینٹر قائم ہو گئے۔ اب فون آتا ہے کہ فلانی گاڑی آپ خرید لو، بینک آپ کو اتنی لون دے رہی ہے اور اس لون پر اتنا سود لگے گا۔ دن میں ایسے بیسوں فون آتے ہیں تو کیا یہ فون کا آنا گناہ ہو گیا؟ نہیں! اب وہ لوگ سودی معاملہ کرنے کے لیے ترغیب دے رہے ہیں، آپ کو اس پر عمل نہیں کرنا ہے۔

بنایا اے ظفرؔ! خالق نے کب انسان سے بہتر

یہ خیالات بھی اللہ تبارک وتعالی کا ہم پر بہت بڑا انعام ہے۔اللہ تعالی نے ہم کو ایسا بنایا ہے کہ اس میں گناہ کے تقاضے رکھے ہیں،فرشتہ تو ہیں نہیں۔یہ کرسی اگر یہ کہتی ہے کہ میں بدنگاہی نہیں کرتی۔الحمدللہ! آج تک میں نے کسی بھی اجنبی عورت کو غلط نگاہ سے ایک مرتبہ بھی نہیں دیکھا تو اس کا یہ دعوی کوئی کمال نہیں؛ کیوں کہ اس کے اندر اس کا تقاضا ہی نہیں۔ہاں!اگر کوئی انسان یہ کہتا ہے کہ آج تک میں نے کسی عورت کو غلط نگاہ سے نہیں دیکھا تو ٹھیک ہے کہ اس کے اندر اس کا تقاضا رکھا ہوا ہے۔

گناہوں کے تقاضے بھی اللہ تعالی کا بڑا انعام ہے

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ گناہوں کے تقاضے بھی اللہ تعالی کا ایک انعام ہے کہ اس کی وجہ سے ہمارے تقوے کی بھٹی روشن ہے کہ گناہ کا تقاضا ہوا اور اپنے آپ کو بچایا تو نامۂ اعمال میں نیکی لکھی جائے گی یا نہیں؟ تقاضا نہیں ہے اور بچایا، جیسے یہ کرسی تو اس کے نامۂ اعمال میں کچھ نہیں لکھا جائے گا۔اس وقت ہم اور آپ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور ہر قسم کے گناہ سے اپنے آپ کو بچائے ہوئے ہیں لیکن پھر بھی گناہوں سے بچنے کا ثواب ہمارے نامۂ اعمال میں نہیں لکھا جائے گا؛اس لیے کہ گناہ کا تقاضا ہی نہیں ہے کہ ہم اپنے آپ کو اس سے بچاویں۔ہاں تقاضا ہوا اور بچایا تو وہ جو مشقت اور مجاہدہ ہوا تو اس مشقت اور مجاہدے کی وجہ سے ہمارے نامۂ اعمال میں اس گناہ سے بچنے کا ثواب لکھا جائے گا۔ایک عورت گذر رہی ہے،دل میں بدنگاہی کا تقاضا ہوا،آپ

نے اپنی نگاہیں نیچی کرلیں، اپنے آپ کو بچالیا تو ثواب لکھا جائے گا لیکن اس وقت یہاں کوئی عورت گذر نہیں رہی ہے تو بدنگاہی کا تقاضا موجود بھی نہیں ہے؛ اس لیے اس وقت ہم میں سے کوئی بھی بدنگاہی نہیں کررہا ہے تو یہ مت سمجھیو کہ ہمارے نامۂ اعمال میں بدنگاہی سے بچنے کا ثواب لکھا جائے گا۔

گناہوں کے تقاضے تقویٰ پیدا کرنے والے ہیں

تو یہ تقاضے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا انعام ہے، ان تقاضوں پر جب عمل نہیں کریں گے اور قربانی دیں گے، مشقت اٹھائیں گے، مجاہدہ کریں گے، ریاضت کریں گے تو ہماری قربانی پر ہمارے نامۂ اعمال میں ان تقاضوں سے بچنے کا ثواب لکھا جائے گا، یہی تو تقویٰ ہے۔ تقویٰ کیا ہے؟ گناہوں سے اپنے آپ کو بچانا اور گناہوں سے اپنے آپ کو بچانا کب ہوتا ہے؟ جب تقاضا ہو۔ اگر تقاضا نہ ہو تو بچانا بھی نہیں ہوگا۔

غصے والی بات پر غصہ نہ آنا انسانیت کے خلاف ہے

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے سامنے غصے والی بات کہی جاوے اور اسے غصہ نہ آوے، وہ انسان نہیں گدھا ہے؛ کیوں کہ انسان کی فطرت میں غصے کا مادّہ اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے، وہ تو آئے گا، اسی طرح گناہوں کے جذبات اور خواہشات کا مادّہ بھی اللہ نے انسان میں رکھا ہے؛ اس لیے گناہ کے خیالات تو آئیں گے۔

فرشتوں کا گناہوں سے بچنا کوئی کمال نہیں ہے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مولوی صاحب! کوئی ایسا وظیفہ بتائیے، ایسی دعا کیجیے، کوئی

ایسی تدبیر بتلائیے کہ گناہوں کے وسوسے آوے ہی نہیں۔ یہ آدمی انسان بننا نہیں چاہتا! انسان ہی کے اندر اللہ تبارک وتعالی نے یہ چیز رکھی ہے، فرشتوں میں گناہوں کا تقاضا نہیں ہے، نہ ان میں کھانے کا تقاضا ہے، نہ پینے کا تقاضا ہے، نہ کوئی شہوت ہے۔ ان کی صفت تو یہ ہے: ﴿لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ﴾[التحریم:٦] کہ: اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے جو حکم دیا گیا ہے، فرشتے اس کی نافرمانی کر ہی نہیں سکتے، ان کو تو جو حکم دیا جاتا ہے، اسی کی تعمیل کرتے ہیں، گویا ان کے اندر اللہ کی نافرمانی کرنے کی صلاحیت اور استعداد موجود ہی نہیں ہے؛ لہٰذا اگر فرشتے گناہ نہیں کرتے، تو کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔ بقول حضرت حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کہ: حضرت جبرئیل کی گود میں اگر حسینۂ عالم آکر بیٹھ جائے تو ان کو کہاں پتہ چلے گا۔ حضرت حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جگہ یہ مقولہ پڑھا۔ کیوں؟ کیوں کہ ان کے دل میں شہوت ہی نہیں ہے۔ شہوت تو انسانوں کے دل میں ہے۔ یہ گناہوں کے تقاضے بڑی نعمت ہیں۔

تخلیقِ انسانی پر فرشتوں کے کلام کی وجہ اور حکمت

انسان کی یہی تو خصوصیت ہے۔ جب اللہ تبارک وتعالی نے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا اور فرشتوں کے سامنے اپنے اس ارادے کا اظہار فرمایا: ﴿اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾ کہ: میں زمین میں خلیفہ بنانا چاہتا ہوں تو انسان کی اسی فطرت کو دیکھ کر فرشتوں نے کہا تھا: ﴿اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ﴾: اے باری تعالی! آپ زمین میں ایسی مخلوق پیدا کرنے جارہے

ہیں جو اس میں فساد مچائے گی اور خون خرابہ کرے گی؟﴿وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ﴾: ہم آپ کی پاکی اور تقدیس بیان کرتے ہیں، گویا آپ کی عبادت کے لیے تو ہم ہیں پھر اس مخلوق کی کیا ضرورت ہے؟۔ باری تعالیٰ نے شاہانہ انداز میں، حاکمانہ انداز میں فرشتوں کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا:﴿اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾[البقرة: ۳۰]: جو میں جانتا ہوں، وہ تم نہیں جانتے۔

فطرتِ انسان میں نیکی و بدی دونوں کی صلاحیتیں ودیعت کی گئی ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب اس کائنات کے اندر انسان کو پیدا فرمایا تو انسان کو پیدا کرنے سے پہلے اس کائنات کے اندر شیاطین موجود تھے اور فرشتے بھی موجود تھے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو پیدا فرما کر اس میں دونوں صلاحیتیں رکھیں: نیکی کی بھی اور برائی کی بھی،﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾[البلد:۱۰] کہ: ہم نے انسان کو دونوں راستے دکھلائے۔﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا﴾[الشمس:۸] کہ: اللہ تعالیٰ نے انسان کو گناہ اور برائی کا راستہ بھی بتلایا اور نیکی کا راستہ، گناہ اور نافرمانی سے بچنے کا راستہ بھی بتلایا، دونوں صلاحیتیں انسان کے اندر رکھ دی ہیں۔ چنانچہ اگر انسان اپنے آپ کو نیکی کے راستے پر ڈالتا ہے اور اللہ کی نافرمانی اور معصیت سے بچاتا ہے تو اس کو فرشتوں پر بھی فوقیت اور ترجیح حاصل ہو جاتی ہے۔

اسی مجاہدے پر جنت بھی ملے گی اور نافرمانی اور حکم عدولی پر جہنم کے اندر ڈال دیا جائے گا، فرشتوں کے لیے تو جنت اور جہنم کا کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ جنت میں بھی ان کی

ڈیوٹیاں لگی ہوئی ہیں اور جہنم میں بھی ان کی ڈیوٹیاں لگی ہوئی ہیں، نہ تو جنت کی نعمتوں سے ان کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے اور نہ جہنم کی سزاؤں سے ان کو کوئی نقصان پہنچتا ہے، ان میں یہ صلاحیت ہے ہی نہیں، یہ صلاحیت تو اللہ تبارک وتعالی انسان میں رکھی ہے۔

رہیں گے عمر بھر گھیرے ہوئے افکارِ شیطانی

تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ مولانا دعا کیجیے کہ یہ چیز ہی ختم ہوجائے کہ نہ رہے بانس، نہ بجے بانسری! نہیں، یہ بانسری تو بجانی ہی ہے۔ یہ تو اللہ تعالی ثواب دینا چاہتے ہیں؛ اس لیے آپ ایسا نہ کہیے کہ نہ رہے بانس، نہ بجے بانسری۔ یہ سلسلہ تو موت تک رہنے والا ہے۔ بقول حضرت خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کے کہ کبھی شیطان آپ کو چت کردے اور کبھی آپ شیطان کو چت کردیں۔ یہ مقابلہ اور کشتی تو عمر بھر کی لگی ہوئی ہے، اس کے بغیر ہمارے نامۂ اعمال میں نیکیاں نہیں لکھی جائیں گی۔

گناہوں کے تقاضوں پر عمل نہ کرنے پر دربارِ خداوندی سے ملنے والا انعام

گناہوں کے تقاضے تو پیدا ہوں گے اور اس کے خیالات آئیں گے لیکن اس کے جواب میں ہمیں کیا کرنا ہے؟ ہمیں اپنے نفس کو دبا کر اس تقاضے پر عمل نہیں کرنا ہے، اگر ہم اپنے نفس کو دبائیں گے اور اس تقاضے پر عمل نہیں کریں گے تو یہی تقاضا ہمارے لیے اللہ کے قرب کا ذریعہ بنے گا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: النَّظْرَةُ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ إِبْلِيسَ مَسْمُومَةٌ فَمَنْ تَرَكَهَا مِنْ خَوْفِ اللهِ أَثَابَهُ جَلَّ وَعَزَّ إِيمَانًا يَجِدُ حلَاوَتَهُ

فِي قَلْبِهِ: یہ بدنظری ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے، جو آدمی اللہ تعالی کے خوف سے اس کو چھوڑ دے گا، اللہ تبارک وتعالی اس کو ایمان کی حلاوت اور شیرینی سے نوازیں گے①۔

اگر گناہوں کا تقاضا دل میں پیدا نہ ہوتا تو یہ انعام کہاں سے حاصل ہوتا؟ یہ بدنظری کا تقاضا پیدا ہوا اور اس تقاضے کو اللہ کے لیے چھوڑ کر اپنے آپ کو اس بدنظری سے بچایا تو اس پر اللہ کا قرب حاصل ہوا اور اس کو ایمان کی مٹھاس عطا فرمائی۔

بدنظری زنا کے خیالات کا دروازہ ہے

دیکھو! بدنظری زنا کے خیالات کا دروازہ ہے، اگر آپ کے دل میں کسی پرائی عورت کو دیکھنے کا خیال آیا، یہ غیر اختیاری ہے۔ اب ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اس وسوسے پر عمل نہ کریں، اگر ہم اس سے آگے بڑھیں گے، اس وسوسے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے عملی قدم اٹھائیں گے، یہ آگے جو کچھ ہوگا، وہ ہمارے اختیار سے ہوگا، اس سے شریعت ہمیں منع کرتی ہے۔ اب ہمیں اس تقاضے پر عمل نہیں کرنا ہے لیکن ہم ایسا نہیں کرتے اور وسوسے کو دور کرنے کی فکر میں رہتے ہیں، جو ہمیں کرنا ہے، جو ہمارے اختیار میں ہے، جس کا شریعت نے ہمیں پابند بنایا ہے، وہ نہیں کرتے اور جو ہمارے اختیار میں نہیں ہے، اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

اب ہوتا یہ ہے کہ ہمیں جس سے بچنا ہے، اس سے بچتے نہیں، پرائی عورتیں گذر

①المستدرك على الصحيحين ،عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تعالى عَنْهُ، كِتَابُ الرِّقَاقِ، رقم الحديث: ۷۹۵٦.

رہی ہیں، ان کو تو بے باکانہ دیکھتے رہتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی مشغلہ ہے، اس سے لذت حاصل کرتے رہتے ہیں۔

آنکھیں نظر آنے والی صورتوں کو دل ودماغ میں محفوظ کر لیتی ہیں

یہ آنکھیں ایسی ہیں جیسے کیمرے کی آنکھیں ہوتی ہیں، اس کے ذریعہ سے اندر تصویریں جاتی ہیں، جب عورتوں کو دیکھے گا تو ان کی صورتیں دل کے اندر منقّش ہو جائیں گی۔ اب یہی صورتیں اس کی قوّتِ مُخیّلہ میں آکر کے وساوس کے اندر مبتلا کریں گی۔ دیکھا تو ایک ہی مرتبہ لیکن جب رات کو سوئے گا، آنکھ بند ہوئی اور وہاں پہنچ گئی، وہی صورت سامنے آرہی ہے۔

دل میں ہے تصویرِ یار	جب ذرا گردن جھکائی، دیکھ لی

جیسا معاملہ ہو گیا۔ اب اسی میں مست ہے، اسی خیال میں مگن ہے کہ اس عورت کے ساتھ میں یوں کروں، اس کا بوسہ لوں، اس کو اپنے پہلو میں لوں، اس کے ساتھ زنا کروں، اس کے ساتھ بدکاری کروں۔

یہ سودا مہنگا نہیں ہے

یہ جو گناہ کے وساوس آرہے ہیں، اس کی وجہ بدنظری ہی تو ہے، اگر اس کو نہ دیکھا ہوتا تو اس کی نوبت آتی؟ ایک آدمی نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ حضرت! جب کوئی حسین عورت قریب سے گذرتی ہے تو بدنظری کرنے کے لیے دل بے چین ہو جاتا ہے۔ مثلاً نہیں دیکھی تو کیسی ہوگی؟ محروم رہ جاؤں گا!۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں لکھا کہ یہ بے چینی بس اتنی ہی دیر کی ہے کہ گذر جائے گی تو بے چینی بھی ختم ہو جائے گی لیکن اگر دیکھ لیا تو دیکھ لینے کے بعد اس کا خیال تین چار دن تک جاتا نہیں ہے اور تین دن تک اسی کے خیال میں دل بے چین رہتا ہے تو جب دو منٹ کی بے چینی برداشت، کر کے ۷۲ رگھنٹوں کی بے چینی سے بچا جا سکتا ہے تو سودا سستا ہے۔

یہ پرائی عورتوں کو دیکھنے کی دنیوی سزا ہے

اس لیے بھائی! ہم لوگ خواہشات کے چکر میں آ کر سوچتے نہیں ہیں کہ کیا کر رہے ہیں اور اپنے آپ کو کتنے بڑے نقصان میں ڈال رہے ہیں، بدنظری کرنے کو تو کر لی لیکن اس کے نتیجے میں جو کچھ اندر گیا ہے، وہ آپ کو چین سے بیٹھنے نہیں دے گا، راتوں کی نیند حرام ہو جائے گی، آپ کا چین وسکون چھن جائے گا اور بعض اوقات بعض صورتیں بعض لوگوں کے دل ودماغ پر ایسی چھا جاتی ہیں کہ پھر وہ دنیا کے کسی کام بھی نہیں رہتا، کہیں جی ہی نہیں لگتا۔ یہ ہماری غفلت کا نتیجہ ہے۔

پرائی عورتوں کو دیکھنے کی اخروی سزا

ارے بھائی! غبار کا ایک ذرّہ آنکھ میں آ رہا ہو تو کیا کریں گے؟ آنکھ کو بند کر لیتے ہیں، آنکھ کی حفاظت کرتے ہیں۔ حالاں کہ اگر یہ ذرّہ آنکھ کے اندر چلا گیا تو دنیوی اعتبار سے تھوڑی سی تکلیف ہو گی اور یہاں پرائی عورت کو دیکھنا جس کے متعلق نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: کسی عورت کے حسن کو اگر کسی نے دیکھا تو قیامت کے دن پگھلایا ہوا

سیسہ اس کی آنکھوں میں ڈالا جائے گا تو کیا اس سے ہم اپنی آنکھوں کو نہیں بچانا چاہتے ؟۔

بدنظری: سب سے خطرناک گناہ

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ دوسرے سارے گناہوں کا تو حال یہ ہے کہ آدمی اگر زیادہ مقدار میں کرے تو دل اس سے اُچاٹ ہوجاتا ہے: ایک آدمی شراب پیتا ہے تو کتنی پئے گا؟ ایک گلاس، دو گلاس، تین گلاس! چار، پانچ گلاس کے بعد وہ رکے گا یا نہیں رکے گا؟۔

ایک آدمی کسی عورت کے ساتھ زنا کرتا ہے تو ایک مرتبہ کرے گا، دو مرتبہ کرے گا پھر کیا ہوگا؟ ٹانگیں ڈھیلی ہوجائے گی نا؟ ہر گناہ کا یہی حال ہے لیکن یہ بدنظری ایسا خطرناک گناہ ہے کہ صبح سے لے کر شام تک آدمی باہر بیٹھ کر آنے جانے والی عورتوں کو دیکھتا رہتا ہے لیکن اس کا جی بھرنے کا نام نہیں لیتا۔

پھر یہ ہے کہ گناہوں کے لیے بھی آدمی کی عمر کے کچھ تقاضے ہیں: ایک آدمی زنا کرتا ہے تو کب تک کرے گا؟ بڑھاپا آئے گا تو چھوڑنا ہی پڑے گا۔ چوری کرتا ہے تو کب تک کرے گا؟ لڑنے کی، بھاگنے کی، تالا توڑنے کی جب تک صلاحیت ہے، وہاں تک! بڈھا ہوگیا تو چھوڑنا ہی پڑے گا لیکن یہ بدنظری! بڑے بڈھے جو قبر میں پیر لٹکائے ہوئے ہیں، وہ بھی آنے جانے والی عورتوں کو دیکھ کر لذت حاصل کرتے رہتے ہیں۔ ٹی وی دیکھ رہا ہے اور ہاتھ میں تسبیح بھی گھوم رہی ہے تو یہ گناہ ایسا ہے کہ آدمی کا جی اس سے کبھی بھرتا ہی نہیں۔

نوجوانوں کا خطرناک ترین مشغلہ

غلط صحبتیں ہوتی ہیں جو آج بہت عام ہوگئی ہیں، ہمارے نوجوان جب آپس میں بیٹھتے ہیں تو ان کے آپس کے تذکرے کیا ہوتے ہیں؟ وہی لڑکیوں کے تذکرے کہ فلاں لڑکی ایسی ہے اور فلاں لڑکی ویسی ہے۔ اب ان تذکروں کے نتیجے میں دلوں کے اندر ان لڑکیوں کے خیالات آتے ہیں۔ یہ تذکرے بھی آدمی کو گناہ کرنے پر آمادہ کرتے ہیں؛ اس لیے ایسے تذکروں کی بھی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ قرآن میں اس پر بڑی لعنت کی گئی ہے اور سخت وعید بیان کی گئی ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْالَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ﴾ [النور:۱۹]۔

معاشرے میں پیش آنے والے مجرمانہ واقعات کی اشاعت کی شرعی ممانعت

معاشرے میں جب اس قسم کے واقعات پیش آتے ہیں تو شریعت ان واقعات کو بیان کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتی؛ اس لیے کہ جب اس طرح کا واقعہ پیش آتا ہے اور وہ لوگوں کے سامنے آتا ہے تو بہت سے دل ایسے گناہ کی طرف جلدی سے مائل ہوجاتے ہیں، اس واقعے کو سن کر ان کے دلوں میں بھی گناہ کا تقاضا پیدا ہوتا ہے کہ ہم بھی ایسا کریں۔ کسی لڑکی کے ساتھ کسی نے برا کام کیا اور وہ سارا قصہ لوگوں کے سامنے آیا کہ وہ تو جارہی تھی، بس اشارہ کیا تو آ گئی تو سننے والا سوچے گا کہ اتنی آسانی سے آسکتی ہے تو ہم بھی شکار کرلیں۔

یہ تو ایک مثال دے رہا ہوں کہ جب آدمی گناہوں کے متعلق واقعہ سنتا ہے اور اس گناہ کی صورتیں جب سامنے آتی ہیں تو ان صورتوں کو سن کر آدمی کا نفس اس کو بھی اس گناہ میں مبتلا ہونے کی لالچ دلاتا ہے کہ بھائی! گناہ میں مبتلا ہونا اتنا آسان ہے، تم اتنے دنوں تک محروم رہے ہو! اس لیے ان تذکروں اور اسباب سے بھی پرہیز کرنے کی ضرورت ہے۔

میں یہ عرض کرر ہا تھا کہ یہ جو بدکاری کا خیال آیا، وہ ہماری اسی کمزوری کی وجہ سے آیا۔ اگر ہم نے ابتدا ہی میں احتیاط سے کام لیا ہوتا تو یہ نوبت نہیں آتی۔

جہادِ زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

اللہ تبارک وتعالی نے انسان کو قوتِ ارادی عطا فرمائی ہے، یہ ایسی صلاحیت ہے کہ آپ اس پر جتنی زیادہ محنت کریں گے اور جتنی زیادہ اس کو ترقی دیں گے، اتنی ہی زیادہ طاقت پیدا ہوگی۔ دنیا میں بہت سے کام انتہائی مشکل سمجھے جاتے ہیں لیکن بعض لوگ اپنی اسی قوتِ ارادی کو بروئے کار لا کر ایسے مشکل سے مشکل کام کو انجام دے دیتے ہیں اور لوگ اس کی تعریفیں کرتے ہیں۔

گناہوں کے تقاضوں اور اس کے لیے قوتِ ارادی کے استعمال کی ایک مثال سے تفہیم

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ وسوسے کی مثال ایسی ہے، جیسے کھجلی ہوتی ہے، جب اس کا دورہ پڑتا ہے تو کھجانے کا تقاضا پیدا ہوتا ہے، اب اگر کوئی

آدمی اس تقاضے کو دباتا نہیں بلکہ سوچتا ہے کہ چلو! ایک مرتبہ کھجا لیتے ہیں۔ وہ یوں سمجھتا ہے کہ ایک مرتبہ کھجالیں گے تو راحت ہوجائے گی! کیا ایک مرتبہ کھجلانے سے راحت ہوگی؟ نہیں بلکہ یہ تقاضا اور پیدا ہوگا اور کھجلانے کی جلن ہوگی، وہ الگ! اور کھجلانے کا تقاضا اب پہلے سے بھی شدید ہوگا۔ اس کا علاج تو یہ ہے، جیسا کہ ڈاکٹر اور حکیم آپ کو تاکید بھی کرتے ہیں کہ کھجلانے کا تقاضا بہت زیادہ پیدا ہوگا۔

زخم جب مندمل ہوتا ہے، بھرنے لگتا ہے تو اس میں کھجلی کا تقاضا پیدا ہوتا ہے، اب کوئی آدمی کھجائے گا تو وہ زخم بھرے گا نہیں، تازہ ہی رہے گا۔ ڈاکٹر کہیں گے کہ کچھ بھی ہوجاوے، اس کو ہاتھ مت لگائیو، ہمت اور قوتِ ارادی سے کام لیجیو۔

گناہ کے تقاضوں کو دبانے کا اکسیر نسخہ

اب پہلی مرتبہ بہت شدید تقاضا پیدا ہوا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اکھاڑ دیں لیکن ہمت سے کام لیا اور اپنی قوتِ ارادی کو استعمال کیا تو وہ تقاضا دب گیا لیکن دب جانے کا یہ مطلب نہیں کہ دوبارہ تقاضا نہیں ہوگا، تھوڑی دیر کے بعد دوبارہ پیدا ہوگا لیکن پہلے ۱۰۰ / پاور کا تھا نا تو اب ۹۹ / پاور کا ہوگا یعنی اس تقاضے میں اتنی قوت نہیں ہوگی جو پہلے تھی اور ۱۰۰ / پاور والے پہلے تقاضے کو تو آپ نے اپنی قوتِ ارادی سے دبایا تو اب آپ کی قوتِ ارادی کا پاور بڑھا اور اس تقاضے کا پاور گھٹا، اب اس تقاضے کو دبانا آپ کے لیے پہلے کی بہ نسبت آسان ہوگا؛ اس لیے پھر اس تقاضے کو دباؤ۔ اس طرح چلتا رہے گا، ہوتا رہے گا، یہاں تک کہ اُس کا پاور گھٹتا جائے گا اور اِس کا پاور

بڑھتا جائے گا اور پھر ایسے تقاضے پر آپ آسانی سے قابو کرلیں گے۔ یہ ہے طریقہ۔

دنیا میں ہو رہا ہے اور لوگ کر رہے ہیں، زخموں کو بھرنے دینے کے لیے لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ جب اپنے جسموں کو مزید تکلیف سے بچانے کے لیے ایسا کرتے ہیں تو اپنی روح کو، اپنے دین کو بچانے کے لیے کیوں نہ کریں!۔

شیطان انسان پر دھیرے دھیرے اپنا تسلّط قائم کرتا ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ شیطان انسان پر دھیرے دھیرے قابو پاتا ہے، پہلے گناہ کا خیال ڈالتا ہے پھر اس سے بدنظری کرواتا ہے پھر زنا میں مبتلا کرتا ہے؛ اس لیے پہلے مرحلے ہی میں بچنے کی ضرورت ہے۔

دفعِ وساوس کے لیے ہمارے اسلاف کا متفقہ ایک ہی علاج

ہمارے اکابر نے اپنے متعلقین اور مسترشدین کی تربیت اور ان کی رشد و ہدایت کے لیے جو خطوط اور مکاتیب لکھے، وہ شائع ہو چکے ہیں، ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بھی ہیں اور حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اکابر کے بھی ہیں، ان سب میں اپنے مریدین کو یہی ہدایت کی گئی ہے کہ گناہوں کے تقاضے پر عمل نہ کیا جائے، خیالات کا آنا گناہ نہیں ہے، اس لیے اس سے ڈرنا فضول ہے۔

نمازیں، تلاوت، ذکر، تسبیحات وغیرہ روحانی غذائیں ہیں

یہ نمازیں، تلاوت، ذکر، تسبیحات، یہ سب روحانی غذائیں ہیں جو روحانی قوت پیدا کرتی ہیں۔ جیسے ہم مادّی غذائیں: روٹی، سالن، بادام، اخروٹ، دودھ، گھی کھاتے

ہیں تو جسمانی طاقت پیدا ہوتی ہے تو اسی طرح نماز، روزہ وغیرہ روحانی غذائیں ہیں۔ رمضان میں آپ کو یہ روحانی غذائیں کھلائی جاتی ہیں لیکن شیطان کے مقابلے میں آپ چت ہو جاتے ہیں۔

پہلوان لوگ یہ چیزیں خوب کھاتے ہیں، اب کسی کو دودھ، گھی خوب کھلا کے پہلوان بنایا اور جب اکھاڑے میں گیا اور پہلی ہی مرتبہ میں چت ہو گیا تو کیا کہیں گے کہ سب کھایا پیا بے کار گیا، کم بخت نے ہماری محنت بے کار کر دی۔ اب آپ نمازیں پڑھ رہے ہیں، تلاوت کر رہے ہیں، تسبیح پڑھتے ہیں، یہ سب روحانی قوت کو بڑھانے کے لیے ہے؛ تاکہ آپ گناہوں کے تقاضوں کو دبا سکیں، مغلوب کر سکیں۔

کھایا پیا برباد کیا

اب آپ نمازیں پڑھ رہے ہیں، تلاوت کر رہے ہیں، تسبیح پڑھ رہے ہیں اور بازار میں نکلے تو پرائی عورتوں کو بے باک دیکھ رہے ہیں، یہ ''کھایا پیا برباد کیا'' نہیں تو اور کیا ہے۔ ایسے آدمی کو کیا کہیں گے؟ نالائق ہی کہیں گے کہ یہ عجیب آدمی ہے کہ اتنا کھلایا، پلایا اور وقت پر کام نہیں آیا، روحانی طاقت کا مطلب ہی یہ ہے کہ ایسا موقع آوے تو خود پر قابو کر سکیں۔ اب اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی نفس کا معمولی سا تقاضا ہوا اور ہم پچھڑ گئے تو فائدہ کیا ہوا؟ یہ اس پہلوان جیسا ہی ہوا۔

بہرحال! یہ وسوسوں کی دوسری قسم ہے جو گناہوں سے متعلق ہے، یہ وساوس آتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ دعا کرو کہ نہ آوے۔ ایسا تو نہیں ہوگا لیکن بہت سے لوگ مسلسل

اس کے حملے میں ہوتے ہیں تو اس کی وجوہات اور وساوس کی تیسری قسم اِن شاء اللہ آئندہ بیان کی جائے گی جو گناہوں کے نہیں بلکہ حلال اور مباح چیزوں کے وسوسے ہوتے ہیں لیکن بے موقع آتے ہیں، جیسے نماز کی نیت باندھی اور دکان پر پہنچ گیا تو دکان کا خیال، تجارت کا خیال کوئی گناہ کا خیال نہیں ہے لیکن یہ بے موقع، نماز میں آیا؛ اس لیے ہم کو تکلیف ہوئی، اس کا بیان اِن شاء اللہ آئندہ ہوگا۔

شیطانی وساوس کی حقیقت
اوران سے بچنے کے نبوی طریقے (۳)

اقتباس

دیکھئے! یہ جو زنا کے خیالات بار بار آرہے ہیں، اس کا تقاضا دل میں پیدا ہو رہا ہے، اس کا ایک ظاہری سبب یہ ہوا کہ اس نے شریعت کے حکم کی مخالفت کی، اپنے آپ کو ایسے ماحول سے بچانے کی کوشش نہیں کی۔ اب یہ آدمی آپ کے پاس آکر شکایت کرتا ہے کہ مولوی صاحب! دل میں بار بار زنا کا تقاضا پیدا ہوتا ہے تو آپ اس سے پوچھیں گے کہ تمھارا مشغلہ کیا ہے۔ وہ کہے گا کہ میں تو ۲۴ر گھنٹے انٹرنیٹ پر بیٹھا رہتا ہوں اور لذتیں لیتا رہتا ہوں۔ تو جب تم ۲۴ر گھنٹے یہی کرتے رہتے ہو تو تمھارے دل میں زنا کا خیال نہیں آئے گا تو کیا ہوگا!۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدُ لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيدالأنبياءِ والمرسلين، سيدنا ونبينا وحبيبنا وشفيعنا محمد وآله وأصحابه أجمعين.

گذشتہ باتوں کا خلاصہ

گذشتہ مجلس میں وساوس کی دوسری قسم کے بارے میں بحث ہوئی تھی اور بتایا تھا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی جو روایت ہے کہ ایک آدمی نے آکر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: إِنِّي لَأُحَدِّثُ نَفْسِي بِالشَّيْءِ، لَأَنْ أَكُونَ حُمَمَةً أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَكَلَّمَ بِهِ کہ: کبھی میں اپنے دل سے باتیں کرتا ہوں یعنی میرے دل میں وساوس اور خیالات آتے ہیں اور وہ باتیں اور خیالات ایسے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو زبان پر لانے کے مقابلے میں جل کر کوئلہ ہوجانا پسند کرتا ہوں، ایسے خطرناک خیال ہوتے ہیں، وہ کون سے خیالات آتے ہیں؟ اس کی دو قسمیں بتائی تھیں: ایک تو ایمانیات سے متعلق اور دوسرے فسق وفجور اور گناہوں سے متعلق۔ یہ حدیث دونوں قسم سے تعلق رکھتی ہے، جیسا کہ گذشتہ مجلس میں تفصیل بتائی تھی۔

اب یہ جو گناہوں یا ایمانیات کے متعلق خیالات آتے ہیں، اس کو کوئی بھی آدمی دوسرے کے سامنے بیان کرنا گوارا نہیں کرتا تو لَأَنْ أَكُونَ حُمَمَةً أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَكَلَّمَ بِهِ کا تعلق دونوں سے ہے۔

جب اس نے یہ بات کہی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الْحَمْدُ لِله الَّذِي رَدَّ أَمْرَهُ

إِلَى الْوَسْوَسَةِ: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اس کا معاملہ وسوسے تک محدود رکھا۔

اس کا یعنی کس کا؟ اس کی تفصیل میں بتا چکا ہوں کہ شُرّاحِ حدیث نے اس کی ضمیر کو شیطان کی طرف بھی لوٹایا ہے اور اس آدمی کی طرف بھی لوٹایا ہے، پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ شیطان تو اس کے پاس زنا کروانے یا ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے آیا تھا لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہوا۔ فقط دل میں خیالات پیدا ہوئے اور معاملہ ختم ہوگیا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا معاملہ وسوسے تک محدود رکھا۔

تو ایسا معاملہ پیش آنے پر آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرے اور یہ سوچے کہ اے اللہ! تیرا شکر ہے، اگر یہ شیطان اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتا تو میں تو گناہ میں مبتلا ہوجاتا، تو نے میری حفاظت کی۔ یہاں خوش ہونے کی چیز کون سی ہے؟ وہ بھی میں ایک مثال کے ذریعہ سمجھا چکا ہوں کہ خوشی اور اللہ کا شکر وسوسہ آنے پر نہیں بلکہ گناہ سے بچ جانے پر ہے۔

مؤثر کے عمل کا اثر، متأثر کی صلاحیتوں کے مطابق مختلف ظاہر ہوتا ہے

حضرت شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں حجۃ اللہ البالغہ میں یہ بھی فرمایا کہ ایک تو شیطان ہے جو اپنا اثر ڈالتا ہے اور ایک لوگ ہیں جن پر یہ اپنا اثر ڈالتا ہے، ایک مُؤثر ہے اور ایک متأثر ہے۔ مؤثر کے عمل کا اثر متأثر کی صلاحیتوں کے مطابق الگ الگ ظاہر ہوتا ہے۔ عمل تو ایک ہی طرح کا ہے لیکن اس کا اثر یہاں الگ ہوا، وہاں الگ ہوا۔

ایک مثال سے اس اصول کی تفہیم

آپ نے ایک بڑا سا پتھر لے کر مارا، اب اگر آپ یہ پتھر شیشے کے اوپر ماریں گے تو وہ شیشہ چور چور ہو جائے گا اور یہی پتھر آپ کاغذ یا کپڑے کے اوپر ماریں گے تو وہ چور چور تو نہیں ہوگا لیکن اس میں سوراخ پڑ جائیں گے، یہی پتھر آپ لکڑی کے دروازے کے اوپر ماریں گے تو وہاں بھی یہ کچھ نہ کچھ اثر کرے گا، لوہے کے دروازے پر ماریں گے تو اس پر اس سے کم اثر ظاہر ہوگا۔ چیز ایک ہی تھی، آپ نے ہر چیز پر پوری قوت سے مارا لیکن جس چیز پر آپ نے مارا اس چیز کے اعتبار سے اس کا اثر الگ الگ ظاہر ہوا۔

جیسے دھوپ ہے، گرمی کے زمانے میں سورج کی دھوپ، اس کی تپش زمین کے اوپر پڑتی ہے۔ اب اگر وہ دھوپ لوہے کی کسی چیز کے اوپر پڑے گی تو لوہے کی وہ چیز سورج کی تپش کی وجہ سے اتنی گرم ہو جائے گی کہ آپ اس کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکیں گے اور یہی تپش اگر پتھر پر پڑے گی تو وہ لوہے جیسا تو نہیں لیکن کچھ نہ کچھ اثر تو اس پر بھی ظاہر ہوگا اور لوہے سے کم گرم ہوگا۔

یہی تپش لکڑی کے اوپر پڑے گی تو اس کا اثر اور کم قبول کرے گی۔ پتھر کی ایک قسم وہ بھی ہے جس پر اس تپش کا کوئی اثر نہیں ہوتا، ٹھنڈے کا ٹھنڈا رہتا ہے۔ ہم پسینے سے شرابور ہو جاتے ہیں لیکن وہ پتھر جو مطاف کے اندر لگے ہوئے ہیں، وہ بالکل ٹھنڈے ہوتے ہیں، گویا اس پتھر نے سورج کی تپش کو بالکل قبول نہیں کیا۔

اسی طرح شیطان جو انسانوں پر وسوسے ڈالتا ہے، انسانوں پر محنت کرتا ہے تو یہ

جو انسانوں پر محنتیں کی جارہی ہیں، ان کی حیثیتیں الگ الگ ہیں: بعض وہ ہیں جن پر وہ محنت کرتا ہے لیکن وہ کامیاب نہیں ہوتا، وسوسے تک بات محدود رہتی ہے، اسی کو حضور ﷺ فرماتے ہیں: " رَدَّ أَمْرَهُ إِلَى الْوَسْوَسَةِ " آدمی کی طرف ضمیر لوٹانے کی صورت میں معنی ہوگا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اس آدمی کا معاملہ وسوسے تک محدود رکھا، شیطان آگے جا نہیں سکا، بس گناہ کی، زنا کی، بدنگاہی کی بات وسوسے تک رہی، جس مقصد کے لیے شیطان آیا تھا، اس میں ملوث کرنے کی نوبت نہیں آئی۔

تو انسان کو گمراہ کرنے کے لیے شیطان اس کے دل کے اوپر جو محنت کرتا ہے، اس محنت کے نتیجے میں انسان کے دلوں پر مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں: بعض قلوب وہ ہیں جو شیطان کی اس محنت کے نتیجے میں کفر اور شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں، بعض قلوب وہ ہیں جو کفر وشرک میں تو نہیں لیکن دوسرے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، چنانچہ یہ آپس کی لڑائیاں، آپس کے اختلافات بھی اسی شیطانی وسوسہ اندازی اور اسی کی محنت کا نتیجہ ہوتا ہے۔

شیطان جزیرۃ العرب کے مسلمانوں کی طرف سے گناہوں کے سلسلے میں مایوس نہیں ہوا ہے

چناں چہ نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے: إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّونَ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ، وَلَكِنْ فِي التَّحْرِيشِ بَيْنَهُمْ[1]. کہ: جزیرۃ العرب

[1] صحيح مسلم، عَنْ جَابِرٍ ؓ، بَابُ تَحْرِيشِ الشَّيْطَانِ وَبَعْثِهِ سَرَايَاهُ لِفِتْنَةِ النَّاسِ الخ.

میں رہنے والے اہلِ ایمان شیطان کی باتوں میں آکر بت پرستی کرنے لگیں، اس سلسلے میں تو شیطان مایوس ہوگیا ہے لیکن ہاں! اس کی محنت کے نتیجے میں آپس کے جھگڑے، آپس کے اختلافات، آپس کے ٹکراؤ، اس سے وہ مایوس نہیں ہوا ہے۔

یہ گناہوں کے وسوسے ہیں جن کے بارے میں دو کام کرنے ہیں: ایک یہ کہ ان کے تقاضوں پر عمل نہیں کرنا ہے اور دوسرے یہ کہ اللہ سے پناہ مانگنی ہے۔

گناہوں کے تقاضے سوختہ ہیں

بقول مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے: یہ گناہوں کے تقاضے ہیں، وہ تو یوں سمجھو کہ سوختہ ہیں سوختہ! آگ جلانے کے لیے جو لکڑیاں ہوتی ہیں، ان کو ایندھن کہتے ہیں، وہی سوختہ ہیں۔ اس سوختہ سے حمّام گرم ہوتا ہے تو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تقوی کا حمام گناہوں کے ان تقاضوں سے گرم ہوتا ہے۔

گناہوں کے خیالات لانے والے اسباب سے احتیاط ضروری ہے

جس طرح ایمانیات کے متعلق آنے والے خیالات اور وساوس کو روکنے کے لیے ان کے اسباب سے بچنا ضروری ہے جس کی تفصیل میں پہلے بتا چکا ہوں، اسی طرح گناہوں کے خیالات کے بھی اسباب ہیں، ان سے بچنا بھی ضروری ہے۔

زنا کا خیال آیا، بدنگاہی کا خیال آیا، شراب پینے کا خیال آیا، چوری کا خیال آیا تو ان وساوس کا حکم تو بتا دیا لیکن ان وساوس کو کم کرنے اور روکنے کی تدبیر کے طور پر یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو ایسی اشیاء سے جو ان وساوس کے آنے کا ذریعہ بنتی ہیں، بچانے کا

اہتمام کیا جائے۔

حکمِ شرعی ”نگاہ نیچی رکھنے“ کی مخالفت کا دنیوی وبال

شریعت نے ہمیں حکم دیا کہ آپ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں۔ اب ایک آدمی اس کا اہتمام نہیں کرتا، وہ جاتا ہے اور نامحرم عورتوں پر نظر پڑتی ہے، امارِد کے اوپر نظر پڑتی ہے، یا سائن بورڈ کے اوپر، اخباروں میں، انٹرنیٹ پر تصویریں دیکھتا ہے، اس کا دھندا ہی یہ ہے، یہ خود گناہ ہے لیکن اس کے نتیجے میں اور شریعت کے حکم ”نگاہ نیچی رکھنے“ کو توڑنے کی وجہ سے ایک دوسری مصیبت یہ آئے گی کہ ۲۴ر گھنٹے اس کے دل میں زنا کے خیالات آئیں گے۔ بدنگاہی کے گناہ میں تو یہ مبتلا ہو چکا لیکن اس کے بعد کا جو درجہ تھا زنا کا، وہ ابھی آیا نہیں ہے لیکن ظاہر ہے کہ جو آدمی بدنگاہی میں مبتلا ہوگا، وہ زنا کے خیالات کا شکار بھی ضرور ہوگا، اس کو ۲۴ر گھنٹے بے داری میں بھی اور خواب میں بھی یہی سب نظر آئے گا کہ فلاں عورت کے ساتھ میں یہ حرکت کر رہا ہوں۔

دیکھئے! یہ جو زنا کے خیالات بار بار آ رہے ہیں، اس کا تقاضا دل میں پیدا ہو رہا ہے، اس کا ایک ظاہری سبب یہ ہوا کہ اس نے شریعت کے حکم کی مخالفت کی، اپنے آپ کو ایسے ماحول سے بچانے کی کوشش نہیں کی۔ اب یہ آدمی آپ کے پاس آ کر شکایت کرتا ہے کہ مولوی صاحب! دل میں بار بار زنا کا تقاضا پیدا ہوتا ہے تو آپ اس سے پوچھیں گے کہ تمھارا مشغلہ کیا ہے۔ وہ کہے گا کہ میں تو ۲۴ر گھنٹے انٹرنیٹ پر بیٹھا رہتا ہوں اور لذتیں لیتا رہتا ہوں۔ تو جب تم ۲۴ر گھنٹے یہی کرتے رہتے ہو تو تمھارے دل

میں زنا کا خیال نہیں آئے گا تو کیا ہوگا!۔

فحاشی کے سدِّ باب کے لیے اس کے اسباب پر بھی پابندی

اسی طرح ایسی صحبتیں، ایسی دوستیاں جہاں ایسا ہی تذکرہ ہوتا ہے، ایسا ماحول جہاں یہ ساری چیزیں ہوتی ہیں، ان سب چیزوں سے بچنا بہت ضروری ہے؛ اسی لیے اسلام نے عفت وعصمت اور پاک دامنی پیدا کرنے کے لیے ان سارے اسباب پر بھی پابندی لگا دی ہے۔

نگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا، مرد اور عورت کے اختلاط سے منع کیا، عورتوں کو ایسی شکلیں اختیار کرنے سے روک دیا جس کی وجہ سے مردوں کا دھیان ان کی طرف جائے، زیب و زینت کر کے بے پردہ نکلنے سے، مہکنے والی خوشبو لگا کر باہر نکلنے سے منع کیا اور ایسی عورت کو حدیث میں زانیہ کہا گیا؛ کیوں کہ یہی وہ چیز ہے جو لوگوں کو برائی پر آمادہ کرتی ہے۔

شریعت کے پیشِ نظر گناہوں کی جڑ ختم کرنا ہے

ہمارے یہاں جب کوئی بیماری وبائی شکل اختیار کرتی ہے تو اس بیماری پر قابو پانے اور مزید پھیلنے سے بچانے کے لیے تحریک اور مہم چلاتے ہیں، جیسے ''ملیریا نابودی'' کی تحریک چلاتے ہیں تو اس تحریک میں کیا ہوتا ہے؟ کیا خالی ان لوگوں کو جن کو ملیریا کا بخار آیا ہے، ان ہی کو انجیکشن دیتے ہیں؟ نہیں! بلکہ عام گذرگاہوں پر بڑے بڑے سائن بورڈ لگاتے ہیں اور ان پر مچھر کی تصویریں بنی ہوئی ہوتی ہیں اور یہ بھی

بتاتے ہیں کہ یہ مچھر کہاں اور کیسے پیدا ہوتے ہیں اور ان سے بچنے کی تاکید کرتے ہیں؟ کیوں؟ کیوں کہ وہ چاہتے ہیں کہ یہ بیماری جڑ سے ختم ہو جائے، خالی ملیریا کے مریض کو ٹیبلیٹ دینے سے یہ بیماری جڑ سے ختم ہونے والی نہیں ہے۔ شریعت بھی ہر گناہ کی جڑ کٹواتی ہے؛ اس لیے اس کے اسباب سے بھی روکتی ہے۔

بہر حال! ان اسباب سے بھی اپنے آپ کو بچانا ضروری ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ اگر آپ کھڑکی کھلی رکھیں گے تو مچھر آئیں گے اور کاٹیں گے اب اگر صبح کو آپ یہ کہیں کہ آج تو مچھروں نے سونے نہیں دیا تو یہ آپ کا ہی قصور تھا کہ آپ نے شام سے کھڑکی بند کیوں نہیں کی؟ اگر آپ پہلے سے کھڑکی بند کر دیتے تو اطمینان سے نیند آتی۔

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ ان گناہوں کے خیالات سے بچنے کی تدبیریں بھی ہمیں اختیار کرنی ہیں اور اس کے بعد بھی اگر خدانخواستہ ایسا خیال آجائے تو ہمیں وہی کرنا ہے جو ہمیں بتایا گیا۔

وساوس کی تیسری قسم: مباح کاموں کے خیالات

وسوسے کی تیسری قسم وہ ہے جو گناہ سے متعلق نہیں ہوتے لیکن پھر بھی آدمی اس کی وجہ سے پریشان ہوتا ہے۔ جیسے ہم نے نماز کی نیت باندھی، اب نماز کی نیت باندھی کہ اپنی دکان پر پہنچ گیا۔ آدمی کا اپنے کاروبار کے متعلق سوچنا یا اپنی بیوی بچوں کے متعلق سوچنا یا اپنے دوستوں سے بات چیت کرنا۔ یہ فی نفسہ جائز کام ہیں لیکن ان کے خیالات نماز میں آرہے ہیں۔

ہماری نمازوں کا حال

ہماری نماز کا حال ایسا ہے، بقول ایک بزرگ کے کہ جیسے ٹیپ ریکارڈر کا سوئچ آن کر دیا گیا ہو کہ اس میں آپ نے جو چیز بھر رکھی ہے، سوئچ آن کرنے سے وہ چیز شروع ہو جاتی ہے۔

اسی طرح نماز کے بارے میں جو چیز ہمارے اندر بھری ہوئی ہے، نماز کی نیت باندھنے سے وہ چیز شروع ہو جاتی ہے: ثنا، تعوذ، تسمیہ، سورۂ فاتحہ پھر سورت ملانا، پھر رکوع میں گیا، اس کی تسبیح پڑھی پھر قومہ کیا۔ اسی طرح سلام تک چلتا رہے گا۔

اس کے دو رکعت پر سلام پھیرنے کے بعد کوئی اس کے پاس جا کر پوچھے کہ تو نے پہلی رکعت میں کون سی سورت پڑھی تھی؟ اس کو خود بھی یاد نہیں آئے گا کہ کون سی سورت پڑھی تھی!، کیوں؟ اس لیے کہ ہماری یہ نماز توجہ والی نہیں ہے، یہ تو ٹیپ ریکارڈر کی طرح ہے کہ اللہ اکبر کہا اور سلسلہ جاری ہو گیا۔ میں کیا پڑھ رہا ہوں: ثنا پڑھ رہا ہوں، سورۂ فاتحہ پڑھ رہا ہوں، تسبیح پڑھ رہا ہوں، ہمیں اس کا کچھ پتہ نہیں۔ ایک ٹیپ ریکارڈر ہوتی ہے، اس کا سوئچ آن کرنے سے وہ چالو ہو جاتی ہے، حالاں کہ یہ صحیح طریقہ نہیں ہے۔ ہماری نماز میں ایک مصیبت تو یہ ہے۔

نماز میں آنے والے دوسری قسم کے خیالات

دوسرا سوئچ آن ہوتا ہے ٹی وی کا، اب مناظر آتے ہیں، کبھی دکان پر پہنچ گئے، کبھی دوستوں کی مجلس میں پہنچ گئے۔ وہ ساری چیزیں جو کبھی یاد بھی نہیں آتی تھیں، ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ وہ نماز کے انتظار میں تھیں۔

شیطان ہر حال میں انسان کو عبادتِ الٰہی سے روکنے پر کمربستہ ہے

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک آدمی آیا اور عرض کیا کہ میں نے اپنا ایک قیمتی مال کسی جگہ دفن کیا تھا لیکن اب میں جگہ بھول گیا ہوں، بہت ساری جگہیں کھود ڈالیں لیکن نہیں ملا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ دو رکعت نماز پڑھو۔ اس نے نیت باندھی کہ یاد آ گیا کہ فلانی جگہ دفن کیا تھا، اسی وقت نماز توڑ دی اور مال نکالنے کے لیے جانے لگا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اللہ کے بندے دو رکعت تو پوری کر لیتا۔

ہمارا حال یہ ہے کہ جو چیزیں اور اوقات میں یاد نہیں آتیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ساری چیزیں نماز کے انتظار میں تھیں۔

نماز میں خشوع اختیار کرنے والے بامراد ہے

میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ گناہوں کے خیالات تو الگ ہیں، اس کے علاوہ بہت سے جائز کاموں کے خیالات، کاروبار اور دوسرے معاملات کے متعلق نماز میں خیالات آتے ہیں اور آدمی یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ نماز کے دوران اس قسم کے خیالات آئیں، وہ تو یہ چاہتا ہے کہ نماز اس طریقے پر پڑھی جائے کہ پورا دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف رہے اور خشوع حاصل رہے۔ قرآن میں ہے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ کہ وہ ایمان والے جو اپنی نماز کو خشوع سے ادا کرتے ہیں، کامیاب ہیں۔

مسجد تو بنادی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے

خشوع کو خاص اہمیت دی گئی ہے بلکہ نبیٔ کریم ﷺ نے جو پیشین گوئیاں فرمائیں، اس میں ہے کہ سب سے پہلی چیز جو اس امت سے اٹھالی جائے گی، وہ نماز کا خشوع ہوگا۔ پوری مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہے، ایک آدمی بھی ایسا نہیں کہ جس کی نماز میں خشوع ہو۔

بے گنہ نہ گذشت برمن ساعتے

ہمارے یہاں مدرسوں میں فارسی میں ایک کتاب پڑھائی جاتی ہے پند نامہ، شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، اس میں شروع میں ایک مناجات ہے، بڑی بابرکت مناجات ہے، اس میں بڑی تاثیر ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کو موقع بموقع پڑھتے رہنا چاہیے، اس میں ایک شعر یہ بھی ہے:

بے گنہ نہ گذشت برمن ساعتے		باحضورِ دل نہ کردم طاعتے

اے اللہ! میرا تو یہ حال ہے کہ مجھ پر دن اور رات کی کوئی ایسی گھڑی نہیں گذری جس میں مَیں نے گناہ کا ارتکاب نہ کیا ہو اور دل کی حضوری کے ساتھ کبھی میں نے کوئی عبادت نہیں کی۔

ہمارا حال یہی ہے، ایک سجدہ بھی ہم نے آج تک ایسا نہیں کیا، یہ تو اس کا کرم ہے کہ ہماری ٹوٹی پھوٹی، لشتم پشتم نمازیں وہاں قبول ہو جاتی ہے کہ چلو! تمھارا فریضہ ادا ہو گیا۔

من اپنا پرانا پاپی ہے، برسوں میں نمازی بن نہ سکا

آج ہم لوگوں میں سے ہر ایک اپنی اپنی عمر کے مطابق سالہا سال سے نمازیں پڑھ رہا ہے، بہت سے لوگ جو دین دار گھرانے میں پیدا ہوئے، جنھوں نے دین دار ماں باپ کی تربیت پائی، وہ بچپن ہی سے نماز پڑھ رہے ہیں، کوئی پچاس سال سے نماز پڑھ رہا ہے، کوئی ستر سال سے پڑھ رہا ہے، اتنے سالوں سے ہم نماز پڑھ رہے ہیں لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ کل کو قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے ہم سے یہ مطالبہ ہو کہ ایک سجدہ پیش کرو جو تم نے دل کی حضوری کے ساتھ کیا ہو تو شاید ہم ایک سجدہ بھی ایسا پیش نہ کرسکیں۔ بقول علامہ اقبال کے:

وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی		ترستے ہیں آج اس کو منبر ومحراب

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے

حقیقت تو یہ ہے کہ آج امام سے نماز میں کوئی بھول ہوتی ہے تو ایک آدمی کو بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کیا بھول ہوئی ہے! کبھی اٹھنے بیٹھنے میں بھول ہوجاتی ہے، قرأت کے معاملے میں الگ بات ہے لیکن کبھی رکعت کے بارے میں بھول ہوتی ہے نا تو ایسا ہی ہوتا ہے، ایک دو آدمی بولتے ہیں، باقی ایک دوسرے کا منہ تکتے ہیں کہ کیا ہوا؟۔

خضوع کی حقیقت

خشوع نہایت ہی اہم چیز ہے کہ آدمی پوری نماز کے دوران اپنی توجہ اللہ تبارک وتعالی کی طرف رکھے۔ ایک تو ہے خضوع، اس کا معنی ہے نماز میں اپنے اعضاء کو جھکا

دینا یعنی اس انداز سے رکھنا کہ جس انداز سے رکھنے کا شریعت نے ہمیں حکم دیا ہے، ہر ہر رکن میں ہر ہر عضو کو اسی انداز سے رکھنا۔

ہماری نمازیں اور خضوع کا حال

ہمارا حال تو یہ ہے کہ نماز کے لیے نیت باندھی تو ہمارا ہاتھ ہر طرف گھومنا شروع ہوجاتا ہے، کبھی کپڑے ٹھیک کر رہے ہیں۔ نماز کے باہر جب کسی دوسرے کام کے اندر لگے ہوئے ہوں تو کبھی ایک گھنٹے تک ہاتھ کو کانوں پر لے جانے کی نوبت نہیں آئے گی اور نماز کی نیت باندھی نہیں کہ کان پر ہاتھ گیا! کبھی کان کھجا رہے ہیں، کبھی سر کھجا رہے ہیں، کبھی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر رہے ہیں، یہ کوئی طریقہ ہے؟ نماز میں تو ساکت وصامت، پُرسکون رہنا چاہیے کہ نماز کے علاوہ دوسری کسی چیز کی طرف دھیان ہی نہ ہو۔

حالاں کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر نماز کے اندر ایک رکن کے بقدر وقت تک ہاتھ کو کوئی کام انجام دینے کے لیے حرکت دی تو وہ عملِ کثیر ہے، اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے لیکن ہمیں اس کا خیال بھی نہیں۔ اس لیے اعضاء کو اسی طریقے پر رکھنا پڑے گا جو طریقہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتلایا ہے۔

خشوع کی حقیقت

اور نماز کے دوران دل کا دھیان اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی طرف نہ ہو، یہ خشوع ہے۔

یہ خیالات نماز کے خشوع میں خلل ڈالنے والے ہیں؛ اس لیے آدمی کو اس سے

تکلیف ہوتی ہے کہ ایسے خیالات کیوں آئے؟ تو اس سلسلے میں دو چیزیں ہیں: ایک تو ہے ان خیالات کا آنا اور دوسرا ہے اس کی وجہ سے نماز کے خشوع کا ضائع ہونا۔

نماز میں آنے والے غیر اختیاری خیالات کی وجہ سے پریشان نہ ہوں

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ خیالات آپ کی نماز میں آئیں تو اس کی وجہ سے آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جو خیالات از خود آتے ہیں، اس پر ہماری کوئی گرفت نہیں ہے۔ ہمارا مزاج یہ بن گیا کہ ہم اس لیے پریشان ہوتے ہیں کہ یہ آتے ہیں۔

بیچ میں ایک بات جملہ معترضہ کے طور پر بتا دیتا ہوں؛ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے تصوف کے شعبے میں جو تجدیدی کارنامہ انجام دیا ہے، اس میں ایک بات فرماتے ہیں کہ دیکھو! کام دو طرح کے ہیں: ایک تو غیر اختیاری اور ایک اختیاری۔ جو اختیاری کام ہیں، ان کے متعلق شریعت نے جو حکم دیا ہے، آدمی اس کے مطابق عمل کرے، کرنے کے ہیں تو کرلے اور بچنے کے ہیں تو بچ لے اور جو غیر اختیاری ہیں، ان کے پیچھے نہ پڑے۔ جب غیر اختیاری ہی ٹھیرا تو ہم اس کے پیچھے پڑ کر کیا کریں گے؟ وہ ہمارے بس کا تو ہے نہیں۔

انسان کے اختیار میں بس نماز کو اس کے ظاہری احکام کے مطابق ادا کرنا ہے

عام طور پر انسانی مزاج کیا بنا ہوا ہے؟ عام طور پر آدمی کی نفسیات اور مزاج یہ ہے کہ نفس اور شیطان اس کو غیر اختیاری میں لگا دیتے ہیں۔ اب اس کے اختیار میں یہ تھا

کہ وہ نماز کو اس کے فرائض، واجبات، سنن، مستحبات، آداب، سب کی رعایت کرتے ہوئے اور مکروہات - چاہے تحریمی ہوں یا تنزیہی - سے بچتے ہوئے ادا کرتا۔ یہ ہمارے اختیار میں ہے اور نماز کے دوران خیالات کا آنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔

نماز کے بارے میں ایک شیطانی دھوکہ

جس آدمی کو خیالات آتے ہیں، وہ کیا کرتا ہے؟ وہ نماز کو اس طرح ادا نہیں کرتا، جیسا کہ شریعت نے ﴿اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ کے ذریعہ نماز ادا کرنے کا حکم دیا ہے، وہ نماز اس کے مطابق ادا کرنے کی طرف محنت نہیں کرتا۔ اس کو یہ فکر لگا ہوا ہے کہ یہ خیال کیوں آیا؟ یہ بھی شیطان کا ایک دھوکہ ہے کہ ایک ایسی چیز میں لگا دیا جس کا کوئی علاج نہیں ہے، جس کا کوئی حل نہیں ہے، وہ خیالات کو بند نہیں کرسکتا، وہ تو غیر اختیاری چیز ہے۔ وہ یہ فکر نہیں کرتا کہ میں نماز کو اس طریقے کے مطابق ادا کروں جو شریعت نے، فقہاء نے بتلائی ہے، اس کے اوپر تو بس یہ سودا سوار ہے کہ یہ خیالات کیوں آرہے ہیں، جو چیز اختیار میں نہیں تھی، اس کے پیچھے ایسا پڑ گیا اور جو چیز اپنے اختیار میں تھی، اس کو انجام دینے کا فکر کرتا نہیں۔

فلسفہ کا ایک اصول

دیکھو بھائی! جو چیز کرنا اپنے اختیار میں نہ ہو، وہ اپنے اختیار سے دفع بھی نہیں ہو سکتی۔ یہ فلسفہ کا قاعدہ ہے کہ آدمی کا اختیار دونوں پہلوؤں سے لگا ہوا ہوتا ہے۔ جس کام کو آدمی اپنے اختیار سے انجام دے سکتا ہے، اس کام سے اپنے اختیار سے رک بھی سکتا

ہے، جس کام کا کرنا اختیار میں ہے، اس سے بچنا بھی اختیار میں ہوتا ہے اور جس کام کا کرنا اختیار میں نہیں ہے، اس سے بچنا بھی اختیار میں نہیں ہوتا۔ جیسے یہ انگلی میں اپنے اختیار سے ہِلا رہا ہوں اور جب اپنے اختیار سے ہلا رہا ہوں تو میں جب چاہوں، اس کا ہِلانا بند کردوں گا؛ اس لیے کہ یہ اختیاری کام ہے۔

ایک بیماری ہوتی ہے رعشہ، لرزہ۔ بعض لوگوں کو یہ بیماری ہوتی ہے کہ اس کا ہاتھ ہلتا رہتا ہے، انگلی ہلتی رہتی ہے۔ اب ایک بڑے میاں کا ہاتھ ہل رہا ہے، بچہ دیکھ کر کہتا ہے کہ دادا! ہاتھ کاہے کو ہلاتے ہو؟ تو دادا کہیں گے کہ بیٹے! یہ میں نہیں ہلا رہا ہوں، یہ تو خود ہل رہا ہے۔ جب خود ہلتا ہے تو اس کو روکنا اس کے اختیار میں نہیں ہے۔

تو جو کام آدمی اپنے اختیار سے کرسکتا ہے، اس کام سے اپنے آپ کو اپنے اختیار سے روک بھی سکتا ہے لیکن جو کام آدمی اپنے اختیار سے نہیں کرسکتا، اس کام سے اپنے آپ کو اپنے اختیار سے روک بھی نہیں سکتا۔ یہ خیالات ہمارے اپنے اختیار سے نہیں آرہے ہیں، خود آرہے ہیں تو اب ان پر روک بھی نہیں لگا سکتے۔ ایک بات تو یہ ہے۔

دیگر اعضائے جسمانی کی طرح دل ودماغ بھی اپنا کام کرتے رہتے ہیں

دوسری بات وہ ہے جو ہمارے اکابر نے ان وساوس کے سلسلے میں فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارا دل اور دماغ خیالات کی گذرگاہ ہے، دل اور دماغ کا کام ہی ہے سوچنا۔ جیسے آنکھ کا کام دیکھنا ہے، کان کا کام ہے سننا، اب جب کان کھلے ہوئے ہیں تو

وہ تو اپنا کام کریں گے۔ میں نے، آپ نے نماز شروع کی اور کسی نے باہر ٹیپ چالو کر رکھا ہے، اس پر زور سے گانا بج رہا ہے۔ اب ہم نے نماز کی نیت باندھی تو ایسا تو نہیں ہے کہ ہمارے اللہ اکبر کہنے سے کان اپنا کام کرنا چھوڑ دیں گے بلکہ وہ آواز کانوں کے ذریعہ اندر پہنچے گی؛ کیوں کہ کان کا کام سننا ہے اور اس تک آواز پہنچے تو وہ تو لے گا اور اندر پہنچائے گا۔ اب آپ نماز توڑ کر بیٹھ جائیں اور یہ سوچیں کہ وہ یہ کام کیوں کر رہا ہے، نماز کی نیت باندھ لی تو یہ آواز کیوں آ رہی ہے؟ جب تک آواز آتی رہے گی، میں نماز نہیں پڑھوں گا تو ایسی صورت میں تو کبھی نماز ہونے والی نہیں ہے۔ تمھارا کام یہ ہے کہ تم اس آواز سے اپنا دھیان ہٹالو، اپنا دھیان اِدھر اُدھر مت ہونے دو۔

اب یہ دھیان ہٹانے والا کام سمجھ میں نہیں آتا، یہ اصل ہے۔ ہمیں بہت واسطہ پڑتا ہے: کہیں بس میں سفر کر رہے ہیں، وہاں کسی نے ٹیپ چالو کر دیا، کہیں ایسی ہوٹل میں جانا ہوا جہاں گانا بج رہا ہے لیکن الحمدللہ کبھی گانے کی طرف دھیان بھی نہیں جاتا، کیا ہو رہا ہے، ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا! اس مجلس میں بھی الحمدللہ! ایسے بہت سے اللہ کے بندے ہوں گے جو اس چیز کو محسوس کرتے ہوں گے کہ ان کے کان گانے کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے تو آدمی کا دھیان جب اپنے کام میں ہو تو دوسری کسی چیز کا اس کو احساس ہی نہیں ہوتا۔ اب اگر وہ آدمی نماز کے دوران یہ سوچے کہ یہ آواز کیوں آتی ہے۔

ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہی مثال دیتے تھے کہ بھائی! قریب ہی سڑک ہے، جہاں سے گاڑیاں گذر رہی ہیں، ہارن بج رہا ہے، مشین کی آواز آ رہی ہے، پنکھوں کی آواز آ رہی ہے۔ اب نماز شروع ہوا اور کوئی آدمی کہے کہ یہ آوازیں کیوں

آ رہی ہیں؟ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ میں نماز نہیں پڑھوں گا جب تک کہ یہ آوازیں بند نہ ہوں۔ اس کے بند ہونے کا انتظار کرو گے تو تمھاری نماز کبھی ہونے والی نہیں ہے۔

نماز میں خود بخود آنے والے خیالات کی طرف دھیان نہ دیجیے

بس یوں سمجھو کہ دل تو خیالات کی گذرگاہ ہے، اس کے اوپر خیالات آتے ہیں اور جاتے ہیں، وہ تو اپنا کام کرے گا، تم اپنا کام کرو۔ جیسے کان تک آواز آئی، وہ اندر پہنچی، اسی طرح ہوسکتا ہے کہ کوئی خیال نماز کے دوران دل کے اوپر سے گذر جائے تو آپ اس کی طرف دھیان نہ دیجیے، آپ اپنا کام کرتے رہیے۔ اسی لیے صوفیاء اس کا علاج یہی بتاتے ہیں: عدمِ التفات! نماز کے اندر آنے والے ان وساوس کا علاج یہی ہے کہ آدمی ان کی طرف دھیان نہ دے، اپنا کام کرتا رہے۔

خیالات کو دور کرنے کا یہ علاج مقصود بالذات ہے

اب بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم دھیان نہیں دیتے تو بھی آتے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بات عجیب وغریب ارشاد فرمائی کہ یہ عدمِ التفات جو اس کا علاج ہے، وہ مقصود بالغیر نہیں ہے بلکہ مقصود بالذات ہے۔ یہ مقصود بالذات اور مقصود بالغیر والی بات ذرا دقیق ہے۔

ایک مثال سے مقصود بالذات اور مقصود بالغیر کی تفہیم

دیکھو! ایک آدمی کو کوئی بیماری ہے تو اس بیماری کو دور کرنے کے لیے دوا تو کرنی ہی پڑے گی! دوا تو ضروری ہے، اس کے بغیر تو بیماری جائے گی نہیں، اللہ تبارک وتعالی دوا

میں بھی تاثیر ڈالتے ہیں۔اب اس نے اس بیماری کے علاج کے لیے دواخانہ جانا شروع کیا۔ایک دن دوا کھائی، دودن کھائی، تین دن کھائی۔ یہ دوا جو ہے، وہ مقصود تو ہے لیکن مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود بالغیر ہے، دواوہ اس لیے کھا رہا ہے تاکہ بیماری دور ہو۔

اب آٹھ دس روز تک دوا کھائی اور بیماری دور نہیں ہوئی تو وہ کہے گا کہ چلو! دوسرے ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں، اب دوسری دوا چالو کرو، یہ دوا کام نہیں دے رہی ہے۔اس نے یہ دوااس لیے چھوڑی کہ اس نے اس دوا کو مقصود بالغیر سمجھا تھا؛ کیوں کہ یہ دوااس نے بیماری دور کرنے کے لیے شروع کی تھی، جب بیماری دور نہیں ہوئی تو دوا بدل دی۔

جاتے جاتے بے خیالی جائے گی

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان وساوس کا علاج تو یہی ہے کہ دھیان نہ دے لیکن اس عدمِ التفات اور دھیان نہ دینے کو مقصود بالغیر نہ سمجھے بلکہ مقصود بالذات سمجھے کہ یہی میرا کام ہے کہ بس دھیان نہیں دینا ہے، اب چاہے اس کے نتیجے میں یہ وساوس اور خیالات بالکلیہ بند ہوں یا نہ ہوں۔آپ خیالات کی طرف دھیان نہیں دے رہے ہیں پھر بھی مہینہ بلکہ دو چار مہینے ایسے گذریں گے کہ خیالات آتے ہی رہیں گے تو آپ اس دھیان نہ دینے والے علاج کو چھوڑیو مت، یہ مقصود بالغیر نہیں ہے بلکہ مقصود بالذات ہے۔ہمیں شریعت نے یوں کہا کہ اس کی طرف دھیان مت دو تو ہمیں دھیان نہیں دینا ہے۔ ہمارا مقصود تو بس نماز ہے، آپ اس کی طرف دھیان دیجیے۔

تو یہ عدمِ التفات والا علاج مقصود بالذات ہے، چاہے اس کا کوئی اثر اور فائدہ ہمیں نظر آوے یا نہ آوے، ہمیں اس پر عمل کرنا ہے یعنی دھیان نہیں دینا ہے۔ جب یہ سمجھ کر آپ کریں گے تو ان شاء اللہ ایک دن وہ آئے گا کہ ان وساوس اور خیالات سے آپ کو نجات مل جائے گی اور اگر آپ یہ سمجھیں کہ یہ تو مقصود بالغیر ہے تو آپ بتائیے، ایسا دوسرا کون سا علاج ڈھونڈ کر لاتے ہیں، ہے آپ کے پاس اس کا کوئی دوسرا علاج؟

نماز میں خیالات آنے کی وجہ

دوسری بات یہ ہے کہ یہ خیالات آتے کیوں ہیں؟ اس کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ دراصل آدمی جب کسی کام کو انجام دیتا ہے تو اس کام کو انجام دیتے وقت اس آدمی کا نفس اور اس کا دھیان اس کام کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس کام کو انجام دینے کے لیے جتنی توجہ استعمال ہونی چاہیے، اس توجہ کے اندر ایک سے لے کر سو تک پرسنٹیج ہیں۔ اب اس کام کو انجام دینے کے لیے جتنی توجہ مطلوب ہے، آپ پوری استعمال کر لیں، سوفی صد استعمال کریں تو کبھی بھی کوئی دوسرا خیال نہیں آئے گا۔

نماز میں سوفی صد توجہ لگانا خیالات کے سدِّ باب کے لیے ضروری ہے

مثلاً آپ ایک ایسا کام کر رہے ہیں جو آپ کا محبوب ہے، کرکٹ سے آپ کو عشق ہے، جنون ہے اور اس کی خبر آپ اخبار میں پڑھ رہے ہیں تو جس وقت آپ اس کے بارے میں اخبار میں خبر پڑھ رہے ہوں گے تو کسی بھی چیز کو توجہ سے پڑھنے کے لیے جتنے پرسنٹیج مطلوب ہیں آپ پورے یعنی ہنڈرڈ پرسنٹ استعمال کریں گے، اس کا نتیجہ

یہ ہوتا ہے کہ اس خبر کو پڑھنے کے دوران آپ کا دھیان کسی اور چیز کی طرف جائے گا ہی نہیں بلکہ کوئی آپ کے سامنے سے گذرے گا تو اس کی طرف دیکھے بغیر اس کو دھکا مار کر سامنے سے ہٹا دیں گے، اس میں مزا ہی ایسا آ رہا ہے، یہ سوفی صد توجہ دینے کا نتیجہ ہے۔

دیکھو! جب آپ اپنے کسی دوست سے بات کر رہے ہوں تو اس وقت آپ کو کوئی دوسرا خیال آتا ہے؟ آپ کا پورا دھیان آپ کے دوست کی طرف ہوتا ہے، اس وقت کوئی وسوسہ اور خیال نہیں آتا؛ کیوں کہ اس وقت آپ کی سوفی صد توجہ آپ کے دوست کی طرف ہے۔

ہمارے اکابر کو نماز میں، قرآن کی تلاوت میں جو مزے آتے تھے، جنت کے مناظر میں پہنچ جاتے تھے، ظاہر ہے، ان کو دوسرا خیال کہاں سے آئے گا، ان کو تو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ اطراف و جوانب میں کیا ہو رہا ہے۔

یعنی وہ صاحبِ اوصاف حجازی نہ رہے

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا واقعہ آپ نے فضائلِ نماز میں پڑھا ہوگا یا سنا ہوگا کہ ایک مرتبہ آپ نماز پڑھ رہے تھے، آپ کا ایک بچہ ہاشم نامی تھا، ایک سانپ گرا اور گھر میں ایک دھمال ہوگئی۔ آپ نے نماز کا سلام پھیرا تو گھر والی نے کہا کہ اتنا بڑا سانپ گرا تھا اور آپ تو اطمینان سے اپنی نماز پڑھتے رہے تو فرمایا کہ مجھے تو پتہ بھی نہیں چلا۔ گھر والی نے کہا کہ آپ کو پتہ بھی نہیں چلا اور یہاں تو بچے کی جان کا مسئلہ ہوگیا تھا! تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کی بندی! نماز کے اندر بھی اس طرف دھیان جائے تو وہ نماز ہی

کیا ہوگی①!!۔

کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

اصل تو یہی ہے کہ ہر کام کو انجام دینے کے لیے توجہ کی جو مقدار مطلوب ہوتی ہے، وہ پوری مقدار استعمال کریں تو اب دوسری طرف توجہ نہیں جائے گی۔ یہ خیال اسی لیے آتے ہیں کہ ہم پوری توجہ کا استعمال نہیں کرتے۔ اب نماز پڑھنے کے لیے، قرآن شریف کی تلاوت کے لیے جتنی توجہ درکار ہے، وہ دیتے نہیں۔ اخبار پڑھنے میں پوری توجہ کا استعمال کرتے ہیں لیکن آپ قرآن پڑھنے کے لیے بیٹھیں گے تو آپ اپنی توجہ کو ہنڈرڈ پرسنٹ (100%) استعمال نہیں کریں گے؛ کیوں کہ رغبت نہیں ہے، شوق نہیں ہے، دل میں اس کی طلب نہیں ہے تو شوق میں کمی کی وجہ سے توجہ اور دھیان میں بھی کمی ہوجائے گی تو باقی جو توجہ بچ گئی وہ دوسرے کاموں میں استعمال ہوگی۔

جیسے نل کے اندر سوراخ ہوجائے، اب پانی آئے گا تو کچھ تو نل کے راستے سے برتن میں آئے گا اور کچھ اس سوراخ کے راستے سے باہر جائے گا۔

نماز میں آنے والے خیالات کو دفع کرنے کا علاج

اب اس کا علاج کیا ہے؟ تو اس کا علاج یہی ہے کہ آپ کی توجہ مکمل طور پر نماز کی طرف ہو، اس کے لیے محنت کریں، تدبیریں اختیار کریں۔ نماز میں جو خیالات اور وساوس آتے ہیں، ان کا علاج یہی ہے کہ ہم اپنی نمازوں کے لیے اتنی محنتیں کریں، اتنا

① سير أعلام النبلاء، ۳/ ۳۷۰، تحت سير عبد الله بن الزبير بن العوام الأسدي رضي الله تعالى عنه.

مجاہدہ کریں کہ ہمارا جی نماز میں لگنے والا بن جائے۔ نماز ہمیں ایسی پیاری ہو جائے کہ ہماری پوری توجہ نماز کے اندر لگ جاوے۔ یہ ہے اصل علاج جو آج تک ہم نے کبھی نہیں کیا۔ نماز کو ایک بوجھ سمجھ کر اتار دیتے ہیں، اس پر محنت کرنے کی ضرورت ہے۔

اب اس پر محنت کرنے کے لیے شریعت نے ہمیں بہت ساری تدبیریں بتائی ہیں، اگر ان تدبیروں کو اختیار کریں گے تو ان شاء اللہ نماز کے اندر بھی اس طرح کی توجہ ہوگی اور پھر وساوس اور خیالات آنے کی شکایت باقی نہیں رہے گی۔

شریعت نے نماز کے لیے کچھ تمہیدات بتائی ہیں، جیسے دونوں قسم کی طہارت حاصل کرنے کا حکم ہے، کچھ اور تمہیدات اور تدبیرات بھی ہیں، ان ساری تمہیدات اور تدبیرات کو شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہمیں اختیار کرنا ہے تو ہماری نماز کے اندر جان پڑے گی اور وساوس وغیرہ سے حفاظت ہوگی۔ ان شاء اللہ کل اس سلسلے میں آپ کو مزید باتیں بتائیں گے۔

شیطانی وساوس کی حقیقت
اور ان سے بچنے کے نبوی طریقے (۴)
(نماز میں آنے والے وساوس کا علاج)

اقتباس

ایک آدمی نماز پڑھنے کے لیے ایک بزرگ کے پاس آیا اور اس نے نماز ادا کی، غالباً حضرت حاجی امداد اللہ مہاجرِ مکی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے، اس نے کہا کہ مجھے خواب میں بتایا جائے کہ میری نماز کا کیا حال ہے۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک بڑی حسین وجمیل عورت ہے لیکن ہے اندھی! اس نے اپنا یہ خواب ان بزرگ کو سنایا تو انھوں نے پوچھا کہ تم آنکھیں بند کر کے نماز پڑھتے ہو؟ اس نے کہا کہ ہاں! تو حضرت نے فرمایا کہ اسی وجہ سے وہ عورت اندھی دکھائی گئی۔

حالاں کہ آنکھیں کھلی رکھنا اور ان کو نماز کے دوران مختلف جگہوں پر رکھنا تو آداب میں سے ہے تو اس ادب کے چھوڑنے پر خواب کے ذریعہ اس کو تنبیہ کی گئی کہ ایک ادب کو چھوڑنے کی وجہ سے آپ کو کتنا نقصان ہو رہا ہے۔ اگر کسی آدمی کو آنکھیں بند کیے بغیر نماز میں توجہ حاصل نہ ہوتی ہو تو فقہاء نے اس کو اجازت دی ہے، یہ اپنی جگہ پر ایک مسئلہ رہا؛ لیکن میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ نماز کے ایک ایک ادب کی کتنی اہمیت ہے اور کتنا قیمتی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدُ لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيدالأنبياءِ والمرسلين، سيدنا ونبينا وحبيبنا وشفيعنا محمد واٰله وأصحابه أجمعين.

ہر کام میں درکار ہے محنت ومشقت

نمازوں میں آنے والے وساوس اور خیالات کے بارے میں بات چل رہی تھی۔ اس سلسلے میں ہمیں محنت اور مشق کرنے کی ضرورت ہے۔ کوئی بھی چیز بغیر محنت اور مشق کے حاصل نہیں ہوتی۔ آپ کسی کو دیکھتے ہیں کہ بڑا عمدہ قسم کا قاری ہے، آپ اس سے پوچھیے کہ آپ اتنا عمدہ قرآن پڑھتے ہیں تو آپ نے اس کے لیے کتنی محنت کی، کتنی مشق کی؟ کسی بھی چیز میں اگر آپ کسی کو ماہر اور مشّاق پا رہے ہیں تو وہ چیز اسے ایسے ہی حاصل نہیں ہوئی، کوئی بھی کمال بغیر محنت ومشقت کے حاصل نہیں ہوتا۔

آسمان کی بلندی کو چھونا چاہتا تو ہے ہر ایک

نماز کے بارے میں ہم چاہتے ہیں کہ اس میں خشوع اور خضوع پیدا ہو تو اس کے لیے ہمیں محنت کرنی پڑے گی، اس کے لیے مشق کرنی پڑے گی۔ جب تک محنت، مجاہدہ، مشق نہیں کریں گے، وہاں تک یہ چیز حاصل نہیں ہوگی۔ وقت آنے پر ہم یہ تو کہہ دیتے ہیں کہ نماز میں ہمارا جی نہیں لگتا، خشوع حاصل نہیں ہوتا، وساوس اور خیالات آتے رہتے ہیں لیکن اس کے لیے تدبیریں اختیار کرنا اور اس سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے محنت کرنا، مشقت اٹھانا، اس کے لیے ہم تیار نہیں۔

ہمارے عزم اور طلب کا حال

جیسے آج کل وساوس اور خیالات کا تذکرہ چل رہا ہے تو ہر ایک یہ سوچے گا کہ میں بغیر وساوس اور خیالات کے خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز ادا کروں۔ یہ خیال آیا، بس دو چار دن رہے گا پھر اپنے پرانے مشغلوں میں ایسے مشغول ہو جائیں گے کہ پھر کبھی ہمیں اس کا خیال بھی نہیں آئے گا۔

میں مثال کے طور پر کہا کرتا ہوں کہ بھائی! ایک آدمی نے یہ سوچا کہ نماز کا جو طریقہ بتایا گیا، اس کے مطابق نماز پڑھوں۔ چنانچہ وہ بہت اہتمام کے ساتھ، بڑے بہترین طریقے سے وضو کر کے آیا اور جی لگا کر کے تحریمہ کہا، نماز شروع کی، سورۂ فاتحہ کی دو آیتیں پڑھیں، وہاں تک تو جی لگا ہوا تھا اور اس کے بعد جو خیالات شروع ہوئے اور گاڑی پٹری سے اتر گئی اور اس کو اس کا بھی احساس نہیں کہ میری گاڑی پٹری سے اتر گئی ہے، سلام پھیرا، پھر بھی یاد نہیں، آٹھ دس دنوں کے بعد یاد آیا کہ میں نے کیا عزم کیا تھا، یہ ہماری طلب کا اظہار ہے!!۔

افعالِ نماز کی تفصیل

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس کے لیے محنت کی ضرورت ہے، ہمیں نماز کا جو طریقہ بتلایا گیا، اس کو کما حقہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ نماز کے متعلق آپ کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ کچھ شرائط اور ارکان ہیں جو فرائض کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ وہ فرض اور ضروری چیزیں جو نماز کے اندر نہیں، باہر ہیں، جیسے: جسم کی پاکی، کپڑوں کی

پاکی، جگہ کی پاکی۔ ان سب فرائض کو فقہاء کی اصطلاح میں شرائط کہتے ہیں اور وہ فرائض جن کا تعلق نماز کے اندر سے ہے، جیسے: قیام ہے، قرأت ہے، رکوع ہے، سجود ہے، فقہاء ان کو ارکان سے تعبیر کرتے ہیں۔

اردو کی کتابوں میں کبھی لفظِ فرائض کے ذریعہ دونوں کو بیان کر دیتے ہیں اور عربی کی کتابوں میں جب ہم پڑھتے ہیں تو پہلے شرائط بیان کرتے ہیں پھر ارکان بیان کرتے ہیں۔ چیز ایک ہی ہے، ان کو کرنا ضروری ہے، اگر یہ نہیں ہوں گے تو نماز نہیں ہوگی۔ اب جس کو کرنا ضروری ہے، اگر وہ نماز کے اندر کی ہے تو اس کو رکن کہتے ہیں اور نماز کے باہر کی ہے تو اس کو شرط کہتے ہیں۔

نماز کے فرائض اور واجبات میں فرق

دوسرے واجبات ہیں۔ فرائض کا حال تو یہ ہے کہ اگر وہ نہ ہوں تو نماز ہی نہیں ہوگی اور واجبات کا حال تو یہ ہے کہ اگر وہ بھول سے چھوٹ جاویں تو سجدۂ سہو کے ذریعہ اس کی تلافی ہو جائے گی اور جان بوجھ کر چھوڑا ہے تو سجدۂ سہو سے کام نہیں چلے گا، آپ کو نماز لوٹانا پڑے گا۔

نماز سے متعلق کچھ اور امور کی تفصیل

سنن ہیں، ان کا حال یہ ہے کہ اس کے چھوٹنے سے نماز تو فاسد نہیں ہوتی لیکن نماز کے اندر نُقص آجاتا ہے، کمی آجاتی ہے، نماز کا جو نور ہے، وہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد آداب ہیں، مستحبات ہیں۔

اسی طرح سے کچھ بچنے کی چیزیں ہیں جن میں سے کچھ نماز کو توڑنے والی ہیں جن کو مُفسِدات کہتے ہیں اور بعض وہ ہیں جن سے نماز تو نہیں ٹوٹتی لیکن اس کی وجہ سے کچھ نقص اور کمی آجاتی ہے جن کو مکروہات کہا جاتا ہے، پھر اس میں بھی کچھ اعلیٰ درجے کے خطرناک ہیں، ان کو مکروہِ تحریمی کہتے ہیں، کچھ ذرا کم درجے کے ہیں، ان کو مکروہِ تنزیہی کہتے ہیں۔ ہر کتاب میں جب بھی کوئی آدمی نماز سیکھے گا تو یہ ساری تفصیلات اس میں پڑھے گا۔ ہمارا حال یہ ہے کہ جب سنتے ہیں کہ یہ چیز سنت ہے تو سمجھتے ہیں کہ سنت ہی ہے نا!، کوئی حرج نہیں ہے، نو پرابلم! اس سے نماز تو فاسد نہیں ہوتی۔ سنت سن کے ہم اپنے دماغ میں یہی بات بٹھا لیتے ہیں۔ جب سنت کی ایسی ناقدری ہمارے دل ودماغ میں ہوگی تو ہم کیا دین سیکھیں گے؟ یہ ٹھیک طریقہ نہیں ہے۔

بردلِ سالک ہزاراں غم بود

وہ حضرات تو وہ تھے کہ ایک ادب کو چھوڑنا بھی انھیں گوارا نہیں تھا۔

بردلِ سالک ہزاراں غم بود		گر زباغِ دل خلالے کم بود

یعنی ایک باغ ہوتا ہے جس میں درخت، پودے وغیرہ بہت کچھ ہے لیکن ایک سالک یعنی اللہ کا راستہ چلنے والا، اس کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل کے باغ میں سے ایک تنکا بھی چلا جاوے تو اس کے اوپر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے، اس کو یہ بھی گوارا نہیں ہوتا اور ہمارا حال تو یہ ہے کہ سنتیں جا رہی ہیں تو کہتے ہیں کہ سنت ہی ہے نا، فرض تو نہیں ہے، نماز تو ہوگئی نا! ہمارا فریضہ تو ساقط ہوگیا۔ یہ ہمارا حال ہے! حالاں کہ اسلاف کے یہاں

تو آداب کا بھی اتنا زیادہ اہتمام تھا تو سنت کتنی قیمتی ہے، آپ اندازہ لگاؤ!۔

نماز میں آنکھیں بند رکھنے کا نقصان: ایک واقعہ

ایک آدمی نماز پڑھنے کے لیے ایک بزرگ کے پاس آیا اور اس نے نماز ادا کی، غالباً حضرت حاجی امداد اللہ مہاجرِ مکی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے، اس نے کہا کہ مجھے خواب میں بتایا جائے کہ میری نماز کا کیا حال ہے۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک بڑی حسین وجمیل عورت ہے لیکن ہے اندھی! اس نے اپنا یہ خواب ان بزرگ کو سنایا تو انھوں نے پوچھا کہ تم آنکھیں بند کرکے نماز پڑھتے ہو؟ اس نے کہا کہ ہاں! تو حضرت نے فرمایا کہ اسی وجہ سے وہ عورت اندھی دکھائی گئی۔

حالاں کہ آنکھیں کھلی رکھنا اور ان کو نماز کے دوران مختلف جگہوں پر رکھنا تو آداب میں سے ہے تو اس ادب کے چھوڑنے پر خواب کے ذریعہ اس کو تنبیہ کی گئی کہ ایک ادب کو چھوڑنے کی وجہ سے آپ کو کتنا نقصان ہو رہا ہے۔ اگر کسی آدمی کو آنکھیں بند کیے بغیر نماز میں توجہ حاصل نہ ہوتی ہو تو فقہاء نے اس کو اجازت دی ہے، یہ اپنی جگہ پر ایک مسئلہ رہا لیکن میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ نماز کے ایک ایک ادب کی کتنی اہمیت ہے اور کتنا قیمتی ہے۔

نماز کا طریقہ بیان کرنے کے سلسلے میں فقہاء کا اہتمام

بہر حال! فقہاء فرائض، واجبات، سنن، آداب، ان ساری تفصیلات کو بیان کرنے کے بعد ''باب صفة الصلاۃ'' کے عنوان سے ایک الگ باب قائم کرکے نماز

پڑھنے کا طریقہ شروع سے لے کر اخیر تک تسلسل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم یہ ساری باتیں بچپن سے پڑھتے چلے آتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہماری نمازوں میں ان چیزوں کو کرنے اور انجام دینے کی طرف سنجیدہ نہیں ہوتے بلکہ ہم نے بچپن میں جس طرح نماز سیکھی اور اس وقت سے پڑھتے چلے آئے، وہی چلی آرہی ہے۔

نماز کو صحیح بنانے کی طرف سے ہماری مجرمانہ غفلت

حالاں کہ اس کے بعد ہم نے ''نورالایضاح'' پڑھی، 'قدوری' پڑھی، ''کنز'' پڑھی، ''شرحِ وقایہ'' پڑھی، ''ہدایہ'' پڑھی، ساری کتابیں پڑھ ڈالیں، یہ کتابیں اپنے اپنے وقت پر ہر سال نصاب کا ایک جزء ہونے کی حیثیت سے پڑھتے رہے لیکن کبھی اپنی نمازوں کا موازنہ اس کے ساتھ نہیں کیا کہ میں جو نورالایضاح میں پڑھ رہا ہوں، میں جو نماز پڑھ رہا ہوں، کیا وہ بھی ایسی ہی ہے؟ آج تک ہم نے یہ کام کیا ہی نہیں، اس سے بڑی غفلت اور کیا ہوسکتی ہے!۔ نماز تو ایسی چیز ہے کہ آدمی برابر اس کی اصلاح کے پیچھے پڑا رہے تو کچھ بنتی ہے۔

جب آدمی کوئی مکان تعمیر کرتا ہے اور اس کو استعمال کرتا ہے تو دو سال کے بعد استعمال کے نتیجے میں اس میں نقص آجاتا ہے، اس میں مینٹنیس کرتا ہے، اس میں رنگ روغن کراتا ہے، مرمت کراتا ہے تو ان اعمال کے اندر بھی مینٹنیس کی ضرورت ہے یعنی ہم اس کا جائزہ لیتے رہیں۔

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عبرت انگیز مقولہ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم نے اپنے والد بزرگوار حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ نقل کیا ہے کہ قرآن، حدیث اور فقہ پڑھاتے پڑھاتے اور فتوی دیتے دیتے ساٹھ سال گذر گئے، اس کے باوجود نماز کے دوران کبھی کوئی ایسی صورت پیش آتی ہے کہ اس کا کیا حکم ہے، اس کے لیے سلام پھیرنے کے بعد فقہ کی کتابیں کھول کر بیٹھنا پڑتا ہے، ڈھونڈنا پڑتا ہے! نماز کے مسائل میں!! دوسرے مسائل کی بات نہیں ہے۔

ایک مفتیٔ اعظم یہ کہہ رہا ہے۔ ہم روزانہ فتوی دیتے ہیں لیکن اس کے باوجود نماز میں کبھی ایسی صورت پیش آتی ہے کہ ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ اس کا حکم کیا ہے! نماز کے بعد کتابیں کھول کر اس کا حکم معلوم کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

نماز کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ ہمیں چاہیے تو یہ تھا کہ کتاب کی ان معلومات کے ساتھ موازنہ کرتے اور بار بار کرتے۔

حضراتِ صحابہ اور لوگوں کو صحیح نماز سکھانے کا اہتمام

حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات کا آپ مطالعہ کریں، چاہے بخاری ہو یا کوئی اور کتاب، آپ کو موقع بہ موقع یہ چیز ملے گی۔ یہ حضرات باقاعدہ لوگوں کو وضو کر کے اور نماز پڑھ کر کے بتلاتے تھے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو اس طرح ہوتا تھا اور نماز اس طرح ہوتی تھی۔

ثریّا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

ہماری سوچ اتنی پست ہوگئی ہے کہ شریعت کے ان احکام کے متعلق ہم یہ کہتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ تو بچوں کا کام ہے، گویا ہم اس کو اپنی شان سے -نعوذباللہ- کمتر سمجھتے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ ذلت بھگت رہے ہیں۔

درمیان میں بات آگئی تو بتادیتا ہوں کہ ایک آدمی فارغ ہوکر کے کسی جگہ مکتب میں پڑھاتا ہے، اب کوئی اس سے پوچھتا ہے کہ کیا پڑھاتے ہو؟ تو جواب دیتا ہے کہ بیضاوی کا متن پڑھا رہا ہوں -نعوذباللہ- گویا قرآن بولنے میں بھی اس کو شرم محسوس ہوتی ہے۔ جو آدمی قرآن کی خدمت کے ساتھ اپنے ذہن میں یہ نظریہ لیے ہوئے ہو، اس کو کیا اجر ملے گا اور کیا قرب حاصل ہوگا؟ کچھ بھی نہیں!۔ ہمیں اپنی سوچ کو بدلنے کی ضرورت ہے۔

تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے؟

حضرت مولانا یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت جی ثانی فرمایا کرتے تھے کہ یہ التحیات، ثنا، درود وغیرہ ساری چیزیں باقاعدہ بڑے اہتمام سے مل کر کے سیکھو اور سکھاؤ، بڑے بڑے علماء اس میں حصہ لیں۔

حضرت مولانا ابرارالحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دیکھا کہ قرآن کی تصحیح کا اتنا اہتمام کراتے تھے کہ اگر شیوخ الحدیث بھی آتے تھے تو ان کو بھی اس کے لیے بٹھا دیتے تھے۔

ایک قانونِ قدرت

اللہ تعالی کا ایک قانون ہے کہ جو چیز جتنی زیادہ ضرورت کی ہوتی ہے، اللہ تعالی اس کو اتنا ہی عام کر دیتے ہیں، جیسے ہوا ہے کہ عام ہے۔اب اس کے عام ہونے کی وجہ سے لوگ اس کی قدر کرتے نہیں ہیں لیکن جب نہیں ہوگی تب پتہ چلے گا کہ یہ کتنی اہم تھی! تو نماز کی بھی بڑی اہمیت ہے، ہم اور آپ جانتے ہیں کہ اسلام میں نماز کا کیا درجہ ہے؛ اس لیے نماز کے متعلق ہمیں بہت زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت ہے، اگر اب تک نہیں کی ہے تو میری یہ بات سننے کے بعد اپنے دل میں بٹھائیے اور اپنی نمازوں کو ٹھیک کرنے کی محنت کیجیے۔

نماز کے فرائض، واجبات، سنن، مستحبات، ان ساری چیزوں کو یاد بھی رکھیں اور یاد ہو تو اور بھی زیادہ پختہ کریں۔نماز کا جو طریقہ کتابوں کے اندر بتایا گیا ہے، اس کے ساتھ اپنی نمازوں کا موازنہ کریں۔

امت پر فقہاء کا احسان

فقہاء ایک ایک چیز پر کلام کرتے ہیں: آپ رکوع میں جائیں گے تو گھٹنوں پر کس طرح ہاتھ رکھیں گے، انگلیاں کس طرح ہوں گی، آپ کی نگاہ کہاں ہونی چاہیے۔اللہ ان کو جزائے خیر دے! ایک ایک چیز کو ایسے عجیب وغریب انداز میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ہم اور آپ اس کا تصور نہیں کر سکتے۔یہ کوئی کھیل تماشا اور فضول ولایعنی باتیں نہیں ہیں بلکہ انھوں نے ہماری نمازوں کو ٹھیک کرنے کے لیے بڑا اہتمام کیا ہے تو

ہمیں بھی اس چیز کو قدر کی نگاہ سے دیکھ کر اور خوب غور سے پڑھ کر اپنی نمازوں کو اس کے مطابق بنانے کی ضرورت ہے۔

نماز کا ڈھانچہ اور اس کی روح

ایک تو ہے نماز کا ڈھانچہ جس کو انگریزی میں اسٹرکچر کہتے ہیں اور ایک ہے نماز کی روح۔ نماز کے فرائض، واجبات، سنن، مستحبات تو اس کا ڈھانچہ ہے اور اس کی روح ہے خشوع۔ خشوع نماز کی روح ہے۔ جب تک کہ نماز کا مکمل ڈھانچہ پہلے حاصل نہیں ہوگا، اس وقت تک اس میں روح نہیں ڈالی جائے گی، روح تو بعد میں ڈالی جاتی ہے۔

ڈھانچہ مکمل تیار ہوئے بغیر کسی بھی چیز میں جان نہیں پڑتی

ایک آدمی فیکٹری لگانا چاہتا ہے۔ اس کے لیے اس نے جرمنی، جاپان سے مشینری منگائی اور اس کو فِٹ کرنے کے لیے وہیں سے بڑے بڑے ماہرین آئے، انھوں نے وہ مشینری اس مکان میں لگائی جہاں وہ فیکٹری لگانا چاہتا تھا۔ مشینری لگانے کے بعد انھوں نے پاور چھوڑا، پاور تو چھوڑا لیکن مشینری چلتی نہیں تو انجنیئر کہیں گے کہ اس کی فٹنگ میں کہیں نقص اور گڑبڑ ہے۔ اب وہ اس کو تلاش کریں گے، تلاش کرتے کرتے پتہ چلا کہ فلانا اسکرو جس طرح لگانا چاہیے تھا، اس طرح نہیں لگا۔ اتنے بڑے مکان میں اتنی بڑی مشینری لگی ہوئی ہے، اس مشینری میں ایک چھوٹا سا اسکرو لگانے میں تھوڑی سی گڑبڑ ہوگئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بجلی چالو کرنے کے بعد بھی وہ مشین چل نہیں رہی ہے، اس میں جان نہیں آرہی ہے۔

اسی طرح سے جب تک ہم اپنی نماز کے ڈھانچے کو مکمل طور پر صحیح نہیں کریں گے، تمام فرائض، تمام واجبات، تمام سنن، تمام مستحبات، آداب کو ادا کرنے کا اور تمام مفسدات اور مکروہات سے بچنے کا اہتمام نہیں کریں گے، وہاں تک نماز کے اندر خشوع آنے والا نہیں ہے، ایک چیز بھی چھوٹ گئی تو روح پیدا نہیں ہوگی۔

نماز کے خشوع میں اس کی تمہیدات کی تاثیر

ارے نماز تو کیا! نماز کے جو مقدمات ہیں، ان کے اندر بھی اگر ہم نے کوتاہی کی تو خشوع نہیں آئے گا۔ اس لیے خشوع لانے کے لیے نماز کی تمہیدات اور مقدمات کو بھی بڑے اہتمام سے انجام دینے کی ضرورت ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ آپریشن ہوتا ہے تو جب بیمار کو آپریشن تھیٹر میں لے جاتے ہیں تو آپریشن تو بعد میں کیا جائے گا لیکن آپریشن سے پہلے کچھ کاروائی کی جاتی ہے۔ کتنے اہتمام کے ساتھ ڈاکٹر لوگ وہ کاروائی پوری کرتے ہیں؟ یہ کاروائی تمہید اور مقدمہ ہے، اس کو انجام دینے کے بعد آپریشن چالو ہوتا ہے، اسی طرح نماز سے پہلے ہمیں کچھ مقدمات بتلائے گئے۔

نماز کا سب سے پہلا مقدمہ: طہارت

نماز کا سب سے پہلا مقدمہ ہے طہارت۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طُهُورٍ[۱] کہ: بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں ہوتی، مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ

---

[۱] صحیح مسلم، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ تعالی عنہما، بَابُ وُجُوبِ الطَّهَارَةِ لِلصَّلَاةِ.

الطُّهُورُ[۱]: نماز کی چابی طہارت ہے۔ایک اور حدیث میں ہے: الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ[۲] کہ: طہارت آدھا ایمان ہے۔

طہارت کا پہلا مرحلہ: استبراء اور استنجاء

طہارت دو قسم کی ہے: ایک تو طہارتِ ظاہری ہے یعنی پیشاب پاخانہ وغیرہ نجاستِ ظاہریہ سے اپنے آپ کو پاک کرنا اور ایک ہے نجاستِ حکمیہ یعنی جنابت اور حدث سے اپنے آپ کو پاک کرنا۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اس پہلے ہی مرحلے میں ناکام ہیں۔ چنانچہ آپ نے نورالایضاح وغیرہ میں پڑھا ہوگا کہ ایک آدمی پیشاب کر رہا ہے تو پیشاب کے بعد استنجاء کا مرحلہ ہے لیکن وہاں کتابوں میں یہ صراحت بھی کی گئی ہے کہ جب تک ''استبراء'' نہ ہو، وہاں تک استنجاء جائز نہیں۔

استبراء کا مطلب اور اس کا حکم

استبراء کا مطلب یہ ہے کہ ہماری شرم گاہ سے پیشاب نکل رہی ہے تو پیشاب کے نکلنے کا سلسلہ مکمل طور پر بند ہو اور جب تک کہ آپ کو اطمینان نہ ہو جائے کہ اب پیشاب نکلے گی نہیں، وہاں تک استنجاء نہیں کرنا ہے۔

پھر استنجاء کے اندر تو یہ تفصیل بھی ہے کہ نجاست اگر مخرج کے اندر ہی ہے تو استنجاء سنتِ مؤکدہ ہے اور اگر مخرج سے تجاوز کی ہوئی ہے اور قدرِ درہم سے کم ہے یا زیادہ

---

[۱] سنن الترمذي، عَنْ عَلِيٍّ بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ مِفْتَاحَ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ.

[۲] صحيح مسلم، عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ ؓ، بَابُ فَضْلِ الْوُضُوءِ.

ہے تو بعض صورت میں واجب اور بعض صورت میں فرض ہے [۱] لیکن استبراء کے لیے تو صاف طور پر لکھا ہے کہ وہ واجب ہے [۲]، جب تک کہ آپ کو یہ یقین نہ ہو جائے کہ پیشاب کے نکلنے کا سلسلہ مکمل طور پر منقطع ہوا، وہاں تک آپ کے لیے پانی یا ڈھیلہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔

استبراء کے سلسلے میں ہمارے بڑوں کا اہتمام اور ہماری کوتاہی

ہم نے بچپن میں اپنے بڑوں کو دیکھا کہ وہ ڈھیلہ استعمال کرنے کا بڑا اہتمام کرتے تھے، ڈھیلہ لیے ہوئے اِدھر چکر لگا رہے ہیں، اُدھر چکر لگا رہے ہیں؛ تا کہ استبراء ہو جائے، حالاں کہ ان کے قُوی بڑے مضبوط تھے اور آج جب کہ ہمارے قُوی بالکل ختم ہو چکے ہیں، پھر بھی ان چیزوں کا اہتمام نہیں۔

ہمارا حال کیا ہے؟ پیشاب کا شدید تقاضا لگا ہوا ہے اور نماز کا وقت ہو رہا ہے، پھر بھی اس کے لیے کوئی تیاری نہیں ہے، اذان کی آواز سنی پھر بھی کہتے ہیں کہ ابھی تو دیر ہے، اذان تو آدھا گھنٹہ پہلے ہوئی ہے، پانچ دس منٹ پہلے بھاگے ہوئے جائیں گے،

---

(۱) یلزم الرجل الاستبراء حتی یزول أثر البول ویطمئن قلبه علی حسب عادته إما بالمشي أو التنحنح أو الاضطجاع أو غیره ولا یجوز له الشروع في الوضوء حتی یطمئن بزوال رشح ا لبول. والا ستنجاء سنة من نجس یخرج من السبیلین ما لم یتجاوز المخرج وإن تجاوز وکان قدر الدرهم وجب إزالته بالماء وإن زاد علی الدرهم افترض (نورالإیضاح)

(۲) یَجِبُ الِاسْتِبْرَاءُ بِمَشْيٍ أَوْ تَنَحْنُحٍ أَوْ نَوْمٍ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْسَرِ، وَيَخْتَلِفُ بِطِبَاعِ النَّاسِ.(قَوْلُهُ: يَجِبُ الِاسْتِبْرَاءُ إلَخْ) هُوَ طَلَبُ الْبَرَاءَةِ مِنْ الْخَارِجِ بِشَيْءٍ مِمَّا ذَكَرَهُ الشَّارِحُ حَتَّى يَسْتَيْقِنَ بِزَوَالِ الْأَثَرِ.

(رد المحتار علی الدر المختار، ج۱ص۳٤٤)

پیشاب کا تقاضا تو تھا ہی، وہاں بیت الخلاء میں استنجاء کرنے کے لیے گئے، جلدی جلدی پیشاب کی، ابھی استبراء ہوا نہیں اور استنجاء کر کے نکل آئے، جب استبراء ہی نہیں ہوا تو استنجاء کہاں معتبر ہوگا؟۔

نماز میں آنے والے وساوس کا ایک سبب

اور گندگی کی یہ خاصیت ہے کہ شیطان اس کو بہت پسند کرتا ہے، اس کو تو مزا آ گیا، تو اب اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی وجہ سے وساوس پیدا ہوں گے۔ یہ جو وسوسے آتے ہیں، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ پیشاب کے قطروں سے بچو؛ کیوں کہ اس طرح کے وسوسے اسی کی وجہ سے آتے ہیں[①]۔ پہلے مرحلے ہی میں ہم ناکام ہوئے؛ اس لیے بہت اہتمام کرنے کی ضرورت ہے۔ استنجاء کوئی ایسی چیز نہیں کہ بھاگا دوڑی میں کی جائے۔

مقامِ نجاست کی صفائی کے لیے اس کے مناسب پانی کا لوٹا ہونا چاہیے

استنجاء میں پانی وغیرہ کا جو استعمال ہوتا ہے، اس میں احتیاط ہونی چاہیے۔ جہاں سے نجاستیں دور کرنی ہیں، وہاں تک پانی اچھی طرح پہنچے، اس کی تدبیریں اختیار کرنی چاہییں۔ بعض جگہوں کا حال یہ ہے کہ بیت الخلاء میں ایک بالٹی پانی کی بھری ہوئی رکھی ہے اور اس میں سے پانی نکالنے کے لیے ایسا لوٹا ہے جس میں ٹوٹی نہیں ہے، اس

---

① لَايَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي مُسْتَحَمِّهِ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ قَالَ أَحْمَدُ: ثُمَّ يَتَوَضَّأُ فِيهِ فَإِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ. (سنن ابی داود، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رض بَابٌ فِي الْبَوْلِ فِي الْمُسْتَحَمِّ.)

سے نجاست کے مقام تک پانی نہیں پہنچ سکتا، اس میں تو پانی لے کر وہاں پھینکنا پڑے گا، اصل تو ٹوٹی والا لوٹا ہے، اس سے آپ جہاں تک پانی پہنچانا چاہتے ہیں، وہاں تک آسانی سے پہنچ جائے گا اور بعض جگہ تو پانی نکالنے کے لیے لوٹا بھی نہیں ہوتا، مہاراشٹر وغیرہ کے علاقوں کے اندر بالٹی رکھی ہوئی ہوتی ہے، اس سے استنجاء کیسے کر سکتے ہیں!۔

ہمارے پیر صاحب، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے حضرت مولانا طلحہ صاحب دامت برکاتہم کو دیکھا کہ جب وہ کہیں سفر میں جاتے ہیں تو لوٹا اپنے ساتھ رکھتے ہیں، خادم کو بھی نہیں دیتے، اپنے پاس ہی رکھتے ہیں، لوٹے کے بغیر کیسے استنجاء ہو سکتا ہے!

بہر حال! پہلا مرحلہ استنجے کا ہے اور اسی میں ہم ناکام ہو جاتے ہیں، اسی میں گڑبڑ ہوئی تو آگے وضو کیا درست ہوگا؟ پھر نماز کہاں درست ہوگی؟ اس لیے اس کو بڑے اہتمام سے جیسا کہ کتابوں میں ہے، پورے اطمینان کے ساتھ انجام دو۔

طہارت کا دوسرا مرحلہ: وضو

طہارت کا دوسرا درجہ وضو یعنی نجاستِ حکمیہ سے اپنے آپ کو پاک کرنا ہے۔ وضو کا جو طریقہ کتابوں میں بتایا گیا ہے، باقاعدہ اس طریقے کے مطابق وضو کرنے کی ضرورت ہے۔

اعمال کے انوار و برکات کب حاصل ہوتے ہیں؟

سنت کے مطابق وضو کا ہونا ضروری ہے، اگر وضو سنت کے مطابق کریں گے تو اس میں انوار و برکات ہوں گے، اگر خلافِ سنت وضو کریں گے تو فرائض ادا کرنے کی وجہ

سے وضوتو ہو جائے گا، نماز بھی ادا ہو جائے گی لیکن اس کے جو فوائد وثمرات ہیں، اس سے ہمیں جو فائدہ اور نور ہونا چاہیے، وہ نور حاصل نہیں ہوگا، نور تو عمل کو سنت کے مطابق انجام دینے سے حاصل ہوگا۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسباغ الوضو یعنی وضو کو پورے طور پر ادا کرنے، کماحقہٗ عضو کے تمام حصے پر پانی اچھی طرح پہنچ جائے، اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور سردی کے زمانے میں پانی زیادہ ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے آدمی کبھی غفلت اور کوتاہی کرتا ہے تو اس موقع پر اس کی اور زیادہ تاکید ہے۔

وضو میں اعضائے وضو کے ہر ہر جزء تک پانی پہنچانے کا اہتمام کریں

سردی کے زمانے میں کھال خشک ہو جاتی ہے، یوں ہی پانی ڈال دیں گے تو پانی کھال کے تمام اجزاء تک پہنچے گا نہیں، ہم نے اپنے بزرگوں کو دیکھا کہ پانی ڈالنے سے پہلے گیلے ہاتھ اس پر پھیرتے تھے اور اس کے بعد پانی ڈالتے تھے، تب پانی پہنچے گا، آج تو یہ بھی نہیں ہے، بس پانی ڈال دیا، پانی پہنچا تو کیا اور نہ پہنچا تو کیا! پھر وضو کہاں سے ہوگا؟ وضو کے جو فرائض ہیں، سنن ہیں، مستحبات ہیں، آداب ہیں، ان کو بجالانے کا اہتمام کریں، مکروہات سے بچنے کا اہتمام کریں۔

دورانِ وضو باتوں سے بچنے کا اہتمام اور باتوں سے بچنے کا علاج

ہمارا حال یہ ہے کہ وضو کرنے بیٹھے اور باتیں شروع ہو گئیں۔ وضو ایک اہم عبادت ہے، اس وقت باتوں کی کیا ضرورت ہے؟ آپ نے نور الایضاح میں پڑھا ہوگا کہ وضو

میں ہر عضو کو دھوتے وقت دعا کا اہتمام کیا جائے تو بہت اچھا ہے۔شروع میں تو بسم اللہ ہونی ہی چاہیے،اگر چہ یہ احناف کے یہاں سنت ہے لیکن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تو واجب ہے اور احناف میں سے بھی صاحبِ فتح القدیر علامہ ابنِ ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لَا وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرْ اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ[۱] کی وجہ سے اس کے وجوب کا قول اختیار کیا ہے۔

بعض دعائیں جو فقہاء نے بیان کی ہیں، اگر چہ ان کے بارے میں محدثانہ حیثیت سے کلام کیا گیا ہے کہ وہ حدیث سے ثابت نہیں ہیں لیکن وضو کرتے وقت ان دعاؤں کو پڑھنا چاہیے، جیسے: کلی کریں تو اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَذِكْرِك وَشُكْرِك وَحُسْنِ عِبَادَتِك پڑھیں۔ناک میں پانی ڈالیں تو اللَّهُمَّ أَرِحْنِي رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَلَا تُرِحْنِي رَائِحَةَ النَّارِ پڑھیں۔ چہرہ دھوئیں تو اللَّهُمَّ بَيِّضْ وَجْهِي يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ پڑھیں۔داہنا ہاتھ دھوئیں تو اللَّهُمَّ أَعْطِنِي كِتَابِي بِيَمِينِي وَحَاسِبْنِي حِسَابًا يَسِيرًا پڑھیں۔بایاں ہاتھ دھوئیں تو اللَّهُمَّ لَا تُعْطِنِي كِتَابِي بِشِمَالِي وَلَا مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي پڑھیں۔سر کا مسح کریں تو اللَّهُمَّ أَظِلَّنِي تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِك يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّ عَرْشِك پڑھیں۔کانوں کے مسح کے وقت اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ پڑھیں۔گردن کے مسح کے وقت اللَّهُمَّ أَعْتِقْ رَقَبَتِي مِنَ النَّارِ پڑھیں۔داہنا پاؤں دھوئیں تو اللَّهُمَّ ثَبِّتْ قَدَمَيَّ عَلَى الصِّرَاطِ يَوْمَ تَزِلُّ الْأَقْدَامُ پڑھیں۔بایاں پاؤں دھوئیں تو اللَّهُمَّ اجْعَلْ ذَنْبِي مَغْفُورًا وَسَعْيِي مَشْكُورًا، وَتِجَارَتِي لَنْ تَبُورَ پڑھیں۔

---

[۱] سنن أبی داود، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ، بَابٌ فِي التَّسْمِيَةِ عَلَى الْوُضُوءِ.

یہ دعائیں آپ نے نور الایضاح کے حاشیے میں بھی پڑھی ہوں گی، ان میں سے بہت ساری دعائیں وہ بھی ہیں جو اگر چہ حدیث سے ثابت نہیں ہیں لیکن فقہاء نے لکھا ہے؛ اس لیے پڑھے تو اچھا ہے، ان میں دعا ہی کا مضمون ہے۔ اور بعض دعائیں جیسے وضو کے ختم ہونے پر أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ[1]، یا اللهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي، وَوَسِّعْ لِي فِي دَارِي، وَبَارِكْ لِي فِي رِزْقِي[2]، یہ دعائیں البتہ حدیث سے ثابت ہیں۔

بہر حال! وضو کے وقت ہم دعاؤں میں مشغول ہوں، ہمارا دھیان اِدھر اُدھر نہ ہو بلکہ اللہ تبارک وتعالی کی طرف ہو؛ کیوں کہ یہ وضو نماز کی کنجی ہے، چابی ہے، وہیں سے ہمارا دھیان اللہ تبارک وتعالی کی طرف رہے، غفلت نہ رہے۔ ہم تو جب وضو کر رہے ہوتے ہیں تو ہمارا دھیان اس کی طرف بالکل نہیں ہوتا کہ ہم کوئی نیک عمل کر رہے ہیں اور نماز کے لیے اس کی اتنی اہمیت ہے۔

وضو میں ضرورت سے زیادہ پانی کا استعمال مکروہ ہے

تو بسم اللہ پڑھ کر بڑے اہتمام کے ساتھ وضو کرے۔ وضو کے مکروہات میں سے ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرنا بھی بتایا گیا ہے؛ اس لیے پانی زیادہ استعمال نہ کریں، اسراف سے بچیں۔

---

① سنن الترمذي، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ؓ، بَابُ مَا يُقَالُ بَعْدَ الْوُضُوءِ.

② السنن الكبرى للنسائى، عَنْ أَبِي مُوسَى ؓ، مَا يَقُولُ إِذَا تَوَضَّأَ.

وقف کے پانی میں اسراف حرام ہے

صاحبِ درمختار نے جہاں وضو میں اسراف کو مکروہ قرار دیا ہے، وہاں ایک جملہ لکھا ہے: وَمِنْ مَاءِ الْمَدَارِسِ فَحَرَامٌ [۱]: مدارس یعنی وقف کا جو پانی ہے، اس کے ذریعہ اگر کوئی آدمی وضو کرے تو ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرنا حرام ہے، یہ تو اپنا پانی ہو اور ضرورت سے زیادہ استعمال کرے، تب مکروہ ہے۔

ہم عام طور پر مسجدوں یا مدرسوں میں وضو کرتے ہیں یا ایسی جگہ جہاں لوگوں نے وضو کے لیے پانی کا انتظام کر رکھا ہے۔ وہاں تو ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرنا حرام ہے؛ کیوں کہ وقف کا پانی کا مطلب یہ ہے کہ یہ پانی آپ کو وضو کرنے کے لیے ضرورۃً دیا گیا ہے اور الضَّرُورَةُ تَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ الضَّرُورَةِ۔ آپ جتنے پانی سے وضو کر سکتے ہیں، اتنے ہی پانی کو استعمال کرنے کی آپ کو شرعاً اجازت ہے، اگر اس سے زیادہ استعمال کریں گے تو آپ تعدّی کرنے والے ہوں گے۔

حدیث میں آتا ہے: إِيَّاكَ وَالسَّرَفَ [۲] کہ: وضو کے اندر اپنے آپ کو اسراف سے بچاؤ!۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ: أَ فِي الْوُضُوءِ سَرَفٌ؟: کیا وضو کے اندر بھی اسراف ہے؟ تو نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نَعَمْ وَإِنْ كُنْتَ عَلَى نَهَرٍ جَارٍ: جی ہاں! چاہے تم بہنے والی نہر پر بیٹھ کر وضو کر رہے ہو [۳]۔

---

(۱) رد المحتار على الدر المختار ۱/ ۱۳۲.

(۲) بدائع الصنائع ۱/ ۳۵، وَأَمَّا بَيَانُ مِقْدَارِ الْمَاءِ الَّذِي يَغْتَسِلُ بِهِ.

(۳) شعب الإيمان، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضى الله تعالى عنهما، فَضْلُ الْوُضُوءِ .

اعضائے وضو کو تین مرتبہ سے زائد دھونا ظلم اور گناہ ہے

تین مرتبہ دھونے کا حکم دیا، چوتھی مرتبہ دھوئیں گے تو یہ اسراف ہے: فَمَنْ زَادَ عَلَى هَذَا فَقَدْ أَسَاءَ أَوْ تَعَدَّى وَظَلَمَ ①: جس نے تین مرتبہ سے زیادہ دھویا، اس نے تعدی اور ظلم کیا، چوتھی مرتبہ دھونے کا سوال ہی نہیں، آپ اپنی طرف سے تجویز نہ کیجیے۔ بہر حال! وضو میں اسراف سے بچنا ہے۔

اسراف فی الوضو کے نقصان کے متعلق ایک واقعہ

اگر اپنا ذاتی پانی ہے تو اسراف مکروہ ہے اور اگر وقف کا پانی ہے تو حرام ہے۔ بزرگوں نے اسراف کی نحوست کو لکھا ہے۔ ایک مرتبہ ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس چھتہ مسجد میں تھی۔ یہاں وہ اہلِ علم بھی موجود ہوں گے جنھوں نے حضرت کو دیکھا ہوگا اور حضرت سے جلدِ ثانی پڑھی ہوگی یا وہاں چھتہ مسجد میں حاضری دیتے ہوں گے۔ عصر کے بعد مجلس ہوتی تھی، طلبہ شریک ہوتے تھے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں طلبہ کے معاملے میں بڑی شفقت تھی اور سوال کے معاملے میں کوئی پابندی نہیں تھی تو طلبہ ہر چیز پوچھتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک طالبِ علم نے سوال کیا کہ حضرت! وضو میں اسراف کا کیا نقصان ہے؟ حضرت کی مجلس میں حضرت حافظ طیب صاحب بھی تھے جو حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں، ابھی بھی حیات ہیں، نابینا ہیں۔ حضرت ان کو ہمیشہ اپنے

---

① السنن الکبری للبیهقی، بَابُ كَرَاهِيَةِ الزِّيَادَةِ عَلَى الثَّلَاثِ.

پاس بٹھاتے تھے، کبھی پوچھنے والے نے اپنے سوال میں کوئی کمی رکھی تو حافظ صاحب اس کی تشریح اور تکمیل کرتے تھے۔ بعض حضرات تو خود پوچھنے کے بجائے حافظ صاحب کے کان میں کہہ دیتے تھے اور حافظ صاحب ہی پوچھ لیتے تھے۔

وضو میں اسراف نماز میں خشوع کے آنے سے مانع ہے

جب طالبِ علم نے وہ سوال کیا تو حضرت نے جواب میں فرمایا کہ مکروہ ہے۔ اس پر حافظ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! یہ طالبِ علم یہ نہیں پوچھتا کہ اسراف کا حکم کیا ہے؟ یہ تو یہ پوچھتا ہے کہ اسراف کا نقصان کیا ہے؟ تو حضرت نے جواب میں فرمایا کہ اس کی وجہ سے نماز کا خشوع ختم ہو جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ وضو ایک عبادت ہے، اگر اس عبادت کے درمیان کوئی مکروہ جو کہ گناہ ہے، اس کا ارتکاب کریں گے تو عبادت کے انوار کہاں حاصل ہوں گے، جب انوارات حاصل نہیں ہوئے تو یہی وضو جو نماز کی چابی اور دروازہ تھا تو نماز کے اندر کہاں خشوع حاصل ہوگا! آپ اندازہ لگائیے کہ وضو میں ایک مکروہ چیز کا ارتکاب کیا تو اس کی وجہ سے نماز کا خشوع ختم ہو گیا!۔

ہمارے اسلاف اور اسراف سے اجتناب کا اہتمام

اسی لیے اپنے بزرگوں کو دیکھا کہ اس کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہردوئی میں دیکھا کہ حضرت کے یہاں نل پر وضو کرنے کی کسی کو اجازت نہیں تھی، جہاں ٹنکی تھی، وہاں نل کے پاس لوٹے پڑے رہتے

تھے، لوٹے میں پانی لو اور اس سے وضو کرو۔ آپ خود کر کے دیکھ لیجیے۔ لوٹے میں پانی لے کر وضو کرو اور نل پر بیٹھ کر وضو کرو اور نل کے نیچے بالٹی بھی رکھ دو اور دیکھو کہ پورے وضو کے درمیان کتنا پانی گرتا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ لوٹے سے وضو کرنے کی صورت میں وضو کرنے کے بعد بھی لوٹے میں پانی بچ جائے گا۔

آج کل تو حکومت بھی خوب پروپیگنڈا کرتی ہے کہ پانی بچاؤ، بجلی بچاؤ۔ ہم ایک مرتبہ پیرس گئے، وہاں ایک جگہ مسجد میں جانا ہوا تو وہاں دیکھا کہ نل کے اوپر وضو نہیں کرتے، ایک لوٹے جیسا برتن ہوتا ہے، اس میں پانی لو اور وضو کرو۔ میں نے کہا کہ یہاں پیرس میں بھی پانی کی قلت ہے! وہاں پانی کی قلت ہے؛ اس لیے نل سے وضو کرنے کے بجائے برتن میں پانی لے کر وضو کرتے ہیں۔

حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا اور جنھوں نے ان سے تربیت پائی، اگر ان کو کبھی نل پر بیٹھ کر وضو کرنے کی نوبت آتی ہے تو نل کو اتنا کم کھولتے ہیں کہ اسراف کی نوبت نہ آوے۔

حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ اور اسراف فی الوضوء سے اجتناب کا اہتمام

اسی طرح ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا، چھتہ میں حضرت کا حجرہ تھا اور حضرت کے حجرے سے نکل کر سامنے ہی نل اور ٹونٹیاں لگی ہوئی تھیں اور وضو کے لیے نالی بنی ہوئی تھی، جنھوں نے چھتہ مسجد دیکھ رکھی ہے، وہ جانتے ہیں تو ہم نے ہمیشہ دیکھا کہ جب وضو کرنا ہوتا تھا تو کمرے میں سے خالی لوٹا لے کر آتے تھے اور نل سے لوٹے میں

پانی بھرتے اور نالی کے اوپر بیٹھ کر لوٹے سے وضو کرتے تھے، حالاں کہ نل لگے ہوئے تھے لیکن نل سے کبھی وضو نہیں کرتے تھے، ہم یہ دیکھتے تو خیال آتا کہ دیکھیے! اسراف سے بچانے کا کیسا اہتمام ہے!۔ خشوع حاصل کرنے کے لیے آدمی اگر یہ تکلیف اٹھاوے تو سودا بہت سستا ہے۔

وضو میں کوتاہی نماز کے اندر تلاوت میں خلل ڈالتی ہے

بہرحال! طہارت کا مرحلہ بڑا اہم ہے اور اسی میں ہم ناکام ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے نماز کے خشوع میں خلل آتا ہے، قرآن کی تلاوت میں بھول ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز کے اندر تلاوت میں چوک ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے بعد ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ وضو ٹھیک طریقے سے نہیں کرتے، اس کی وجہ سے قرآن کی تلاوت میں بھول ہوتی ہے[۱]۔

پیچھے نماز پڑھنے والوں کے وضو میں کوتاہی کا اثر جب امام کی تلاوت پر پڑ سکتا ہے تو کیا وضو کی کمی خود ہماری نماز پر اثر نہیں ڈالے گی؟۔

اذان سننے کے بعد مسجد میں آنے کے سلسلے میں ہماری کوتاہی

وضو کے بعد ہم مسجد میں آئے۔ بعض لوگوں کا مزاج کیا ہے؟ ایک تو ویسے اذان کی آواز سن کر کوئی جلدی مسجد میں آنے کے لیے تیار نہیں، حالاں کہ سب کو معلوم ہے کہ اذان ہوگئی تو جماعت ہونے والی ہے۔ اب کون سی نماز میں اذان اور اقامت کے

---

(۱) السنن الصغرى للنسائي، عَنْ شَبِيبٍ أَبِي رَوْحٍ، الْقِرَاءَةُ فِي الصُّبْحِ بِالرُّومِ.

درمیان اصولی طور پر کتنا فاصلہ ہے؟ فجر میں کچھ زیادہ ہے، ظہر میں اس سے کچھ کم ہے اور دوسری نمازوں میں پندرہ، بیس منٹ کا وقفہ ہوتا ہے، یہ ہر ایک کو معلوم ہے، اس کے باوجود اذان سننے کے بعد کہتے ہیں کہ ابھی تو جماعت کو بہت دیر ہے، یہ مزاج ہم نے بنا رکھا ہے اور اذان کی آواز سننے کے بعد بھی ہم مسجد میں آنے کے لیے تیار نہیں۔

اذان سننے کے بعد مسجد میں نہ آنا ظلم و جفا ہے

حالاں کہ حدیث ہے، فضائلِ نماز میں آپ نے پڑھا یا سنا ہوگا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: بہت بڑی بے رُخی، غداری اور نامناسب بات ہے کہ اللہ کے منادی کی آواز سنے یعنی اذان دینے والا نماز کے لیے بلا رہا ہے: حَيَّ عَلَى الصَّلاةِ کہہ رہا ہے اور اس کے بعد بھی آدمی نہ جاوے [۱]؛ اس لیے اذان کے بعد تو آدمی کو نکل ہی جانا چاہیے، جماعت کا وقت ہونے کا انتظار نہ کرے، اگر کوئی ضروری کام اور مشغولی ہے اور اذان کے بعد کچھ دیر ٹھیر گیا تو ٹھیک ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تو حال یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کوئی کام کر رہے ہیں اور اذان کی آواز سنی تو اس کو وہیں چھوڑ دیا، یہ نہیں کہ تھوڑا سا باقی ہے تو پورا کرلو۔

اذان سننے پر ہمارے اسلاف کا معمول

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ اسلاف کے یہاں اتنا زیادہ اہتمام تھا کہ لوہار لوہا کوٹنے کے لیے جو ہتھیار ہوتا ہے، اس کو سر کے اوپر اٹھائے ہوئے ہے اور اذان کی

---

(۱) السنن الکبری للبیهقی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ، بَابٌ لَا يَمْسَحْ وَجْهَهُ مِنَ التُّرَابِ فِي الصَّلَاةِ حَتَّى يُسَلِّمَ.

آواز سنی تو یہ نہیں کہ اس کو لوہے پر ماریں بلکہ یوں پیچھے چھوڑ دیتے تھے۔ اذان سننے کے بعد نماز کے لیے حاضری کے معاملے میں اسلاف کا بھی یہی حال تھا، ایک سیکنڈ کی تاخیر بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔

تحیۃ الوضو کی فضیلت

بہر حال! وضو کرنے کے بعد مسجد میں آکر موقع ہو تو تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد کا اہتمام کیا جائے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے بلال! شبِ معراج کے موقع پر جب میں جنت میں گیا تو میں نے دیکھا کہ میں تمھارے قدموں کی چاپ اپنے آگے پا رہا ہوں! تمھارا ایسا کونسا عمل ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت! میرا ایسا کوئی عمل تو نہیں ہے، البتہ جب سے میں اسلام لایا ہوں، اس وقت سے جب بھی میں وضو کرتا ہوں تو دو رکعت ادا کرتا ہوں، یہی نماز تحیۃ الوضو کہلاتی ہے[1]۔

تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد کی مشروعیت کی حکمت

بھائی! وضو کیوں کیا جاتا ہے؟ وضو نماز وغیرہ عبادتوں کی ادائیگی کے لیے کیا جاتا ہے، اس لیے کہا کہ جب وضو کیا تو کم سے کم دو رکعت نماز تو پڑھ لیجیے۔ اسی طرح تحیۃ المسجد کی دو رکعت بھی پڑھی جاتی ہے، کیوں؟ مسجد کاہے کے لیے بنائی گئی ہے؟ نماز پڑھنے

---

[1] صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰہُ تعالی عَنْهُ، بَابُ فَضْلِ الطُّهُورِ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَفَضْلِ الصَّلاَةِ بَعْدَ الوُضُوءِ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ.

کے لیے! تو جب ہم اور آپ مسجد میں آئے تو کم سے کم دو رکعت نماز تو پڑھ لیں۔ کوئی آدمی ہوٹل میں جاوے اور کرسی پر پانچ دس منٹ بیٹھ کر چلا آوے تو لوگ کیا کہیں گے کہ بھائی! کاہے کو گیا تھا؟ کم سے کم چائے تو پی کے آتا۔ جو جگہ جس کام کے لیے بنائی گئی ہے، وہاں جا کر وہ کام نہ کرنا تو حماقت ہے، مسجد نماز کے لیے بنائی گئی ہے، اب جب ہم مسجد میں آئے اور نماز پڑھے بغیر باہر نکل گئے تو کیا کہا جائے گا؟ یہ تو اسی ہوٹل میں جا کر چائے پیے بغیر آنے والے کی طرح ہوا!۔

یہ تحیۃ المسجد درحقیقت تحیۂ ربِّ المسجد ہے۔ جب ہم کسی کے گھر جاتے ہیں تو کیا کرتے ہیں؟ اگر کسی کے گھر میں گئے اور وہاں گھر والا بیٹھا ہے لیکن اس کی طرف دھیان ہی نہیں دیتے، سلام بھی نہیں کرتے، ایسے ہی جا کے گھر کے ایک کونے میں بیٹھ گئے تو لوگ کیا کہیں گے کہ عجیب آدمی ہے! جس کے گھر میں آیا، اس کو سلام بھی نہیں کرتا۔ اسی طرح مسجد اللہ کا گھر ہے، اللہ اس گھر کا مالک ہے تو اللہ کے حضور سلام پیش کرنے کے لیے ہم کو کم سے کم دو رکعت ادا کرنی چاہیے۔

قبلیہ سنتوں میں میں نیت کرنے سے تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو کا ثواب بھی حاصل ہو جاتا ہے

اور اگر فرائض کا وقت تھا، اذان ہو چکی ہے تو آپ جو سنتیں ادا کریں گے تو نیت کرنے سے اس میں یہ بھی آجائیں گی، اس کو الگ سے ادا کرنا کوئی ضروری نہیں ہے، ہاں! اگر پڑھ لیں تو بہت اچھا ہے۔

ہماری غفلت کی انتہا کیا، ہماری پستی کا کیا ٹھکانہ

اب ہمارا حال کیا ہے؟ مسجد میں آئے، وضو کرنے کے لیے وضوخانے کی طرف جاتے ہوئے گھڑی دیکھتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ ابھی تو پانچ منٹ دیر ہے۔ اب وضو خانے کے اندر مجمع لگا ہوا ہے اور باتیں کررہے ہیں کہ جماعت تو ابھی کھڑی نہیں ہوئی۔ گویا جماعت سے پہلے چلے جائیں گے تو کوئی پکڑ لے گا، کوئی گناہ ہو جائے گا۔ عجیب مزاج بنا رکھا ہے۔

فرض نماز سے پہلے سنن کو مشروع کرنے کی حکمت

آخر شریعت نے نماز سے پہلے سننِ قبلیہ کیوں رکھی ہیں؟ فرض نماز اصل ہے، ان فرضوں کو کما حقہ ادا کرنے کے لیے آدمی کے دل میں ایک صلاحیت اور استعداد پیدا ہو، اس کے لیے یہ سنتیں رکھی ہیں۔ سننِ قبلیہ ادا کرنے کی وجہ سے اس کے دل میں انابت اور توجہ الی اللہ ہوگی تو اس صلاحیت کے ساتھ فرض ادا کرے گا؛ اسی لیے فرض اور سنت کے درمیان فقہاء نے فصل اور کسی کام کرنے کی اجازت نہیں دی ہے: باتیں کرنے کی اور ایسا کام جو اس توجہ کو ہٹانے والا اور ختم کرنے والا ہو لیکن ان سننِ قبلیہ کی تو ہمارے نزدیک کوئی اہمیت ہی نہیں رہی۔

جب کسی کے یہاں بڑی دعوت ہوتی ہے اور ہم وہاں جاتے ہیں تو وہاں کھانے سے پہلے کیا ہوتا ہے؟ پہلے سوپ پیش کیا جاتا ہے، یہ کاہے کے لیے؟ تاکہ بھوک لگے، بھوک کو لگانے کے لیے سوپ آیا۔ جو لوگ بڑی دعوتوں میں شریک ہوتے ہیں، وہ

دیکھتے ہیں کہ وہاں ایسے چونچلے بہت کیے جاتے ہیں۔

لہو مجھ کو رلاتی ہے.......

ہم اپنی ہر چیز میں اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ کپڑے پہنیں گے تو مقصد تو صاف، شفاف اور دھلے ہوئے ہونا ہے لیکن خالی دھلے ہوئے نہیں پہنیں گے، جب تک کہ استری نہ ہو۔ کھانے کے لیے بیٹھیں گے تو اصل مقصود تو کھانے میں روٹی ہے، سالن اصل مقصود نہیں ہے، سالن تو اس لیے ہے؛ تاکہ وہ روٹی کو حلق سے نیچے اتارنے میں معین ومددگار بنے؛ اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو نفقے میں جو کی روٹی دیتا ہے تو اس کے ساتھ سالن دینا ضروری ہے لیکن اگر گیہوں کی روٹی دیتا ہے تو چوں کہ گیہوں کی روٹی کو حلق سے نیچے اتارنے کے لیے سالن کی ضرورت نہیں؛ اس لیے سالن دینا ضروری نہیں، یہ ایک مسئلہ ہے، مفتی حضرات جانتے ہیں۔ آج کل تو روٹی چھوڑ دی اور صرف سالن کھانے لگے۔

اب روٹی سالن بھی کافی نہیں بلکہ کچومر چاہیے، اچار چاہیے، پاپڑ چاہیے، سلاد چاہیے، قسم قسم کے چیزوں کا اہتمام کرتے ہیں کہ اس کے بغیر مزا نہیں۔ کھانے کے مزے کے لیے سب کچھ کر رہے ہیں اور نماز میں مزا لانے کے لیے ہم کچھ کرنے کے لیے تیار نہیں، ہم میں اور ہمارے اسلاف میں یہ فرق ہے، ہم نے اپنا مقصود کھانے پینے کو، دنیا کو، اپنی لذّات اور خواہشات کو بنالیا ہے اور وہ حضرات تھے، ان کی نگاہوں میں اللہ کی رضا اور دین مقصود تھا۔

کیا ہے تجھے کتابوں نے کورذوق اتنا

بہر حال! سننِ قبلیہ یعنی نماز سے پہلے کی سنتیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ ان میں بھی دو قسمیں ہیں: (۱) مؤکدہ (۲) غیر مؤکدہ۔ اب تو مؤکدہ کے لالے پڑ رہے ہیں، غیر مؤکدہ کو کون پوچھتا ہے! مدرسوں میں بڑی تعداد طلبہ کی وہ ہے جو مؤکدہ کو ادا نہیں کرتی۔ بچپن میں تو مؤکدہ بھی ادا کرتے تھے اور غیر مؤکدہ بھی لیکن جب مدرسوں میں آئے اور کتابوں میں پڑھا، نور الایضاح میں پڑھا کہ فلاں فلاں سنت غیر مؤکدہ ہے اور فلاں فلاں مؤکدہ ہے، جس دن سے فلاں سنت کو غیر مؤکدہ پڑھا، اس دن سے اس سنت کو چھوڑ دیا۔ یہ نور الایضاح اس لیے پڑھائی جاتی ہے کہ تم سنتیں چھوڑنے لگو؟ نہیں بھائی! شریعت میں جس طرح عمل کی درستگی ضروری ہے، اسی طرح علم کی درستگی بھی ضروری ہے، عمل بھی صحیح ہونا چاہیے، علم بھی صحیح ہونا چاہیے۔ آپ جو عمل کر رہے ہیں، صحیح کر رہے ہیں لیکن اس عمل کی حیثیت کیا ہے، اس کا درجہ کیا ہے؟ وہ بھی آپ کے لیے جاننا ضروری ہے۔ ایک آدمی سنت پڑھ رہا ہے لیکن سنت کو فرض سمجھ کر پڑھ رہا ہے تو شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

باراں کہ درلطافتِ طبعش خلاف نیست

کتابوں میں جو مؤکدہ، غیر مؤکدہ آیا، آپ کے علم کو صحیح کرنے کے لیے آیا؛ اس لیے نہیں آیا تھا کہ آپ پڑھتے ہیں تو پڑھنا چھوڑ دیجیے لیکن وہی:

باراں کہ درلطافتِ طبعش خلاف نیست		درباغ لالہ رویدودرشورہ بوم خس

بارش کہ اس کی خوبی میں کوئی کلام نہیں ہے، یہی بارش جب باغ میں برستی ہے تو اس کے پانی سے پھول کھلتے ہیں اور یہی بارش جب کھاری زمین میں برستی ہے تو وہاں کانٹے اگتے ہیں۔ ہماری کھاری زمینوں میں جب یہ علم آتا ہے تو اس سے بجائے فائدہ کے ہم اس طرح عمل کو چھوڑنے لگتے ہیں، یہ نادانیت ہے۔

تہی دستانِ قسمت را چہ شد از رہبرِ کامل

قرآن کے متعلق بھی ہے نا:﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا﴾ قرآن تو کتابِ ہدایت ہے، کتابِ ضلالت نہیں ہے لیکن اسی قرآن سے بعض لوگ وہ ہیں جو ہدایت پاتے ہیں اور بعض بدقسمت لوگ وہ ہیں جو اسی قرآن کی وجہ سے گمراہ ہوتے ہیں، قرآن نے گمراہ نہیں کیا بلکہ ان کی فطرت کی کجی اور استعداد کی کمی کی وجہ سے وہ گمراہ ہوئے۔ علم حاصل کرنے کے بعد اس طرح کی گمراہیوں میں پڑنا بھی اسی طرح فطرت کی کجی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔

یہ چیز ہمارے پیشِ نظر رہے

ہمیں یہ نہیں دیکھنا ہے، ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ ہم جس فرض نماز کو ادا کرنے جا رہے ہیں، اس فرض نماز کو ادا کرنے کے دوران اپنے قلب کو اللہ تبارک وتعالی کی طرف متوجہ کرنے کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی طریقہ بتلایا ہے؛ اس لیے ان سنتوں کو بڑے اہتمام کے ساتھ ادا کیجیے اور ادا کرنے کے بعد باقاعدہ اللہ تبارک وتعالی کی طرف متوجہ رہیے، دوسرے کسی مشغلے میں مت پڑیئے۔

سننِ قبلیہ پڑھنے والوں کا حال

اب مصیبت کیا آگئی ہے؟ مسجد میں بھی سنت پڑھنے کے بعد موبائل لے کے بیٹھ جاتے ہیں، یہ تصویر دیکھ رہے ہیں، وہ دیکھ رہے ہیں، یہ کام کررہے ہیں، وہ کام کر رہے ہیں۔ بھائی! سنت پڑھ کر ہم نے اپنے دل ودماغ کو جو اللہ تبارک وتعالی کی طرف متوجہ کیا تھا، اس کی وجہ سے وہ توجہ کہاں باقی رہنے والی ہے؟ میں بتلا چکا ہوں کہ فقہاء سنت اور فرض کے درمیان کسی ایسے کام کو جو اس توجہ کو ہٹانے والا ہو، انجام دینے کی اجازت نہیں دیتے؛ اس لیے سنتوں کے بعد ایسی حرکت سے بچیں پھر فرض ادا کریں۔

دورِ حاضر کا عظیم فتنہ: موبائل

ہمارا حال کیا ہے؟ ہمیں تو ایک سیکنڈ بھی مل گیا تو بات کیے بغیر نہیں رہتے اور اب تو موبائل والی بڑی مصیبت آگئی ہے۔ موبائل کو تو آپ مسجد میں داخل ہونے سے پہلے ہی بند کردو۔ آج جب دنیا کی کچہریوں اور دفتروں میں جاتے ہیں تو وہاں باقاعدہ اعلان لکھے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض جگہوں میں تو اندر لے جانے کی اجازت ہی نہیں ہوتی، دروازے پر ہی لے لیا جاتا ہے کہ یہاں رکھ کے جاؤ، واپسی میں لے جانا اور بعض جگہ اس کو لے جانے کی اجازت ہے لیکن اس کو کھلا رکھ کر کے نہیں بلکہ بند کر کے لے جانے کی اجازت ہوتی ہے۔ اگر آپ کورٹ میں گئے اور آپ کا موبائل کھلا رہ گیا اور گھنٹی بج گئی تو کورٹ کے احترام کو ختم کرنے کا الزام آپ پر عائد ہوجائے گا اور آپ کو اس پر سزا بھی ملے گی۔

موبائل کی رنگ ٹون کیسی ہونی چاہیے؟

اور یہاں مسجد میں آ کر بھی موبائل کھلا رکھتے ہیں اور رنگ ٹون بجتے ہیں تو نماز خراب ہوتی ہے اور ٹون بھی کیسے؟ اللہ کی پناہ! پہلی بات یہ سمجھ لیجیے کہ موبائل کے اندر جو ٹون ہم رکھتے ہیں، وہ ہلکا ہو اور سادہ ہو، یہ جو میوزک والے ٹون ہوتے ہیں، وہ حرام ہیں، جب بھی آپ ٹون سنیں گے تو ایک حرام کام کا ارتکاب کرنے والے بنیں گے؛ اس لیے اپنے آپ کو اس سے بچانے کی ضرورت ہے۔ اور پھر مسجد کے اندر

ہم تو ڈوبے ہیں صنم، تم کو بھی لے ڈوبیں گے

والا معاملہ ہے، اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کی نماز کو بھی خراب کرتے ہیں۔

نمازی کے سامنے سے گذرنے کی ممانعت

یہ جو نمازی کے سامنے سے گذرنے سے منع کیا گیا ہے، کیوں؟ نمازی کے سامنے سے گذرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ اگر نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کو معلوم ہو جائے کہ نمازی کے سامنے سے گذرنے کا کتنا بڑا گناہ ہے تو وہ ۴۰/سال تک کھڑا رہنا گوارا کرے گا لیکن اس کے سامنے سے گذرنا گوارا نہیں کرے گا①۔

نمازی کے سامنے سے گذرنے کی ممانعت کی حکمت

اتنی سختی کیوں کی گئی؟ اس لیے کہ اس گذرنے والے کے گذرنے کے نتیجے میں

① صحيح البخاری، عَنْ أَبِي جُهَيْمٍ رضی اللہ عنہ، باب إثم المار بين يدي المصلي.

نمازی کی توجہ اللہ تعالی کی طرف سے، نماز کی طرف سے ہٹ جاتی ہے؛ اس لیے شریعت نے اس سے منع کیا۔

نماز میں توجہ الی اللہ میں خلل انداز امور کے سدِّ باب کا شرعی اہتمام

شریعت تو ہم سے نماز سے پہلے ہی وہ تمام کام کروالیتی ہے جس کی وجہ سے نماز کے دوران ہماری توجہ اللہ تعالی سے ہٹ کر اس توجہ میں کوئی کمی آجائے۔ چنانچہ پیشاب کا تقاضا ہے تو ایسی حالت میں نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے، پاخانے کا تقاضا ہے تو ایسی حالت میں نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے۔ شدید بھوک لگی ہوئی ہے اور کھانا موجود ہے تو آپ کو شریعت کہتی ہے کہ پہلے کھانا کھالو پھر نماز پڑھو؛ کیوں؟ اس لیے کہ ایسی حالت میں آپ کا سارا دھیان تو کھانے کی طرف لگا رہے گا، آپ کا سارا دھیان تو پیشاب اور پاخانے میں رہے گا۔

کوئی ایسا سجدہ کر کہ زمیں پر نشاں رہے

اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری نماز کھانا بن جائے، اس کے مقابلے میں میرا کھانا نماز بن جائے، یہ زیادہ پسند ہے [1]؛ اس لیے کہ اگر بھوک لگی ہوئی ہے، کھانے کا تقاضا ہے، اِدھر نماز کی تیاری ہے۔ اب اگر آپ ایسی حالت میں کھانا کھاتے ہیں تو آپ کا سارا دھیان نماز کی طرف رہے گا، اس طرح آپ کا کھانا نماز بن گئی۔ اس کے برخلاف اگر آپ کھانا چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں تو آپ کا سارا دھیان

---

(۱) فيض الباري شرح البخاري، باب إِذَا حَضَرَ الطَّعَامُ وَأُقِيمَتِ الصَّلاة ٢/ ٤٣٨.

کھانے کی طرف ہوگا تو گویا آپ کی ساری نماز کھانا بن گئی۔ نماز کو اس طرح پڑھنی ہے کہ ہمارا سارا دھیان نماز کی طرف لگا رہے۔

تو نمازی کے سامنے سے گذرنے سے جو روکا گیا، اس کی وجہ یہی ہے کہ اگر کوئی شخص اس کی جائے سجود سے گذرے گا تو نمازی کا دھیان اس کی طرف جائے گا اور اس کی طرف دھیان کے جانے سے نماز میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف جو توجہ ہے، وہ ختم ہوجائے گی۔ یہ توجہ ہی اصل روح ہے۔

دورانِ نماز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے گذرنے پر آپ کی بددعا اور اس کا اثر

نماز کی توجہ بہت قیمتی چیز ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کے لیے بددعا نہیں کرتے تھے لیکن مراسیلِ ابی داود کے اندر واقعہ ہے کہ ایک صاحب نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ اپاہج تھا، چلنے سے معذور تھا، پاؤں کام نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے پوچھا: بھائی! کیا بات ہے؟ اس نے کہا: غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں قیام فرما تھے، اس وقت نماز ادا فرما رہے تھے، اور میں سواری پر سوار ہوکر آپ کے سامنے سے گذر گیا، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے یہ جملہ ارشاد فرمایا: قَطَعَ عَلَيْنَا صَلٰوتَنَا قَطَعَ اللهُ أَثَرَہ: ہماری نماز کو کاٹ دیا یعنی نماز کی توجہ ختم کردی، اللہ تعالیٰ اس کے نقشِ پا کو کاٹے، اس وقت سے میں چلنے سے معذور ہوگیا①۔

① مسند احمد، عَنْ يَزِيدَبْنِ نِمْرَانَ، حَدِيثُ رَجُلٍ مُقْعَدٍ، رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ.

زمانۂ نبوی کا ایک اور واقعہ

ایک موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جماعت کے ساتھ نماز ادا فرما رہے تھے، آپ کے ساتھ صحابہ بھی تھے، ایک کتا آگے سے گذرنا چاہتا تھا، جماعت میں جو حضرات شریک تھے ان میں سے کسی نے دعا کی: اللَّهُمَّ احْبِسْهُ کہ: اے اللہ! اس کو روک دے، وہ کتا اسی وقت مر گیا۔ نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: یہ کون تھا؟ کس نے کیا کہا؟ ان صاحب نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ ہمارے سامنے سے گذرنا چاہتا تھا تو میں نے یہ دعا کی تھی۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کتوں کی پوری امت، پوری جنس کے لیے یہ دعا کرتا تو پوری نسل بھی ختم ہو جاتی[1]۔ اللہ اکبر!

نماز کا تھوڑا سا وقت اللہ تعالیٰ کے لیے رہنے دیجیے

نماز کوئی معمولی چیز نہیں ہے لیکن ہم نے تو اس کو کوئی حیثیت ہی نہیں دی۔ شریعت تو ہم سے ایسی حالت میں نماز ادا کروانا چاہتی ہے کہ ہم پورے طور پر متوجہ ہوں؛ اس لیے توجہ کے ہٹانے والے تمام اسباب کو پہلے چھڑوا دیے۔ بھائی! دکان پر تو ۲۴ ر گھنٹے بیٹھے ہی رہتے ہو، دس منٹ کے لیے مسجد میں آئے، اس میں بھی موبائل کھلا ہوا ہوگا تو کیا ہوگا! یہ جو دس منٹ ہم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے نکالے تھے، وہ اس کے لیے نہیں رہے۔ اس لیے لازمی طور پر آپ اس کو بند کر کے ہی آئیں۔ ہاں! کچھ حالات ایسے ہیں،

---

(۱) مصنف عبد الرزاق، عن رجل من أهل الطائف، باب المار بين يدي المصلي.

آدمی سفر میں ہے اور کسی فوری مجبوری کی وجہ سے اس کو کھلا رکھنا پڑے تو بات اور ہے۔

تمہیدات کے اہتمام کے بغیر نماز میں خشوع نہیں آ سکتا

میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ اتنی ساری تمہیدات نماز کے لیے ہیں، ان ساری تمہیدات کا اہتمام کریں گے تو نماز میں خشوع آئے گا۔ اگر آپ اپنی نمازوں میں خشوع چاہتے ہیں تو اس کے لیے یہ سب کرنا ضروری ہے، اس کے بغیر خشوع آنے والا نہیں ہے اور اس کے لیے محنت جب شروع کی جائے گی تو اس کے بعد خشوع کے بھی بہت سے مراحل ہیں۔

ایں خیال است ومحال ست وجنوں

خشوع کے علماء نے تین درجے بتلائے ہیں۔ کوئی بھی چیز اولین مرحلے میں پورے طور پر حاصل نہیں ہوتی، پہلے مرحلے میں ابتدائی درجہ حاصل ہوگا پھر اس میں کچھ اور ترقی حاصل ہوگی پھر ذرا اور، کمال اخیر میں آتا ہے۔

ہمارا حال یہ ہے کہ یا تو نماز میں خشوع نہیں، دھیان نہیں، اب دھیان لگانا چاہتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ اب ہم نماز کے اندر عرشِ مُعلّٰی پر پہنچ جائیں اور پہلے ہی دن جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ والی نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔ ایسا پہلے ہی دن کہاں ہونے والا ہے؟۔ ہم نے اپنا مزاج یہ بنالیا ہے۔

نماز میں خشوع پیدا کرنے کی محنت کا پہلا مرحلہ

بھائی! نماز کے اندر ایک تو تلاوت، اذکار وغیرہ ہیں، قرآن بھی پڑھا جارہا ہے،

تسبیحات، دعائیں وغیرہ بھی پڑھی جارہی ہیں: ثنا، تعوذ، تسمیہ، سورۂ فاتحہ، سورت، رکوع کی تسبیح، تحمید، سجدے کی تسبیح، تشہد، درود۔ یہ پڑھنے کی جتنی بھی چیزیں ہیں، ایک تو ہیں ان سارے اذکار کے الفاظ اور ایک ہیں ان کے معانی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شروعات میں پہلا مرحلہ ہے الفاظ کی طرف دھیان دینا، جب ہم خشوع کے لیے محنت شروع کریں گے تو پہلے ہمیں خالی الفاظ کی طرف دھیان دینا ہے، جیسے ایک حفظ کرنے والا بچہ اپنا سبق اپنے استاذ کو سنائے گا تو اس وقت اس کا پورا دھیان جو سبق سنا رہا ہے، اس کے الفاظ کی طرف ہوگا، ذرا بھی اِدھر اُدھر گیا کہ بھول پڑی اور مار کھائی، ہمیں بھی پورا دھیان ان اذکار کے الفاظ کی طرف لگانا ہے۔

الفاظ کی طرف دھیان بھی آتے آتے آتا ہے

جب ہم پڑھیں گے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾۔ ایک تو اس کو صحیح پڑھیں اور صحیح پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس طرح پڑھیں کہ ہم اپنے کانوں سے سنیں، کم سے کم یہی ہے۔ ہمارا حال تو جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں، یہ ہے کہ ہم کیا پڑھ رہے ہیں، ہمیں کچھ پتہ ہی نہیں۔

پھر پہلے دن بھی ہمارا دھیان سارے الفاظ کی طرف تو جانے والا نہیں ہے، آپ کوشش کر کے دیکھ لو، خالی الحمد تک بھی پہنچے تو غنیمت ہے، تو بھی آپ بہت کامیاب سمجھے جائیں گے، ورنہ اعوذ باللہ پر ہی معاملہ ختم ہوجاتا ہے اور دھیان ہٹ جاتا ہے۔

پھر کیا کرنا ہے؟ الحمد تک دھیان رہا پھر ہٹ گیا اور بے دھیانی میں ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ تک پڑھا، پھر خیال آیا تو پھر دھیان سے ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ پڑھا، یہ خیال جو آیا، وہ بھی بڑی سعادت کی بات ہے لیکن جیسا کہ میں نے کہا، ایسا خیال نماز میں تو کیا آئے گا، نماز کے بعد بلکہ آٹھ دس دن کے بعد اس کا خیال آتا ہے کہ ہم نے اس دن دھیان سے نماز پڑھنی شروع کی تھی۔ ہماری غفلت کا یہ حال ہے۔

ضربِ پیہم سے آخر ہو جاتا ہے پاش پاش

بہرحال! لگے رہیں، لگے رہیں۔ جہاں دھیان ہٹا تو اس میں آپ کا کوئی دخل نہیں ہے، جب یاد آیا، پھر سے شروع کر دیں، اس طرح کرتے کرتے ایک وقت آئے گا کہ آپ کا دھیان پورے پورا الفاظ کی طرف آ جائے گا اور ہمارا حال تو یہ ہے کہ ایک دو دن ایسا کرنے کے بعد چھوڑ دیا، غفلت آ گئی۔ پھر شکایت کرتے ہیں کہ نماز میں دھیان نہیں لگتا، خشوع حاصل نہیں ہوتا، یہ اوہام ہیں اور کیا ہے؟ خالی بنانے کی باتیں ہیں اور کچھ نہیں، عمل کرتے نہیں۔

ہم سالک کہلانے کے قابل نہیں ہیں

آج کل ہم جو سلوک کی راہ چلتے ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ ہم سالک کہلانے کے قابل نہیں، سالک تو وہ ہوتا ہے جو مسلسل لگا رہے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں خط و کتابت ہوتی تھی تو اس کو باقاعدہ پہلے والے خط کا حوالہ اور اس کی نقل بھیجنی پڑتی تھی، جو لوگ وہاں موجود ہوتے تھے، ان کی کاپیاں ہوتی تھیں، کاپی میں اپنا حال لکھا، اس کے مطابق حضرت نے ہدایت لکھی، دوسرے دن جواب میں یہ لکھنا پڑتا تھا

کہ کتنا عمل کیا!۔

آج کل عمل کیا کیا، وہ بتاتے نہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شکایت ہے، اس کا علاج بتاؤ۔ اب علاج بتاتے ہیں تو اب یہ نہیں بتاتے کہ میں نے کتنا عمل کیا پھر ایک مدت کے بعد بھول گیا، بے چارہ کیس بھول گیا، دو چار مہینے کے بعد پھر خط آرہا ہے کہ بدنگاہی ہورہی ہے، یہ ہمارا حال ہے۔

سلوک کے لیے، اصلاحات کے لیے ہمارے بزرگوں نے جو طریقے بتائے ہیں، آپ ذرا تربیت السالک دیکھئے! ایک ایک جزء پر کیسا کلام ہے، باقاعدہ جو کرنا چاہتے ہیں، ان کے لیے ہے، جو نہیں کرنا چاہتے، ان کے لیے کوئی فائدہ نہیں۔ کہنے کا حاصل یہ ہے کہ ان ہدایتوں پر عمل کرنا ہے اور عمل ہم کرتے نہیں، بعض کا حال یہ ہے کہ ایک دو دن عمل کریں گے پھر چھوڑ دیں گے، ایک مدت کے بعد دوبارہ خط میں یہی تحریر کریں گے۔ ارے بھائی! ایک چیز کے متعلق جب اصلاح ہوچکی اور آپ کو بتادیا گیا، اب اس کے بعد دوبارہ وہی شکایت لکھنا کیا معنی رکھتا ہے!۔

ہر لمحہ یہاں جہدِ مسلسل کا ہے پیغام

معمولات کا بھی یہی حال ہوگیا ہے کہ لکھتے ہیں کہ پابندی کررہا ہوں اور کچھ عرصے کے بعد خط آئے گا کہ سارے معمولات چھوٹ گئے۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ ایک پودا آپ نے لگایا، پانی آپ دے رہے ہیں اور دیتے دیتے دو مہینے کے بعد پانی دینا آپ نے چھوڑ دیا تو وہ پودا سوکھ جائے گا، اب پانی دیں گے تو بھی کام کا نہیں، اب تو نیا

پودا لگانا پڑے گا۔ یہ معمولات کوئی معمولی چیز نہیں ہے، اس کا اہتمام ہونا چاہیے۔

خشوع کا آخری درجہ: مشاہدہ

خشوع پر بات چل رہی تھی کہ سب سے پہلے تو نماز کے اذکار کے الفاظ پر دھیان دینے کی ضرورت ہے، جب یہ مرحلہ طے ہو جائے اور یہ کیفیت حاصل ہو جائے اور اللہ تبارک وتعالی نے آپ کو یہ نعمت عطا فرما دی کہ الفاظ کی طرف پورا دھیان ہوتا ہے تو اس کے بعد ان کے معانی کی طرف توجہ اور دھیان دینے کا مرحلہ آتا ہے کہ جب آپ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ پڑھ رہے ہوں تو تصور کیجیے کہ میں اللہ تعالی کی حمد وثنا بیان کر رہا ہوں: ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، وہ رحمٰن ہے، رحیم ہے، اس کی شانِ رحیمیت کا استحضار کرو اور جب اس میں کمال حاصل ہوگا تو پھر: أَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ[۱] حاصل ہوگا یعنی یہ تصور کہ میں اللہ کے سامنے کھڑا ہوں اور میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں۔ یہاں تو پہلے ہی دن یہ چاہتے ہیں کہ یہ درجہ حاصل کرلوں۔ خشوع خضوع کے یہ مراحل اس وقت تک حاصل نہیں ہوں گے جب تک اس پر اس انداز میں عمل نہیں کریں گے، یہ پہلے ہی دن حاصل ہونے والا نہیں ہے۔

انسانی دماغ میں بیک وقت دو چیزوں کی طرف دھیان دینے کی صلاحیت نہیں ہے

اللہ تبارک وتعالی نے انسان کا دماغ ایسا بنایا ہے کہ بیک وقت دو چیزوں کی طرف

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ، بَابُ سُؤَالِ جِبْرِيلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الإِيمَانِ وَالإِسْلَامِ إلخ،

دھیان نہیں دے سکتا، اگر ہم اپنا دھیان اور توجہ نماز کے اذکار کی طرف لگائیں گے تو وساوس اور خیالات کی طرف سے ہمارا دھیان خود بخود ہٹ جائے گا اور اگر خیالات کی طرف دھیان دینے گئے تو شیطان اپنے مقصد میں کامیاب ہوجائے گا کہ اس کا مقصد ہی انسان کی توجہ کو اللہ کی عبادت سے ہٹانا ہے۔

بے اختیار خیال کا آنا بالکل مضر نہیں ہے

اگر ہماری ان ساری کوششوں کے باوجود خیال آجائے تو اس کی وجہ سے نماز نہ تو فاسد ہوگی اور نہ نماز کے اجر وثواب میں کوئی کمی آئے گی۔ آپ نے فقہ کی کتابوں میں پڑھا کہ نماز کے اتنے فرائض ہیں، اتنے واجبات، سنن اور مستحبات ہیں، اس کے مطابق نماز کو ادا کرنا ہے۔ اسی طرح نماز کے مفسدات اور مکروہات بھی پڑھے، اس میں کہیں یہ آیا کہ وسوسہ مفسدِ صلوۃ ہے؟ جب نہیں آیا تو تم کاہے کو فکر کرتے ہو!، آتا ہے تو آنے دو، ہمیں تو کتاب میں نماز کا جو طریقہ آیا ہے، اس کے مطابق نماز پڑھنا ہے اور ہم اس کی کوشش نہیں کرتے، یہ ساری گڑبڑ اسی کی ہے، اس کی فکر کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ کسی روایت میں بھی ایسا نہیں آیا ہے کہ خیالات کے آنے کی وجہ سے اجر و ثواب میں کوئی کمی آجاتی ہے۔

نماز میں خیالات کبھی حالات کے تقاضے کی وجہ سے آتے ہیں

اور بہت سی مرتبہ تو یہ خیالات حالات کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ جیسے ایک آدمی ہے، اس کو پولیس نے بلا کسی وجہ اور جرم کے گرفتار کرلیا یا اس کو الٹی میٹم دے دیا، اب

ظاہر ہے کہ وہ جن حالات سے گذر رہا ہے، اس کی وجہ سے نماز کے دوران اس کا خیال تو آئے گا۔

ایک آدمی کا بیٹا بیمار ہے، قریب المرگ ہے، بالکل آخری حالت میں ہے تو وہ جن حالات سے گذر رہا ہے، نماز میں بھی اس کے خیالات آنے والے ہیں۔ یہ تو حالات کا تقاضا ہے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ قرآن تو یوں کہتا ہے کہ ان حالات کے تقاضے کے مطابق اسی طریقے سے آپ نے نماز پڑھی، وہی آپ کے حق میں کامل نماز ہے۔

حالات کے تقاضے کے تحت پڑھی جانے والی نماز قرآن کی روشنی میں کامل ہے

قرآن میں جہاں صلوۃ الخوف کا طریقہ بتایا گیا ہے، وہاں یہ بھی ارشاد ہے: ﴿فَاِذَا اطْمَاْنَـنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾[النساء:۱۰۳]: جب تمھیں ان حالات سے اطمینان حاصل ہو جائے تو تم نماز کو اس کے مکمل اور اصل طریقے کے مطابق پڑھو۔ معلوم ہوا کہ ابھی ہم خوف کی جس حالت میں تھے، اس میں ہم نماز کو کما حقہ نہیں پڑھ پائے۔ یہ حالات کا تقاضا ہے، پڑھنا چاہے تو بھی نہیں پڑھ سکتے۔

اصل مقصود کیفیت نہیں ہے

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کے اندر کیفیات حالات کی وجہ سے بدلتی رہتی ہیں، چاہے کیسا ہی بڑا بزرگ ہو، جب پریشانی والا معاملہ آ گیا تو جب اس زمانے میں وہ نماز پڑھے گا تو اس کی نماز میں بھی وسوسے اور خیالات تو آئیں ہی گے؛ اس لیے اس

کی وجہ سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیفیت مقصود نہیں ہے، نماز خود مقصود ہے۔ نماز میں کیا چیزیں مقصود ہیں، وہ میں نے بتلادیا کہ اس کی شرطیں، ارکان، فرائض اور واجبات مقصود ہیں، ہم ان تمام چیزوں کو بجالائیں، کیفیت چاہے لذت کی ہو یا نہ ہو، پورا ثواب ملے گا بلکہ حالات کے ناموافق ہونے کے باوجود ہم اس طرح نماز کو مکمل طور پر ادا کریں گے تو لذت کے بغیر بھی ہم کو ثواب زیادہ ملے گا؛ کیوں کہ مجاہدہ زیادہ ہے؛ اس لیے فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن بات وہی ہے کہ نفس اور شیطان نے ہمیں ایسا الجھادیا کہ غیر ضروری باتوں کے پیچھے ایسے پڑ جاتے ہیں کہ اصل مقصود ایک طرف رہ جاتا ہے، جیسے کوئی آدمی وہم کا شکار ہو تو ساری دنیا اس کو سمجھاتی ہے لیکن وہ سمجھنے کو تیار نہیں ہوتا۔

نماز میں وساوس آنے کی ایک حکمت

اوران خیالات کے آنے میں بھی اللہ تبارک وتعالی کی بڑی حکمت ہے کہ اگر مجھے اور آپ کو اللہ ایک ایسی نماز عطا کردے کہ جس میں ایک لمحے کے لیے بھی کوئی خیال نہ آوے تو معلوم نہیں، ہم خود کو کیا سمجھنے لگیں گے، جب کہ ایک نماز بھی ایسی ہمیں آج تک میسر نہیں ہوئی، پھر بھی ہم خود کو پتہ نہیں کیا کیا سمجھتے ہیں کہ میرے پاس تو جبرئیل آتے ہیں، رات کو ذرا ایک دو آنسو آنکھ سے گرے تو نفس نے ایسا دھوکہ دیا کہ بس! اب تو تیرا مقام بہت اونچا ہوگیا، اب تو تیرے پاس حضرتِ جبرئیل کے وحی لے کر آنے کی ہی دیر ہے۔ اب اگر ایسی صرف دو رکعت نماز ہمیں نصیب ہوگئی کہ جس میں کوئی وسوسہ نہیں

آیا تو آپ بتاؤ! یہ دو رکعت نماز ہمیں کہاں لے جائے گی؟ جنت میں لے جائے گی؟ ارے! ساری دنیا کی تحقیر اور سب لوگوں کی تنقیص میں ایسے پڑیں گے کہ ہمارا دین برباد ہو جائے گا، یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان ہے۔

یہ قدم اٹھتے نہیں، اٹھائے جاتے ہیں

اس لیے اس چکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے موقع پر لکھا ہے:

به درد وصاف ترا حکم نیست دم در کش		که آنچه ساقیٔ ما ریخت، عین الطاف است

آپ مے خانے میں پہنچ گئے تو اب جیسی بھی شراب کا جام آپ کو ملا، صاف شفاف ملا یا گدلا ملا، اس میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، ساقی نے آپ کو جو بھی دیا، اسی کو لے لو۔ مے خانے یعنی مسجد میں جب ہم آ گئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم سے جو نماز ادا کروائی، وہ اللہ کا کرم ہے۔ اللہ! تیرا شکر ہے، میں تو اس لائق بھی نہیں تھا کہ مسجد میں آتا، تو اپنے فضل سے مجھے مسجد میں لایا، تیرے سامنے سجدہ ریز ہونے کی تو نے مجھے توفیق عطا فرمائی، ورنہ اپنی نالائقی اور گناہوں کی وجہ سے مجھ میں تو اتنی بھی اہلیت نہیں تھی۔ یہ تصور اور سوچ رہے تو ان شاء اللہ ان وساوس کی وجہ سے ہونے والی پریشانی سے بھی نجات مل جائے گی۔

وہم کی حقیقت

نماز میں وسوسے کے قبیل سے ایک اور چیز وہم ہے۔ یہ وہم ایک مرض ہے لیکن

وسوسے کا تذکرہ ہورہا ہے تو میں اس کو بھی بتلا دیتا ہوں۔ وہم کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگوں کے مزاج میں ذہنی یا حافظے کی کمزوری کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے ایسا ہوتا ہے کہ وہ وہم کا شکار ہو جاتا ہے۔ وضو کیا اور اس کے بعد یہ سوچنے لگا کہ میری کہنی خشک رہ گئی یا وضو کرتے کرتے ہی ہاتھ دھویا پھر دھویا پھر دھویا، بعض تو ایسے ہیں کہ گھنٹہ لگ جاتا ہے اور دھوئے جارہے ہیں، دھوئے جارہے ہیں لیکن ان کا وضو مکمل ہونے کا نام نہیں لیتا، حالاں کہ نماز ہوگئی، ساری دنیا جماعت کے ساتھ نماز پڑھ کر چلی بھی گئی اور یہاں ان کا ابھی وضو ہی ہورہا ہے۔ یہ وہم ہے، وسوسہ نہیں۔

وہم کا علاج: قصداً اس کے خلاف کرنا

اس وہم کے بارے میں بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتلا دیا اور بزرگوں نے بھی بتلا دیا کہ وہم کا علاج یہ ہے کہ آپ قصداً اس کے خلاف کیجیے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ پڑھا، حضرت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ وضو کرنے کے بعد فارغ ہو کر جارہا تھا کہ خیال آیا کہ داہنی کہنی خشک رہ گئی تو دوبارہ جا کر اس کو دھولیا پھر دھو کر وہاں سے لوٹ رہا تھا کہ پھر خیال آیا کہ بائیں کہنی خشک رہ گئی تو دل میں کہا کہ چلو! شک دور کرلو۔ گیا اور دھولیا پھر لوٹ رہا تھا کہ خیال آیا کہ ٹخنہ خشک رہ گیا تو میں نے کہا کہ اچھا حضرت! آپ ہیں، گرو گھنٹال ہیں، نہیں جاؤں گا۔ بغیر وضو کے نماز پڑھوں گا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ اگر میں اس وقت اس کے تقاضے پر میں عمل کرلیتا تو پوری زندگی یہ بیماری لگ جاتی۔

موطا امام مالک میں ہے کہ ایک آدمی حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ۔ کہ جو اکابرِ

تابعین میں سے ہیں- کے پاس اور کہنے لگا کہ نماز کے دوران مجھے یہ خیال آتا ہے کہ کوئی قطرہ نکل آیا، میں نماز توڑ دیتا ہوں اور جا کر دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بھی نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ تم یہ ٹھان لو کہ جب تک کہ پیشاب نکل کر ران پر بہنے نہ لگے، وہاں تک نماز نہیں توڑوں گا①۔

بخاری اور حدیث کی تمام کتابوں میں یہ واقعہ ہے کہ ایک آدمی کو وضو ٹوٹنے کا شبہہ ہو جاتا تھا، اس نے آکر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لاَيَنْصَرِفْ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا②: جب تک کہ آواز نہ سن لے یا بو محسوس نہ کر لے، وہاں تک نہ ہٹے۔

آج کل کے یہ محققین!

تو کیا اس کا مطلب یہ تھا کہ ایک آدمی کو یقین ہے کہ ریح خارج ہوئی لیکن بو نہیں آئی، آواز نہیں آئی تو وہ وضو نہ کرے؟ آج کل تو بہت سے ایسا بھی کرتے ہیں۔ آج کل کے کچھ محققین ایسا کرتے ہیں، یہ آج کل کے محققین جو ایسا سمجھتے ہیں کہ ہم براہِ راست حدیث پر عمل کر سکتے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرما رہے ہیں؛ اس لیے جب تک ہم کو بو نہیں آتی یا ہم آواز نہیں سن لیتے، ہمارا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ حالاں کہ یہ جواب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آدمی کو دیا تھا جو وضو کے ٹوٹنے کے معاملے میں وہم کا شکار تھا۔

---

①موطأ الإمام مالك،بَابُ الرُّخْصَةِ فِي تَرْكِ الْوُضُوءِ مِنَ الْمَذْيِ.

②صحيح البخارى،عَنْ عَبَّادِبْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ عَبْدِ الله بْنِ زَيْدٍ رضی اللہ عنہ،بَابُ مَنْ لاَ يَتَوَضَّأُ مِنَ الشَّكِّ حَتَّى يَسْتَيْقِنَ.

وہم انسانی زندگی کو اجیرن بنانے والا مرض ہے

یہ وہم آدمی کو زندگی کو اجیرن بنا دیتا ہے: بعض لوگوں کو وہم ہوتا ہے کہ میری بیوی کا کسی دوسرے آدمی کے ساتھ تعلق تو نہیں ہے! بس! اس کی وجہ سے اس کی بیوی بھی پریشان اور خود بھی پریشان!۔ بعض لوگوں کو وہم ہوتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق تو نہیں دے دی!۔ مفتیوں سے پوچھتا رہتا ہے، کوئی اور ملتا ہے تو اس کو پوچھتا ہے۔ ایسے ایسے عجیب وغریب اوہام ہوتے ہیں۔

شیطان کتا ہے

اس کا یہی ایک علاج ہے کہ آپ جان بوجھ کر اس کے خلاف کریں۔ ایک دو مرتبہ ایسا کریں گے تو شیطان سمجھ جائے گا کہ یہ میری بات پر عمل کرتا نہیں تو وہ اس کا پیچھا چھوڑ دے گا۔ شیطان تو کتا ہے۔

ایک آدمی کہیں جا رہا ہے اور راستے میں کتوں نے بھونکنا شروع کیا تو اب اس مسافر کو چاہیے کہ اس کی طرف دھیان نہ دے، بس چلتا رہے، چلتا رہے۔ اب اگر وہ کتے کو بھگانے کی کوشش کرے گا تو کتا اور بھی اس کے پیچھے پڑے گا اس لیے یہ جتنا چاہے بھونکتا رہے اور مسافر چلتا رہے، اس کتے کی بھی ایک حد مقرر ہے، اس کے آگے یہ بالکل نہیں بڑھتا۔ یہی حال شیطان کا ہے کہ اس کے وساوس اور اوہام کی طرف بالکل دھیان نہ دیں تو وہ مایوس ہو کر چلا جائے گا، ورنہ اس کتے کی طرح پیچھا نہیں چھوڑے گا۔

نماز میں آنے والے وساوس کی حقیقت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان وساوس اور خیالات کا حال تو ایسا ہے، جیسے کسی کو بادشاہ نے بلایا ہو کہ آج دس بجے ہمارے یہاں آجانا، ہم آپ کے ساتھ بیٹھیں گے، آپ سے بات چیت کریں گے، آپ کو انعامات سے نوازیں گے۔ اب وہ بادشاہ کی مجلس میں دس بجے حاضری دینے کے ارادے سے نو بجے نکلا کہ آدھ پون گھنٹے کا راستہ ہے تو دس، پندرہ منٹ پہلے پہنچ جاؤں گا۔ راستے میں کتوں نے اس کو گھیر لیا، ایک اِدھر سے بھونک رہا ہے، دوسرا اُدھر سے بھونک رہا ہے۔ یہ ان کتوں کو ہٹانے کی کوشش کر رہا ہے کہ میں ان کو ان کے ٹھکانے پر پہنچا کے آؤں تو نہ وہ ان کے ٹھکانے پر پہنچیں گے اور نہ یہ بادشاہ کی مجلس میں پہنچ پائے گا۔ اس طرح گیارہ بج گئے، وقت نکل گیا۔ سمجھ داری کی بات یہ ہے کہ تم اپنا کام کرو، ان کو اپنا کام کرنے دو، یہ تو بھونکتے رہیں گے، اگر ان کو ہٹانے میں لگیں گے تو ہمارا وقت ضائع ہوگا اور مقصد فوت ہوجائے گا۔

سختیٔ رہ سے نہ ڈر، ایک ذرا ہمت تو کر

بس! وساوس کا موضوع بڑا طویل و بسیط ہے، اس کو یہیں ختم کرتا ہوں، اتنا سمجھ لیں کہ نماز میں خشوع پیدا کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ جب آپ یہاں آئے ہیں اور آپ نے اپنے آپ کو اللہ تبارک وتعالی کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے لیے فارغ کیا ہے تو اس کا حق اور تقاضا یہ ہے کہ آپ آج ہی سے یہ طے کرلیں کہ مجھے اسی طریقے سے نماز ادا کرنی ہے۔ اللہ تعالی مجھے آپ کو، سب کو توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

سالکین کی رہنمائی کرنے والا کیمیا گر کا ایک عجیب قصہ

رمضان میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ایک قصہ بڑے اہتمام سے سالکینِ طریقت کے لیے عبرت کے واسطے سنایا کرتے تھے، کوئی رمضان ایسا نہیں گذرا جس میں حضرت نے یہ واقعہ نہ سنایا ہو بلکہ کئی کئی مرتبہ یہ واقعہ سنانے کی نوبت آتی تھی اور بڑی لذت لے کر بڑے لطف کے ساتھ حضرت سناتے تھے اور وہ کیمیا گر کا قصہ اس لیے سناتے تھے کہ ہمیں اس راہ میں کس طرح چلنا ہے، وہ سمجھ میں آوے:

کیمیا کی حقیقت

ایک عجیب قصہ بڑی عبرت کا اپنے والد صاحب سے میں نے کئی مرتبہ سنا کہ ایک بادشاہ تھا، اس کو کیمیا کی دُھن تھی۔ (کیمیا تو جانتے ہو؟ یہ تانبا، پیتل، لوہے وغیرہ دھات کو سونا بنانے کی ترکیب! کچھ ایسی بوٹیاں آتی ہیں، کچھ ایسی چیزیں آتی ہیں کہ اگر ان کو ان دھاتوں پر لگا دیا جاوے، گِھس دیا جاوے تو وہ تانبا، پیتل، لوہا، سونا بن جاتا ہے، اس کو کیمیا کہتے ہیں۔)

خزانوں کے دیوانے

(پرانے زمانے میں لوگوں کو اس کا بڑا شوق رہتا تھا تو بہر حال! اس) بادشاہ کو کیمیا کی دھن تھی اور جس کو یہ بیماری لگ جاتی ہے، جیسے وہ زیرِ زمین دبا ہوا خزانہ۔ بعض لوگ ایسے خزانوں کی جستجو اور تلاش میں ایسے پڑ جاتے ہیں کہ اپنے پاس جو دولت ہوتی ہے، اس کو بھی اس کے پیچھے ضائع کر دیتے ہیں اور خزانہ تو ہاتھ آتا نہیں، یہی حال اس

کیمیا کا ہے کہ جس آدمی کو کیمیا کی لت پڑ جاتی ہے تو وہ اس طرح پاگل ہوتا ہے کہ بس! کسی بھی طرح اس کو یہ چیز حاصل ہو جاوے)۔

ایک بادشاہ اور کیمیا کی دُھن

بہر حال! ایک بادشاہ کو کیمیا کی دُھن تھی اور یہ تو سب کو معلوم ہے کہ جس کو کیمیا کا مرض لگ جاتا ہے، اس کی عقل و ہوش شطرنج کے کھلاڑیوں سے بھی زیادہ کھوئی جاتی ہے، (آج کل اس کی مثال یہ دی جاسکتی ہے کہ اس کی عقل و ہوش کرکٹ کے کھلاڑیوں سے بھی زیادہ کھوئی جاتی ہے) میں نے اپنے کئی دوستوں کو دیکھا جن کو اس کا چسکا تھا، جب کہیں راستے میں ان کا ساتھ ہو جاتا تو وہ قدموں پر نگاہ جمائے کبھی اِدھر کبھی اُدھر دیکھتے جایا کرتے اور جہاں کہیں شبہہ ہو جاتا، وہاں کھڑے ہو کر اور بوٹیوں کو دیکھ کر مل مل کر سونگھتے رہتے۔ (کہ کہیں یہ وہی بوٹی نہ ہو جو کیمیا میں مطلوب ہے) بادشاہ بھی اسی فکر میں ہر وقت رہتا، وزراء کا ناطقہ بند کر کھتا۔

سقہ کی حقیقت

ایک وزیر نے کہا کہ حضور! اتنے متفکر رہتے ہیں، حضور کی سلطنت میں تو فلاں سقہ (آج کل تو یہ واٹر ورکس ہو گئے، پائپ لائن ہو گئی، اس لیے یہ چیز نہیں رہی۔ پہلے زمانے میں سقّے ہوا کرتے تھے، بڑے مشکیزے کنوؤں سے بھر کر کے لوگوں کے گھروں میں جا کر کے لوگوں کو پانی پہنچایا کرتے تھے، گجراتی میں اس کو ''بِھشتی'' کہتے ہیں) فلاں جگہ رہتا ہے، بڑا ماہر ہے، اسے خوب بنانی آتی ہے۔

کیمیاگر سقہ بادشاہ کے حضور میں

بادشاہ کو بڑی حیرت ہوئی، کہنے لگا: ہماری سلطنت میں اس کا جاننے والا ہے اور ہم اتنے پریشان ہورہے ہیں! چار سنتری (سپاہی) بھیج دئے کہ اس سقّے کو پکڑلاؤ۔ سقہ پیش ہوا، کپڑے پھٹے ہوئے، لنگوٹا بندھا ہوا۔ سقّے ایسے ہی ہوتے تھے، بدن پر بجائے کرتے کے گاڑھے کی کمری (کمری چھوٹا سا کرتا ہوتا ہے، کمر تک آتا ہے؛ اس لیے اس کا نام کمری ہے) بہت پھٹی ہوئی۔ بادشاہ کو اس کی صورت دیکھتے ہی اول تو بہت نفرت ہوئی، اس سے پوچھا: تجھے کیمیا آوے؟ اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا: حضور! آپ تو بادشاہ سلامت ہیں، سمجھ دار ہیں، دنیا کے حاکم ہیں، اگر مجھے کیمیا آتی تو میرا یہ حال ہوتا جو حضور دیکھ رہے ہیں؟ میں بھی کوئی محل ایسا ہی بناتا، جیسا حضور کا ہے۔

بات معقول تھی، بادشاہ کے بھی سمجھ میں آگئی، چھوڑ دیا اور اس وزیر کو بلاکر ڈانٹا، وزیر نے قسم کھائی: حضور! مجھے تو خود تجربہ ہے، اس کو خوب آتی ہے۔

کیمیا جاننے کی دھن میں بادشاہ کی بادشاہت میں فقیری

بادشاہ نے سلطنت کا انتظام ولیٔ عہد کے سپرد کیا (یعنی اپنے بعد اپنے جس بیٹے کو اپنا نائب بنانا تھا، انتظام اس کے حوالے کیا) بدن پر بھبھوت ملا (تاکہ جسم کا اصلی رنگ اور خوبصورتی چھُپ جائے) تاکہ پہچانا نہ جائے اور اس وزیر کو ساتھ لے کر سقہ کے گھر پہنچا۔ جب اس نے گھر کا نشان بتادیا تو وزیر کو چلتا کردیا۔ حُبُّكَ الشيءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ: کسی چیز کی محبت آدمی کو اندھا بہرا کردیتی ہے۔

کیمیا گر کی مصاحبت حاصل کرنے کے لیے بادشاہ کی چارہ جوئی

جب وہ سقہ گھر سے نکلا تو یہ بیٹھا رہا، جب وہ صبح کو پانی ڈالنے کے لیے جانے لگا تو یہ اس کے ساتھ ہولیا، کہنے لگا: بڑے میاں! آپ تو بڑے بڈھے ہوگئے ہیں، آپ کو تو بڑی دقّت ہوگی، میں تو گھر سے فالتو ہوں، مارا مارا پھرتا ہوں، اگر آپ مجھے کچھ ٹھکانے بتادیں تو میں ہی گھروں میں جاکر پانی ڈال آیا کروں گا۔ سقہ نے کہا: نہیں بھائی! میری تو روزی اسی میں ہے، تو اپنا کام کر۔ کہنے لگا: بڑے میاں! تم مجھے کچھ ایسے اچھے ہی بہت لگو، میں تو تمھاری خدمت میں رہنا چاہتا ہوں، تم سے کچھ مانگنے کا نہیں، نہ مجھے روٹی چاہیے، نہ کچھ اور۔

اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خدمت گاروں کو بھوکا کیسے رکھ سکتے ہیں؟

شام کو سقہ نے- جب وہ روٹیاں مانگ کر لایا- بادشاہ کی تواضع کی (وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ بادشاہ ہے) مگر اس نے انکار کردیا کہ مجھے بالکل بھوک نہیں ہے۔ غمزدہ ہوں، پریشان ہوں، میں تو کئی کئی دن کا فاقہ کرتا ہوں۔ سقّے نے بڑے اصرار سے دو چار لقمے کھلائے۔ یہاں پھر میں وہی کہوں گا جو ابھی ماموں عثمان کے قصّے میں کہہ کے آیا ہوں (حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ موقع بموقع علماء کو اس طرف متوجہ کرتے تھے) کہ آپ اللہ کے دین کا کام کرتے ہیں، اللہ جو ساری دنیا کو روزی دیتا ہے اور سارے خزانوں کا مالک ہے، کیا آپ اس کے دین کا کام کریں گے اور وہ آپ کو بھوکا رکھے گا؟ (حضرت ہمیشہ یہ بتلایا کرتے تھے) البتہ اتنا ہے: کون سچا، کون جھوٹا، کون مخلص، کون منافق تو اس کی

سچائی اور اخلاص کو معلوم کرنے کے لیے تھوڑی آزمائش میں ڈالا جاتا ہے۔ (یہاں حضرت اسی کو یاد دلا رہے ہیں)۔

ایک سقّے کی غیرت نے تو گوارا نہیں کیا کہ ایک آدمی اس کا کام کرے اور بغیر اس کے روٹی کھائے مگر ہم لوگوں کو اس کا بالکل یقین نہیں آتا کہ ہم اخلاص سے اللہ کا کام کریں اور وہ ہمیں بھوکا مار دے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ سقہ عالم الغیب نہیں تھا؛ اس لیے دھوکے میں آ گیا۔ مالک یعنی اللہ عالم الغیب ہے، اسے حقیقتِ حال معلوم ہے، اسے معلوم ہے کہ کون اخلاص سے مالک کا کام کر رہا ہے اور کون دھوکے سے کر رہا ہے۔

میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تماشا ان کا

غرض! بادشاہ نے سقّے کی بہت ہی خدمت کی، دن بھر اس کا پانی بھرتا، رات کو جب سقہ لیٹتا تو اس کا خوب بدن دباتا، ہٹّا کٹّا جوان تھا۔ سقّے کو بھی پانچ سات دن میں وہ مزا آ گیا کہ لطف ہی آ گیا۔ دو تین مہینے سقّے نے خوب ٹٹولا، خوشامد کی، کچھ کھانے کو کچھ پیسے مقرر کر لے۔ بادشاہ نے کہا: جی میاں! مجھے مزدوری کرنی ہوتی تو دنیا میں بہت مزدوریاں تھیں، مجھے تو تم بہت ہی اچھے لگتے ہو، میں تو راستے میں بیٹھ گیا تھا، تمھاری صورت مجھے کچھ بہت ہی اچھی لگی۔ اگلا شعر تو میں نے اپنے والد سے نہیں سنا مگر واقعے کے مناسب تھا، یاد آ گیا:

گرے میری نظروں سے خوبانِ عالم		پسند آ گئی تیری صورت کچھ ایسی
دیر و حرم میں روشنی شمس و قمر سے ہو تو کیا		مجھ کو تو تم پسند ہو، اپنی نظر کو کیا کروں

گورے کالے پر نہیں موقوف		دل کے آنے کے طریقے نرالے ہیں
دیدِ لیلیٰ کے لیے دیدۂ مجنوں ہے ضرور		میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تماشا ان کا

بادشاہ کی طرف سے سقہ کی خدمت گزاری

غرض! بادشاہ نے محبت کے وہ جذبے دکھائے کہ سقہ بھی سوچ میں پڑ گیا کہ یہ بڑھاپے میں عاشقِ زار کہاں سے پیدا ہو گیا، کبھی کہتا کہ ابّا جی! لونگی باندھ کے کپڑے دے دو، میں کپڑے دھلاؤں! ارے بھائی! میں تو خود ہی دھولوں گا۔ اجی! تم بڑھاپے میں کہاں تکلیف اٹھاؤ گے۔ ان میں جوئیں ڈھونڈتا، خوب پٹڑے پر چھیت چھیت کر صاف کرتا، کچھ پیسے تو ضرور ساتھ ہوں گے، بڈھے کو جھانسا دے کر اِدھر اُدھر سے کچھ کھا لیتا مگر بڈھے کے سامنے اپنے فقر وفاقہ اور زہد کا زور خوب دِکھاتا۔

کیمیا کا گر بتانے پر سقہ کا اصرار اور بادشاہ کا مکارانہ انکار

چار پانچ مہینے بعد بڈھے نے کہا: ارے لونڈے! مجھے کیمیا آوے، بادشاہ نے بھی مجھ سے پوچھا تھا (بادشاہ کے نام کی گالی دے کر) میں نے اس کو بھی انکار کر دیا، تجھے ضرور بتاؤں گا۔ بادشاہ کی جان میں جان تو ضرور آ گئی مگر زبان سے اتنی سختی سے انکار کیا کہ کیمیا کی ایسی تیسی! مجھے کیا کرنا! مجھے تو تمھاری محبت نے مار رکھا ہے۔

آٹھ دس دن تک سقہ اصرار کرتا رہا، بادشاہ انکار کرتا رہا۔ ایک دن سقہ نے کہا کہ میں بڈھا ہو گیا ہوں، یہ علم میرے ساتھ ہی چلا جائے گا، کسی اور کو تو میں بتانے کا نہیں، تجھے ضرور بتاؤں گا۔ بھائی! محبت سے محبت ہوتی ہے، مجھے بھی تجھ سے محبت ہو گئی،

اگر چہ تو نے مجھے اپنا حال تو بتایا نہیں: تو کون ہے؟ کہاں سے آیا۔ ابّا جی! کیا اپنا حال بتاؤں! لاوارث ہوں، یونہی مارا مارا پھرتا ہوں، گھر بھی بھول بھال گیا، کہاں تھا، اب تو تم ہی اپنا بیٹا بنالو۔

کیمیا کا طریقہ جان لینے کے بعد بادشاہ کا فرار

غرض میں تو آدمی گدھے کو بھی باپ بنالیتا ہے، یہ تو پھر بہر حال آدمی تھا۔ ایک دن سقہ صبح ہی صبح بادشاہ کو لے کر جنگل گیا اور ۲۵، ۳۰/ بوٹیاں اس کو خوب دکھائیں اور اسی سے تڑوائیں اور گھر آکر اسی سے کیمیا بنوائی۔ بادشاہ تو اس پر مر ہی رہا تھا، خوب غور سے دیکھا اور رات ہی کو بھاگ گیا۔

اگلے دن سقہ ماتھا ملتا رہ گیا، کم بخت بہت ہی دھوکہ باز تھا، بے ایمان یوں کہے تھا کہ مجھے تو تم سے محبت ہے۔ ہائے! انجان آدمی سے تو کبھی منہ نہ لگائے۔

میاں کیمیا تو پاؤں دبانے سے آتی ہے، بادشاہ بن کر نہیں آتی

اپنے تخت پر پہنچ کر ان ہی سنتریوں کو بھیجا کہ سقہ کو پکڑ لاؤ! (سقہ آیا تو) بادشاہ نے پوچھا: ارے سقّے! سنا، تجھے کیمیا آتی ہے؟ اجی میاں! آپ نے تو پہلے بھی پوچھا تھا، اگر مجھے کیمیا آتی تو یوں مارا مارا پھرتا؟ مگر پانچ چھے مہینے جس نے پاؤں دبائے ہوں، وہ کہاں چھپ سکتا تھا، سقہ اس کے منہ کو گھورتا رہا۔ بادشاہ نے کہا کہ مجھے بھی پہچان لیا؟ سقہ نے کہا: میاں! خوب پہچان لیا۔ بادشاہ نے کہا: پھر تو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ سقہ نے کہا کہ میاں کیمیا تو پاؤں دبانے سے آتی ہے، بادشاہ بن کر نہیں آتی، میاں کیمیا کے لیے تو

سقہ بننا ضروری ہے۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور اسے بہت انعام دیا۔ اگلا شعر بھی میرا سنا ہوا نہیں، میری ہی طرف سے اضافہ ہے:

تمنا دردِ دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا ہے یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
سرخ رو ہوتا ہے انساں ٹھوکریں کھانے کے بعد
رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ گھس جانے کے بعد

سقّے نے بات تو بہت صحیح اور پتے کی کہی، خاکساری، تواضع اور خوشامد سے جو ملتا ہے، وہ بڑائی اور تکبر سے نہیں ملتا۔ اس قسم کے قصے تو اپنے بڑوں سے بہت سن رکھے ہیں مگر سارے رسالے میں نمونے ہی لکھوائے ہیں۔

مپندار جانِ پدر گر کسی		کہ بے سعی ہرگز بجائے رسی

میرے والد رحمۃ اللہ علیہ محنت، جفاکشی، پستی کے بڑے قصے سنایا کرتے تھے اور اللہ تعالی انھیں بہت ہی جزائے خیر دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاک ارشاد ہے: مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ[1]: جو اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے، اللہ اسے بلند درجے عطا فرماتے ہیں، یہاں تو تواضع بھی اللہ کے لیے نہیں تھی، غرض کے واسطے تھی مگر تواضع اور سقّے کے پاؤں دبانے نے کیمیا سکھا دیا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

① شعب الإيمان، عن عمر بن الخطاب، فَصْلٌ فِي التَّوَاضُعِ، وَتَرْكِ الزَّهْوِ، والصَّلَفِ، وَالْخُيَلَاءِ، وَالْفَخْرِ، وَالْمَدْحِ، رقم الحديث: ۷۷۹۰.

موت کی تیاری

بمقام: منی پور

اقتباس

قیامت کے دن لوگ تمنا کریں گے کہ ہم کو دنیا میں کچھ اور موقع دیا جاتا تو ہم کچھ کرتے تو اللہ تبارک وتعالی فرمائیں گے: ﴿اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيْرُ﴾[فاطر: ۳۷] : ہم نے تم کو اتنی زندگی نہیں دی تھی کہ اگر اس میں کوئی آدمی سُدھرنا چاہتا، نیک بننا چاہتا، نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو وہ سُدھر سکتا تھا، نیک بن سکتا تھا، نصیحت حاصل کر سکتا تھا اور ہماری طرف سے ڈرانے والے بھی آئے تھے، ہم نے رسول بھیجے تھے جنھوں نے آ کر موقع بموقع تم کو ڈرایا، وارننگ دی کہ دیکھو! موت آنے والی ہے، اس کی تیاری کرو، اس کے باوجود بھی تم خوابِ غفلت میں پڑے رہے۔ اللہ تبارک وتعالی نے اتنی عمر دی ہے، اس میں موت کی تیاری کرنا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلامضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، صلى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا.

أمابعد: فَأَعُوْذُ بِاللّٰه مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ:﴿اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيْرُ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ﴾ [فاطر: ٣٧]

وقال النبي ﷺ:اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنَّى عَلَى اللّٰهِ[١].

وقال النبى ﷺ: اغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ، شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ، وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ، وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ، وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغُلِكَ، وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ[٢]أو كماقال عليه الصلوة والسلام.

---

① سنن الترمذى،عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ ؓ،رقم الحديث:٢٦٤٧.

① شعب الإيمان،عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله تعالى عنهما،بَابٌ فِي الزُّهْدِ وَقِصَرِ الْأَمَلِ .

احادیثِ مبارکہ کا مختصر مفہوم

ابھی آپ کے سامنے قرآنِ پاک کی ایک آیت کا ایک حصہ اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو ارشادات پڑھ کر سنائے گئے، پہلی حدیث جو آپ کو پڑھ کر سنائی گئی، اس میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَابَعْدَالْمَوْتِ: ہوشیار، چالاک اور سمجھ دار وہ آدمی ہے جو اپنے نفس کو زیر کرے، قابو میں رکھے، اس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد والی زندگی کے لیے عمل کرے، اس کی تیاری کرے۔ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا: اور بے وقوف وہ آدمی ہے جو اپنی ذات کو خواہشات کے پیچھے چلاوے اور اللہ تبارک وتعالی سے امید باندھے۔

ایک عام انسانی مزاج

آدمی کا مزاج ہے کہ وہ گناہ کرتا رہتا ہے اور جب اس کو کہا جاتا ہے کہ یہ اللہ کی نافرمانی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی تو غفور رحیم ہیں، معاف کرنے والے ہیں لیکن اللہ تبارک وتعالی نے اپنی مغفرت کے واسطے بھی کچھ ضابطے اور اصول بنائے ہیں جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتلا دئے ہیں۔

مغفرتِ الٰہی کے بھی کچھ اصول وضوابط ہیں

ایک کافر ہے، وہ کفر کرتا ہے، شرک کا ارتکاب کرتا ہے، ہم اس کو کہیں کہ اسلام قبول کرلو، مسلمان ہو جاؤ اور وہ جواب میں کہے کہ اللہ تبارک وتعالی تو غفور رحیم ہیں تو ہم کیا کہیں گے؟ ہم جواب میں کہیں گے کہ اللہ تبارک وتعالی کا قرآنِ پاک میں ارشاد

ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ﴾ [النساء:۱۱۶] کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اگر کسی کو شریک کیا جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ معاف نہیں کرتے، دوسرے گناہوں کو جتنا چاہتے ہیں، جس کے لیے چاہتے ہیں، معاف کردیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے لیے بھی کچھ اصول اور کچھ ضوابط ہیں؛ اس لیے یہ کہہ کر کہ 'اللہ تبارک وتعالیٰ تو غفور رحیم ہیں' اپنے آپ کو گناہوں میں مبتلا کرنا، یہ بہت بڑی حماقت ہے۔

عقل منداور ہوشیار فرمانِ نبوی کی روشنی میں

ہمارے یہاں دنیا میں لوگ ہوشیار اور چالاک کس کو کہتے ہیں؟ جو خوب دنیا کمائے، پیسہ اکھٹا کرے، لوگوں کو دھوکہ دے، خوب بے وقوف بنائے تو لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑا ہوشیار ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اپنی عاقبت برباد کر رہا ہے، ہوشیار تو وہ ہے جس کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوشیار بتائیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوشیار کس کو کہتے ہیں کہ جو اپنے نفس کو کنٹرول کرے، قابو میں رکھے، جو آخرت کی تیاری کرے، ہر وقت اللہ کا دھیان رہے۔

عقل منداور ہوشیار آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں

قرآن میں ہے: ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [آل عمران:۱۹۰، ۱۹۱]: اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ جو آسمان اور زمین پیدا کیے، اس

میں عقل مندوں کے لیے بہت ساری نشانیاں ہیں۔

عقل مند کون ہیں؟ اللہ تبارک وتعالی فرماتے ہیں:﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ﴾ جو اللہ تعالی کو یاد کرتے ہیں،﴿قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِهِمْ﴾: کھڑے کھڑے، بیٹھے بیٹھے، لیٹے لیٹے،جن کی زبان پر ہروقت اللہ کی یاد، اللہ کا ذکر، اللہ تبارک وتعالی کی ذات کا استحضار۔ یہ اللہ تبارک وتعالی کی ذات کا استحضار ہی وہ چیز ہے جو آدمی کو ہمیشہ اللہ تبارک وتعالی کی نافرمانی سے روکتا ہے، یہی مطلوب ہے تو قرآن کہتا ہے کہ عقل مند کون لوگ ہیں؟ جو ہروقت، ہرلمحہ، اپنی ہرحالت میں چاہیں کھڑے ہوئے ہوں، چاہے بیٹھے ہوئے ہوں، چاہے لیٹے ہوئے ہوں۔ آدمی کی یہ تین حالتیں ہی ہوسکتی ہیں، ان میں اللہ کو یاد کرتے ہیں، اس کا ذکر کرتے ہیں، اس کی ذات کا استحضار رکھتے ہیں تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہوشیار وہ ہے جو موت کے بعد والی زندگی کے لیے تیاری کرے۔

آج وہ، کل ہماری باری ہے

اب ہر شخص جانتا ہے کہ جب ہم دنیا میں آئے ہیں تو یہاں کسی کو رہنا نہیں ہے، ہم سے پہلے لاکھوں، کروڑوں مخلوق آئی، ہم جس مکان میں رہ رہے ہیں، اس میں ہمارے آباء واجداد پیدا ہوئے، اس میں زندگی گذاری اور اس میں ان کا انتقال ہوا اور اس کے بعد ہماری بھی باری آئے گی، ہم بھی یہاں ہمیشہ رہنے والے نہیں ہیں۔

پھر بھی آپ اسی محل میں رہتے ہیں؟

ایک مرتبہ ایک بادشاہ ایک کشتی میں بیٹھ کر کے جارہا تھا۔ اب کشتی چلانے والا جو

تھا، بادشاہ نے ان سے حالات پوچھے۔ بڑے لوگوں کی عادت ہوتی ہے، پوچھ لیتے ہیں تو بادشاہ نے پوچھا کہ تمھارا کیا پیشہ ہے، تمھارے گذربسر کا کیا ذریعہ ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ یہی کشتی چلانا ہمارا پیشہ ہے۔ پھر پوچھا کہ تمھارے باپ دادا کا بھی یہی پیشہ تھا؟ تو جواب دیا کہ ہاں! یہی پیشہ تھا۔ پوچھا کہ ان کا انتقال کیسے ہوا؟ جواب دیا کہ سب اسی کشتی میں ڈوب کر مرے ہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ پھر بھی تم یہی پیشہ اختیار کیے ہوئے ہو، یہی کشتی چلا رہے ہو؟ تو اس نے پوچھا کہ حضور! آپ کے ابّا جان کا انتقال کہاں ہوا؟ کہا کہ محل میں۔ دادا کہاں مرے؟ جواب دیا کہ محل میں۔ پوچھا کہ پردادا کہاں مرے؟ تو جواب دیا کہ محل میں۔ تو کشتی چلانے والے نے کہا: پھر بھی آپ اسی محل میں رہتے ہیں؟۔

مسافر یہاں ہیں فقیر اور غنی سب

بہرحال! کہنے کا حاصل یہ ہے کہ موت تو بہرحال آنے والی چیز ہے، موت سے کسی کو مفر نہیں، اس کا ایک وقت مقرر ہے، دنیا میں چاہے کتنی زندگی گذاردے، موت تو بہرحال آنے والی ہے۔ موت ایک ایسی حقیقت ہے کہ کوئی بھی اس کا منکر نہیں ہے۔

نہ نبی رہے، نہ ولی رہے، نہ غنی رہے، نہ سخی رہے

دنیا میں لوگوں نے بڑی بڑی حقیقتوں کا انکار کیا: اللہ تبارک وتعالیٰ کے وجود کا انکار کیا، نبیوں کی بعثت کا انکار کیا، قیامت کا، جنت کا دوزخ کا انکار کیا، بہت سی چیزوں کا انکار کیا لیکن موت ایک ایسی حقیقت ہے کہ ہر آدمی کو اس کی آمد کا یقین ہے، چاہے وہ امیر ہو، غریب ہو، پڑھا لکھا ہو، ان پڑھ ہو سبھی جانتے ہیں کہ موت آنے والی ہے۔

کل تو کیا ایک پل کا بھروسہ نہیں

پھر دوسری بات یہ بھی ہے کہ موت کب آئے گی؟ سب اس بات کا یقین کرتے ہیں: ہم بھی، آپ بھی، ہر ایک اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ موت کا مقررہ وقت کسی کو معلوم نہیں ہے، دو سال کے بعد بھی آ سکتی ہے، دو مہینے کے بعد بھی آ سکتی ہے، دو دن کے بعد بھی آ سکتی ہے، دو منٹ اور دو سیکنڈ کے بعد بھی آ سکتی ہے، یہاں جتنے بھی بیٹھے ہیں، کوئی بھی گارنٹی کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ میں فلاں وقت مروں گا، ہوسکتا ہے کہ ابھی اسی مجلس میں اٹھنے سے پہلے اللہ کا بلاوا آ جائے۔

نہ کوئی رہا ہے، نہ کوئی رہے گا

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے بزرگ اور بڑے بادشاہ گذرے ہیں، خلفائے بنو امیہ میں سے ہیں۔ ان سے پہلے جو خلفائے بنو امیہ گذرے تھے، انھوں نے بیت المال میں بہت سی بے اصولیاں، دھاندلیاں کی تھیں۔ وہ جب تختِ خلافت پر متمکن ہوئے تو پورے طور پر خلافتِ راشدہ کے طرز پر حکومت چلائی، جس کی وجہ سے خاندان والوں کو کھلی چھوٹ ملی ہوئی تھی، اس پر بریک لگ گئی تو وہ آپ کے دشمن ہو گئے، جس کے نتیجے میں خاندان والوں ہی میں سے کسی نے ان کو زہر دلوایا۔ جب اس زہر کا اثر ظاہر ہوا تو طبیب کو بلوایا گیا اور طبیب نے ان کا معائنہ کرنے کے بعد کہا کہ ان کو زہر دیا گیا اور مجھے ان کی زندگی کا اطمینان نہیں ہے، بھروسہ نہیں ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ سنا تو فرمایا کہ یہ جو سب یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، کیا ان کی

زندگی پر اطمینان ہے؟۔ بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی بیمار ہے اور دوسرا تندرست آدمی اس کی خدمت کرتا ہے تو وہ بیمار تو اچھا ہو کر دیر تک زندہ رہتا ہے اور جو خدمت کررہا ہوتا ہے، وہ چل بستا ہے! تو بہر حال! موت کا مقررہ وقت کسی کو معلوم نہیں ہے۔

ہو عمرِ خضر بھی تو کہیں گے بوقتِ مرگ

میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ موت بھی ایک حقیقت ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ موت کا مقررہ وقت کسی کو معلوم نہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ آدمی ہمہ وقت اپنی موت کے لیے تیار رہے اور اعمال کا اس طرح اہتمام کرے کہ کسی بھی وقت بلاوا آ جاوے تو اس کو یہ ندامت اور پچھتاوا نہ ہو کہ کاش کہ مجھے ذرا اور مہلت دی جاتی۔ جیسے عام طور پر آدمی کی موت کا جب وقت آتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے، قرآن میں ہے: ﴿رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ﴾ [المنافقون: ١٠] بدعمل آدمی کی موت کا وقت آتا ہے تو وہ تمنا کرتا ہے کہ مجھے ذرا اور مہلت دی گئی ہوتی۔

دوسری زندگی کی تمنا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کا جواب

قیامت کے دن بھی لوگ تمنا کریں گے کہ ہم کو دنیا میں کچھ اور موقع دیا جاتا تو ہم کچھ کرتے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے: ﴿اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ﴾ [فاطر: ٣٧]: ہم نے تم کو اتنی زندگی نہیں دی تھی کہ اگر تم میں کوئی آدمی سُدھرنا چاہتا، نیک بننا چاہتا، نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو وہ سُدھر سکتا تھا، نیک بن سکتا تھا، نصیحت حاصل کرسکتا تھا؟ اور ہماری طرف سے ڈرانے والے بھی آئے

تھے، ہم نے رسول بھیجے تھے جنھوں نے آ کر موقع بموقع تم کو ڈرایا، وارننگ دی کہ دیکھو! موت آنے والی ہے، اس کی تیاری کرو، اس کے باوجود بھی تم خوابِ غفلت میں پڑے رہے۔ اللہ تبارک وتعالی نے اتنی عمر دی ہے، اس میں موت کی تیاری کرنا ہے۔

جس کو ساٹھ سال کی زندگی ملی، اس کا عذر ختم ہو گیا

حدیث میں آتا ہے، بخاری شریف کی روایت ہے کہ جس کو اللہ تبارک وتعالی نے ساٹھ سال کی عمر دی ہو، فَقَدْ أَعْذَرَ: اس کا عذر اللہ تبارک وتعالی نے ختم کر دیا[1]۔ قیامت کے دن اس کو یہ کہنے کا عذر نہیں رہے گا کہ مجھے کچھ موقع دیا جاتا تو میں کچھ کرتا۔ باری تعالی کہیں گے کہ دنیا میں رہنے کے لیے تجھ کو ساٹھ سال تو دئے تھے، تو نے اس میں کچھ نہیں کیا تو اب کیا، اس میں کسی کا کیا قصور ہے؟

رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت

میں موت کے بارے میں عرض کر رہا تھا کہ وہ کسی بھی وقت آ سکتی ہے، اس کا کوئی بھروسہ نہیں، ہوسکتا ہے کہ میں باہر نکلا اور پاؤں پھسلا، گرا اور ٹانگ ٹوٹ گئی اور صاحبِ فراش بن کر رہ گیا۔ بخار نے حملہ کر دیا، کون سی بیماری کب آنے والی ہے، کوئی گارنٹی نہیں ہے۔ اللہ تبارک وتعالی مجھے اور آپ کو، سب کو موت سے پہلے اس کی تیاری کی توفیق اور سعادت نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

---

[1] صحيح البخارى، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ، باب مَنْ بَلَغَ سِتِّينَ سَنَةً فَقَدْ أَعْذَرَ اللهُ إِلَيْهِ فِي الْعُمُرِ.

(۱) وقت کی اہمیت اور قدر و قیمت

(۲) تبلیغی کام کی اہمیت

اور اس میں پائی جانے والی کچھ کوتاہیوں پر تنبیہ

بمقام: سورت رانی تلاؤ، مرکز مسجد

بوقت: ۱۶/ ۶/ ۲۰۰۰

ڈربن، (یوکے) مرکز

۲۳/ ۱۲/ ۲۰۱۶

اقتباس

حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہاں لاجپور کے اجتماع میں آئے تھے اور آخری مجلس میں جو تقریر فرمائی تھی، وہ مجھے خوب یاد ہے اور حضرت نے اسی موضوع پر، یہی باتیں جو میں عرض کررہا ہوں، بیان فرمائی تھیں کہ بھائی! یہ تمام شعبے اپنی جگہ پر اہمیت کے حامل ہیں؛ اس لیے ہر شعبے والے آپس میں مل جل کے اپنے اپنے کام میں لگیں اور کسی کی تحقیر یا تنقیص کسی کے دل میں نہ ہو تو ان شاء اللہ بڑی کامیابی ہے۔

یہ جو بعض حضرات اپنی ناواقفیت کی وجہ سے ایسی چیز کرڈالتے ہیں کہ جس کی وجہ سے پوری جماعت کے اوپر زد پڑتی ہے اور جو ذمہ دار حضرات ہیں، ان کو بھی کبھی بڑی شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے، جب ان کے سامنے اس طرح کی باتیں آتی ہیں اور اس پر ناراضگی کا بھی اظہار کرتے ہیں لیکن بہرحال! یہ چیز ہونی مناسب نہیں ہے، تحقیر کسی کی نہ ہو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلامضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، صلى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا.

أمابعد: فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: ﴿وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾

سورۂ عصر کی اہمیت وفضیلت

محترم حضرات! یہ جو آیتیں آپ کے سامنے تلاوت کی گئیں، وہ درحقیقت قرآنِ پاک کی ایک چھوٹی سی سورت ہے اور چھوٹی ہونے کے باوجود اس مضمون کی وجہ سے جس کی اس میں تعلیم دی گئی ہے، بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی اس سورت کے اندر غور وفکر کرے تو وہ اس کی ہدایت کے لیے کافی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوصحابی جب آپس میں ملتے تھے تو دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے تھے، یہاں تک کہ دونوں میں سے ہر ایک یہ سورت پڑھ کر کے ایک دوسرے کو سناتا تھا[1]۔ گویا اس سورت میں جس مضمون کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، وہ اس مضمون اور درس کو ہر ملاقات میں تازہ کیا کرتے تھے۔

سورۂ عصر کا مختصر مفہوم

اس سورت میں باری تعالیٰ نے زمانے کی قسم کھائی ہے: ﴿وَالْعَصْرِ﴾ قسم ہے زمانے کی! ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ﴾ کہ: نوعِ انسان خسارے میں ہے۔ ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾: البتہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ کیے اور آپس میں ایک دوسرے کو حق کی وصیت اور تاکید کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے، وہ البتہ خسارے میں نہیں ہیں۔

زمانے سے کون سا زمانہ مراد ہے؟ پہلا قول: مطلق زمانہ مراد ہے

یہاں زمانے سے مراد کون سا زمانہ ہے؟ تو بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ اس سے مطلق زمانہ مراد ہے؛ اس لیے کہ انسان بھی اسی زمانے کے اندر پیدا ہوتا ہے، پلتا ہے، بڑھتا ہے، اس کے اعمال، اس کے اخلاق، اس کی تمام کاروائیاں اسی زمانے کے اندر وجود میں آتی ہیں، اس اعتبار سے زمانے کی قسم کھائی گئی۔

---

[1] أخرج الطَّبَرَانِيّ فِي الْأَوْسَط وَالْبَيْهَقِيّ فِي شعب الإيمان عَن أبي مليكَة الدَّارمِيّ وَكَانَت لَهُ صُحْبَة قَالَ: كَانَ الرّجلَانِ. (الدر المنثور،۸/ ٦٢١)

دوسرا قول: انسان کو دی جانے والی حیات مراد ہے

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مراد انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو زندگی عطا فرمائی ہے، زمانے کا جتنا حصہ بطور حیات اور زندگی کے انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو عطا کیا گیا ہے، اس کی قسم کھائی گئی ہے۔ گویا وہ زمانہ جو انسان کو زندگی کے طور پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ملا ہوا ہے، یہی دراصل انسان کا سرمایہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ انسان کو پیدا نہ فرماتے تو وجود میں آنے کے بعد جتنی بھی روحانی اور مادی نعمتیں اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتی ہیں، وہ کہاں پاتا؟ گویا ساری نعمتوں کے حصول اور پانے کی بنیاد یہ زندگی ہے، اسی لیے اس زندگی کی اللہ تبارک وتعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔

زندگی کی حقیقت

اور یہ زندگی کیا ہے؟ زمانے کا ایک حصہ ہے جو چند سالوں، چند مہینوں، چند ہفتوں، چند دنوں، چند ساعتوں کے اوپر مشتمل ہے، اس کے مجموعے کا نام زمانہ ہے، زندگی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے انسان کو عطا کی گئی ہے۔

قرآن میں مضامین کو بیان کرنے سے پہلے قسم کھانے کا مقصد

یہاں خاص اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو مضمون آگے بیان کیا گیا ہے، اس مضمون کے شہادت کے طور پر زمانے کی قسم کھائی ہے۔ کلامِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی جو قسمیں ہیں، ان کا وہ حال نہیں ہے جو انسان اپنے کلام میں قسم کھایا کرتا ہے بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ

قرآنِ پاک میں جہاں کسی مضمون کے متعلق اور کسی ہدایت کے متعلق قسم کھاتے ہیں تو مقصد یہ ہوتا ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی گئی ہے، اگر آپ اس چیز کے اندر غور کریں تو قسم کھا کر کے جو بات آگے بیان کی جارہی ہے، اس کی صداقت کا آپ کو پتہ چل جائے گا اور جس کی قسم کھائی گئی ہے، وہ گویا شاہد ہے، گواہ کے طور پر اس کو پیش کیا جارہا ہے۔

اس سورت کے شروع میں زمانے کی قسم کھانے کی حکمت

یہاں زمانے کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ انسان جو پیدا ہوتا ہے اور اس کے جو مختلف حالات ہوتے ہیں، ان سب کا تعلق زمانے سے ہے، گویا جب سے یہ کائنات وجود میں آئی اور یہ انسانی تاریخ جب سے لوگوں کے علم میں آئی ہے اور ترتیب دی گئی ہے، اس وقت سے اگر آپ تاریخِ انسانی کا مطالعہ کریں اور یہ انسانی تاریخ جو مختلف ادوار اور مختلف زمانوں سے گذری ہے، اس کا آپ مطالعہ کریں۔ ان پر جو حالات آئے، اس کو آپ پڑھیں تو آپ کو یہ تاریخ بتلائے گی کہ اس پوری تاریخِ انسانی میں جتنے بھی لوگ گذرے ہیں اور جن کا بھی تعلق نوعِ انسانی سے رہا ہے، وہ سب گھاٹے میں رہے ہیں، سوائے ان حضرات کے جو ان چار صفتوں کے اور ان چار چیزوں کے حامل رہے ہیں، بس یہ چار صفات کے حاملین کامیاب رہے اور باقی سارے انسان گھاٹے اور خسارے میں رہے۔

جہاں میں ہیں عبرت کے ہر سو نمونے

یہاں گویا اللہ تبارک وتعالیٰ نے پوری تاریخِ انسانی کو گواہ بنا کر کے پیش کیا ہے کہ

اگر آپ اس کا بغور مطالعہ کریں اوراس تاریخ کے احوال پر اگر آپ کی نا قدانہ نظر ہو اور آپ خوب اچھی طرح اس کو پڑھیں تو آپ کو یہ جو آگے بات بیان کی جارہی ہے، اس کی صداقت کا خود بخود یقین ہو جائے گا اوراس کی حقانیت اور صداقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو کر کے آپ کے سامنے آجائے گی۔

انسانی زندگی اس کی پونجی اورسرمایہ ہے

اب یہاں زمانے کو جو خاص طور پر پیش کیا گیا ہے، اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے انسان کو جو دنیا میں بھیجا ہے تو دنیا میں آتے وقت اس کو جو پونجی دی جاتی ہے، دنیا میں آکر تجارت اور کاروبار کرنے کے لیے اور اپنے کاروبار کو چلانے کے لیے اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے جو پونجی اورسرمایہ دیا جاتا ہے، وہ سرمایہ یہی اس کی زندگی اوراس کے اوقات ہیں۔

بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو کیا لے کر کے آتا ہے؟ وہ جو زندگی اللہ تبارک وتعالی نے اس کے لیے مقدر فرمائی ہے اوراس کے لیے اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے یہاں جتنا قیام طے شدہ ہے، گویا زندگی کے وہ اوقات، اس کے وہ سال، مہینے اور ہفتے اور دن اور رات اوراس کی گھڑیاں، یہ سب وہی چیز ہے جو اس کے لیے سرمایے کی حیثیت رکھتی ہے، اس کے علاوہ اس کے پاس اور کچھ نہیں ہے۔

انسانی زندگی محدود ہے

یہ جسم جو اللہ تبارک وتعالی نے عطا فرمایا اوراس جسم کو استعمال کرنے کے لیے ایک

محدود زمانہ عطا فرمایا۔ اس لیے کہ دنیا کے اندر جو بھی آتا ہے، اس کے لیے اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے ایک وقت مقرر ہے اور اس مقررہ وقت تک اس کو دنیا کے اندر رہنا ہے تو دنیا میں اس کے لیے اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے جو مقررہ وقت ہے، وہی اس کی زندگی کی پونجی اور سرمایہ ہے اور وہ جو کچھ بھی حاصل کرسکتا ہے، وہ اپنے اسی سرمایے کے ذریعہ حاصل کرسکتا ہے۔ یہاں آنے کے بعد اپنے اسی جسم کو کام میں لگائے گا اور اسی وقت سے فائدہ اٹھائے گا تو وہ دنیا اور آخرت کا بہت کچھ نفع حاصل کرسکتا ہے۔

اور اگر اس نے اپنی زندگی کے اس سرمایے کو یوں ہی گنوادیا، ضائع کردیا، اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تو اتنا ہی نہیں کہ اس کے ہاتھ سے یہ پونجی نکل جائے گی بلکہ اپنے اوپر بہت سارے جرائم اور بہت سارے گناہوں کا بوجھ لے کر کے جائے گا جس کا عذاب اس کو وہاں بھگتنا پڑے گا۔

تو یہ زندگی اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے اس کو عطا کی گئی ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ یہی وہ قیمتی سرمایہ ہے کہ جس کے ذریعہ وہ جو کچھ حاصل کرنا چاہے، حاصل کرسکتا ہے؛ کیوں کہ اور کوئی چیز وہ دنیا میں لے کر کے نہیں آتا، یہی چیز لے کر کے آتا ہے۔

اور اسی لیے اس کو امانت سے تعبیر کیا گیا ہے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صاف طور پر اس کی طرف متوجہ کیا ہے کہ اس سرمایے کو اور اپنے اس قیمتی وقت کو اور اللہ تبارک وتعالی نے فرصت کے جو یہ لمحات عطا فرمائے ہیں، فرصت کے ان لمحات میں اپنے بدن سے اور بدن کی طاقت اور قوت سے جو فائدہ حاصل کرنا چاہیے، اس سے آدمی غفلت نہ برتے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صاف طور پر اس کی طرف متوجہ کیا ہے۔

محدثین کی خصوصی اصطلاح ''الرقاق'' اور اس کا مطلب

حدیث کی جو مختلف کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، ان میں ایک مستقل عنوان آتا ہے کتاب الرقاق کا، یعنی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ ارشادات کہ جن کو سن کر آدمی کا دل نرم ہوتا ہے اور دنیا کی طرف سے ہٹ کر کے آخرت کی طرف میلان اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے، دنیا کی محبت کم کرنے والے اور آخرت کی طرف متوجہ کرنے والے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات کو محدثین اسی کتاب الرقاق کے عنوان کے تحت لاتے ہیں، اس لیے کہ ہماری جو بنیادی بیماری ہے، وہ یہی دنیا کی محبت اور آخرت کی طرف سے غفلت ہے تو اگر ایسی باتیں پیش کی جائیں کہ جن کے نتیجے میں دنیا کی محبت کم ہو اور آخرت کی رغبت بڑھے تو وہی باتیں اس کے لیے کامیابی کا ذریعہ ثابت ہو سکتی ہیں۔

دو نعمتیں جن کی کثرت سے ناقدری ہوتی ہے

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری کے اندر اسی کتاب الرقاق کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ہی ارشادات سے خاص طور پر شروع کیا، پہلی جو روایت لائے ہیں، وہ یہی ہے: نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ: الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ کہ: اللہ تبارک وتعالی کی دو نعمتیں ایسی ہیں کہ ان دو نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے معاملے میں اور ان نعمتوں کی حقیقی قدر و قیمت جاننے اور اس کو وصول کرنے کے معاملے میں لوگ بہک جاتے ہیں۔ وہ دو نعمتیں کیا ہیں؟ ایک تو تن درستی اور دوسری ہے فرصت[1]۔

---

[1] صحیح البخاری، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تعالى عَنْهُمَا، بَابٌ: لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الآخِرَةِ.

اللہ تبارک وتعالی نے آپ کو زندگی کے اندر جو موقع عطا فرمایا ہے، جو فرصت کے لمحات آپ کو حاصل ہیں، مشغولی سے نکل کر کے ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور اس کی قدر و قیمت وصول کرنی چاہیے اور اللہ تبارک وتعالی نے جو آپ کو تن درستی کی نعمت عطا فرمائی ہے، اس تن درستی کی نعمت سے بھی آپ اپنے جسم سے کام لے کر بہت کچھ قدر و قیمت وصول کر سکتے ہیں۔

مذکورہ حدیث ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ﴾ کی تفسیر ہے

آپ اگر لوگوں کا بنی نوعِ انسانی کے حالات کا مطالعہ کریں تو دنیا میں عام طور پر آپ کو ایسے لوگ نظر آئیں گے کہ جو اللہ تبارک وتعالی کی ان دو عظیم نعمتوں سے جیسا فائدہ اٹھانا چاہیے، ویسا اٹھاتے نہیں ہیں بلکہ اس معاملے میں وہ گھاٹے کا، خسارے کا اور نقصان کا شکار ہیں، گویا وہی بات جو قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمائی: ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ﴾ کہ: انسان گھاٹے اور خسارے میں ہے، اسی کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید صراحت کے ساتھ فرمایا کہ وہ کون سی چیز میں گھاٹا اٹھا رہا ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی کی جو یہ دو نعمتیں ہیں: تندرستی اور فرصت، اس کا جو فائدہ اٹھانا چاہیے اور اس کی جو قدر و قیمت حاصل کرنی چاہیے، اس قیمت کو اور اس سے فائدہ حاصل کرنے کے معاملے میں انسان گھاٹے اور خسارے میں ہے۔

وقت کی قدر و قیمت وصول کرنے میں انسان کیسے خسارے میں ہے؟

کیسے گھاٹے اور خسارے میں ہے؟ تو ہر تاجر جانتا ہے کہ اس کے پاس جو مال اور

سرمایہ ہوا کرتا ہے اور اس مال کا جو ویلیو (value) ہے، بازار میں اس کی زیادہ سے زیادہ جو قیمت حاصل کی جاسکتی ہے، اگر اس کی اس متوقع زیادہ سے زیادہ حاصل ہونے والی قیمت سے کم پاتا ہے تو اس کو تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس کو اس سے جو فائدہ اٹھانا چاہیے تھا اور اس کی جو قیمت وصول کرنی چاہیے تھی، وہ قیمت اس نے وصول نہیں کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گھاٹے میں رہا۔

اگر کپڑے کا ایک تھان آپ کے پاس موجود ہے اور بازار کے ویلوایشن (valuation) کے اعتبار سے وہ کپڑے کا تھان ایک ہزار روپیے کا ہے۔اب اگر آپ کپڑے کے اس تھان کو فروخت کر کے ایک ہزار یا اس سے زیادہ وصول کرتے ہیں یعنی آپ اس کا سودا اس طرح کرتے ہیں کہ آپ کے ہاتھ میں ایک ہزار یا اس سے زیادہ آتے ہیں تو یہ کہا جائے گا کہ آپ گھاٹے اور خسارے میں نہیں ہیں لیکن اگر آپ وہ کپڑے کا تھان کسی کے ہاتھ فروخت کر کے اور اس کا سودا کر کے اپنے ہاتھ سے جو پیسے وصول کر رہے ہیں، وہ ایک ہزار نہیں بلکہ ایک ہزار سے کم ہیں یا ایسے ہی آپ کے ہاتھ سے کپڑے کا وہ تھان نکل گیا تو یوں سمجھا جائے گا کہ آپ کا یہ سودا اور معاملہ گھاٹے اور خسارے کا ہے۔

آخرت کی تجارت قرآن کی روشنی میں

اللہ تبارک وتعالی نے یہ جو زندگی کے لمحات عطا فرمائے ہیں، وہ بڑے قیمتی ہیں، اب آدمی کے اختیار کی بات ہے کہ زندگی کے ان لمحات کی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول

کر کے اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ نفع بخش تجارت کے اندر لگائے جیسے دنیا کی تجارت ہے، ویسے آخرت کی بھی تجارت ہے۔

قرآن میں آخرت کے اعمال کو تجارت سے تعبیر کیا گیا ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰي تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِه وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [الصف:۱۰، ۱۱] باری تعالی فرماتے ہیں کہ کیا میں ایسی تجارت کی نشان دہی کروں جو تم کو دردناک عذاب سے نجات دینے والی ہو؟ وہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کے راستے میں اپنی جان اور مال کے ذریعہ سے مجاہدہ کرو، مشقت اٹھاؤ، جہاد کرو۔

دنیا آخرت کی کھیتی ہے

دیکھیے! اس کو تجارت سے تعبیر کیا گیا؛ کیوں کہ اللہ تبارک وتعالی نے انسان کو جو سرمایہ عطا فرمایا ہے، اگر وہ آخرت کے لیے ان شکلوں میں: ایمان اور عملِ صالح اور اللہ کے راستے میں اللہ کے کلمے کی سربلندی کے لیے مختلف طریقوں سے محنت کر کے اپنی جان اور مال کو استعمال کرتا ہے تو اس صورت میں وہ اپنے اس سرمایے کو ایک نفع بخش تجارت کے اندر لگا کر کے اس کی قیمت وصول کرتا ہے، اسی کو تجارت سے تعبیر کیا۔

احادیث میں آخرت کے اعمال پر تجارت کا اطلاق

اور حدیث میں بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو تجارت سے تعبیر فرمایا ہے: كُلُّ

النَّاسِ يَغْدُو فَبَايِعٌ نَفْسَهُ فَمُعْتِقُهَا أَوْ مُوبِقُهَا: ہر انسان جب صبح کو نکلتا ہے تو وہ اپنی جان کا سودا کرتا ہے، اب وہ یہ سودا یا تو اس طرح کرتا ہے کہ اس میں کامیابی حاصل کرے اور اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے نجات دلا کر جنت کی نعمتیں حاصل کرے یا وہ گھاٹے کا اس طرح سودا کرلے کہ جس کے نتیجے میں وہ اپنے آپ کو ہلاک اور برباد کرکے رکھ دے①۔

تو قرآن اور حدیث میں آخرت کے اعمال کے لیے بھی یہ الفاظ: تجارت کے اور خسارے اور گھاٹے کے اور نفع اور فائدے کے استعمال کیے گئے ہیں، یہ تجارت اور خسارے، گھاٹے جیسے الفاظ دنیا کی تجارت کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ سے ہمیں خاص طور پر متوجہ کیا کہ اللہ تبارک وتعالی نے فرصت کی جو یہ نعمت عطا فرمائی ہے، زندگی کے یہ لمحات جو تمھارے ہاتھ میں ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اللہ تبارک وتعالی نے صحت کی جو نعمت عطا فرما رکھی ہے، ان دونوں نعمتوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرسکو اور اس سرمایے کی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرسکو، اس کی کوشش کرو۔

سرمایے کی ایک قسم جامد اور اس کی تفہیم

اب یہ زیادہ سے زیادہ قیمت کیسے حاصل کی جاسکتی ہے؟ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے زندگی کی شکل میں دیا جانے والا سرمایہ جو ہے، وہ

①صحيح مسلم،عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ رضى الله تعالى عنه،بَابُ فَضْلِ الْوُضُوءِ.

ایک سیّال سرمایہ ہے، جامد نہیں ہے، یعنی آدمی کے پاس جو دولت اور سرمایہ ہوا کرتا ہے، ایک تو وہ ہوتا ہے کہ اس کو آدمی اپنی مرضی سے جب چاہے، استعمال کرسکتا ہے اور اگرابھی اس کو استعمال کرنے کا ارادہ نہیں ہے تو اس کو محفوظ کرلے، جیسے آپ کے پاس پچاس ہزار روپیے کا سرمایہ موجود ہے تو اگر آپ چاہیں تو آج ہی اس کو تجارت کے اندر لگا کر اس سے فائدہ اٹھاویں اور اگر آپ چاہیں تو اس کو اپنی تجوری میں یا کسی کے پاس امانت کے طور پر یا اور کہیں حفاظت کے لیے رکھ دیں اور آج نہیں تو کل اور اس سال نہیں تو آئندہ سال یا دو تین سال کے بعد اس سرمایے سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، یہ ایک ایسا سرمایہ ہے کہ جس کو استعمال کرنا آپ کے اختیار میں ہے، یہ جامد قسم کا سرمایہ ہے۔

سرمایے کی دوسری قسم سیال اور اس کی تفہیم

اور سرمایے کی ایک قسم وہ ہوا کرتی ہے کہ وہ آپ کے ہاتھ سے نکلتا جارہا ہے، اب اگر آپ دانش مندی اور عقل مندی اور ہوشیاری کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے ہاتھ سے نکلنے والے اس سرمایے سے فائدہ اٹھالیں اور اس کا کوئی ایسا معاوضہ حاصل کرلیں، اس کا کوئی ایسا بدل اپنے ہاتھ میں لے لیں کہ جس کو آپ آئندہ بھی محفوظ رکھ سکیں، تب تو آپ کامیاب ہیں اور اگر وہ سرمایہ آپ کے ہاتھ سے نکل رہا ہے اور اس کا کوئی معاوضہ آپ حاصل نہیں کررہے ہیں، کوئی ایسا بدل حاصل نہیں کررہے ہیں کہ جو محفوظ رکھ سکیں تو اس صورت میں یوں سمجھا جائے گا کہ یہ سرمایہ آپ کے ہاتھ سے نکل رہا ہے، بےکار اور ضائع جارہا ہے۔

برف فروش کو دیکھ کر ایک بزرگ کا انسانی زندگی کے بارے میں حکیمانہ تجزیہ

ایک بزرگ گذر رہے تھے، دیکھا کہ ایک آدمی برف فروخت کر رہا ہے، برف بیچ رہا ہے، اس کو دیکھ کر کہنے لگے کہ اس برف بیچنے والے کی تجارت سے مجھے پتہ چل گیا کہ زندگی کا حال کیا ہے۔ کیوں کہ برف بیچنے والا اگر کھلے میدان کے اندر دھوپ میں بیٹھا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ برف تو ویسے ہی پگھلتی جا رہی ہے، اب وہ جتنا جلدی اس برف کو بیچ کر کے اس کے پیسے حاصل کر کے جیب میں رکھ لے، اتنا ہی کامیاب ہے۔

اور اگر وہ برف وہاں یوں ہی کھلی ہوئی پڑی ہے، کوئی تماشا دائیں، بائیں ہو رہا ہے، وہ اپنی برف کو چھوڑ کر کے تماشا دیکھنے میں مشغول ہے، یہاں تک کہ شام ہو گئی اور کچھ بارش بھی گر گئی تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ویسے بھی دوپہر سے اب تک برف تو پگھلتی رہی، تھوڑی بہت رہ گئی تھی تو شام کو بارش آ گئی، اب اس کی بھی کوئی قیمت دینے والا نہیں رہا، اس لیے کہ لوگوں کو اس کی ضرورت نہیں رہی اور اس کا سرمایہ یوں ہی ضائع ہو گیا۔ اگر وہ مستعدی اور ہوشیاری سے کام لے کر جلدی سے جلدی اس کو فروخت کر دیتا تو برف جو پگھل رہی تھی، اس کا معاوضہ ایسی شکل میں حاصل کر سکتا تھا کہ وہ معاوضہ یعنی روپیے کے سکے یا نوٹ پگھلنے والے نہیں ہیں، وہ اس کی جیب میں محفوظ رہیں گے۔

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم

اسی طرح سے ہماری زندگی کا یہ سرمایہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں سالوں اور

مہینوں اور دنوں کی شکل کے اندر عطا فرمایا ہے، وہ حقیقت میں ایک بہنے والا سرمایہ ہے، برف کی طرح پگھل کر بہہ رہا ہے،

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم	رفتہ رفتہ چپکے چپکے دم بدم

خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہماری زندگی کے یہ لمحات گذر رہے ہیں، جیسے ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، اگر ہم چاہیں کہ زندگی کے گذرنے والے ان لمحات کو ہم کم کر دیں، روک لیں کہ ابھی ہم کام نہیں کر سکتے، آرام کر رہے ہیں تو ابھی ہماری زندگی کے یہ لمحات تھم جائیں اور ان کو جمع کر کے رکھ دیں تو یہ ہمارے اختیار کی بات نہیں ہے، ہم کچھ کریں یا نہ کریں، زندگی تو گذر رہی ہے، زندگی کا یہ سرمایہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے، وہ ہمارے ہاتھ سے نکلتا جارہا ہے۔

ہم زندگی کی قیمت وصول کرنے والے کب کہلائیں گے؟

اب اگر ہم گذرنے والے ان اوقات کو ایسی چیزوں میں استعمال کریں، ایسے کام میں لگائیں کہ جس کا کوئی اچھا معاوضہ ہم کو مل سکتا ہے، جس کی ہم کوئی اچھی قیمت وصول کر لیں اور ایسی قیمت وصول کر لیں کہ جو ہمارے پاس محفوظ رہے، جیسے برف بیچنے والا برف بیچ کر کے اس کی قیمت روپیے کے سکوں یا نوٹوں کی شکل میں حاصل کر کے اس کو اپنی جیب یا تجوری میں محفوظ کر لیتا ہے، اسی طرح ہم اپنی زندگی کے ان لمحات کو، ان گھڑیوں کو، ان ساعتوں کو، ان گھنٹوں اور منٹوں کو مفید اور کارآمد کاموں میں استعمال کر کے اس کا معاوضہ وصول کر لیں تو ظاہر ہے کہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے اپنی

زندگی کی جو قیمت ہے، وہ وصول کی۔

ہر آدمی اپنی زندگی کی قیمت وصول کررہا ہے

ویسے تو دیکھنے کے اعتبار سے قیمت سبھی وصول کرتے ہیں۔ دیکھیے! دنیا میں جو لوگ نوکری کرتے ہیں، ملازمت کرتے ہیں، دنیوی ساز وسامان کی تجارت کرتے ہیں، فیکٹری چلاتے ہیں یا اور جو بھی ہے تو یہ لوگ جو روزی روٹی کمانے میں اپنی زندگی کے اوقات لگارہے ہیں، وہ بھی اپنے اوقات کی قیمت وصول کرتے ہیں: ایک ملازم ملازمت کرکے اپنے وقت کی قیمت وصول کرتا ہے، ایک تاجر تجارت کرکے اپنے وقت کی قیمت وصول کرتا ہے، ایک فیکٹری کا مالک فیکٹری کے ذریعہ پیداوار حاصل کرکے اپنے وقت کی قیمت وصول کرتا ہے، الغرض دنیوی امور کے پیچھے جتنے بھی لگے ہوئے ہیں، وہ بھی اپنی زندگی اور اس کے اوقات کی قیمت وصول کرتے ہیں۔

گنجِ سیم وزر بھی ہاتھ آیا تو کیا

لیکن آپ بتلایئے کہ کوئی اچھے سے اچھا کمانے والا روزانہ کی کمائی کے اعتبار سے ایک لاکھ بھی کمالے گا تو اپنی زندگی کے اوقات کی کتنی قیمت وصول کرسکے گا؟ اگر اس کی تجارت کا روزانہ کا منافع اور پروفٹ (profit) ایک لاکھ ہے تو آپ اس کی زندگی کے تیس یا پچاس سال کا حساب کرکے بتلایئے کہ وہ کتنا کمائے گا؟ کروڑوں کمائے گا یا اربوں کے حساب سے کمائے گا لیکن یہ کروڑہا کروڑ یا اربہا ارب اس نے جو جمع کیے ہیں، آخر اس کے ذریعہ سے وہ کیا حاصل کرے گا؟ وہ کتنا حاصل کرسکتا ہے؟۔

زندگی بھر کی ہماری کمائی ہوئی دنیوی دولت کی حیثیت

میں ایک مثال کے ذریعہ سمجھایا کرتا ہوں کہ پوری دنیا ہے، اس پوری دنیا کے نقشے کے اندر آپ ہندوستان کو دیکھ لیجیے کہ اس کی کیا حیثیت ہے؟ اور پھر ہندوستان کے اندر گجرات اور گجرات کے اندر سورت ہے تو کیا آپ اپنی پوری زندگی کی کمائی کروڑ ہا کروڑ اور ار بہا ارب سے یہ ایک سورت شہر بھی خرید سکتے ہیں؟ چاہے زندگی میں اس نے کتنی بھی کمائی کی ہو، آج دنیا میں ایسا کوئی نہیں ہے کہ وہ ایسا کہہ سکے کہ میرے پاس اتنے پیسے ہیں کہ جس سے میں سورت شہر کو خرید لوں، نہیں۔ یہ تو سورت کو خریدنے کی دنیوی اعتبار سے بہت اونچی بات کر رہا ہوں، ورنہ آپ کا جو یہ رانی تالاب کا علاقہ ہے، اس کے دو تین محلے، پانچ، چھ گلیاں، ان میں جو مکانات ہیں اور جو زمینیں ہیں، ان کی قیمت کتنی ہوگی؟ آج کی اس مجلس کے اندر بیٹھے ہوئے لوگ کہ جنھوں نے بہت سی دولت کمائی ہے، ان میں جس نے سب سے زیادہ کمایا ہے، کیا اس کے پاس اتنی دولت موجود ہے کہ جس کے ذریعہ سے یہ پانچ، چھ گلیاں ہی خرید سکے؟ کیا حیثیت ہے؟۔

تو ہم نے اپنی اس قیمتی زندگی کے اوقات کو دولت حاصل کرنے میں صرف کیا اور جس دولت کے متعلق ہم اپنے دل و دماغ میں یہ خوش فہمی لیے بیٹھے ہیں کہ ہم نے بہت کچھ کما لیا، ہمارے بہت کچھ کمائے ہوئے کی حیثیت یہ ہے کہ یہ جو رانی تالاب کی پانچ، چھ گلیاں ہیں، ان کو بھی ہم نہیں خرید سکتے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ واقعۃً ہم نے اپنی زندگی کے ان لمحات کو اور قیمتی سرمایے کو گنوادیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیغام امتِ محمدیہ کے نام

اس کے بجائے اگر ہم یہ سرمایہ آخرت کے لیے استعمال کرتے، میں اور آپ یہاں میں جن لوگوں سے خطاب کر رہا ہوں، سب اہلِ ایمان ہیں، ہمارا اور آپ کا کلامِ پاک پر اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات پر ایمان ہے، ہم اور آپ روزانہ سنتے ہیں، فضائلِ ذکر کی تعلیم کے دوران ہمارے کانوں میں یہ بات پڑتی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب معراج میں تشریف لے گئے، سیدنا حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے ملاقات ہوئی، اس ملاقات کے موقع پر انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ اپنی امت کو آپ میرا سلام کہہ دینا —علی نبینا وعلی ابراھیم الصلوۃ والسلام— پھر ان سے کہیے کہ جنت تو ایک چٹیل میدان ہے، اس کے درخت سُبْحَانَ اللہ، وَالْحَمْدُللہ، وَلاَ إِلَهَ إِلَّا اللہ، واللہ أَكْبَرُ ہیں، یہ جنت کے درخت ہیں[1]۔

جنت کے درخت

گویا ایک مرتبہ ہم سُبْحَانَ اللّٰہِ بولیں گے تو جنت کے اندر ہمارے لیے ایک درخت لگ جائے گا۔ یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ایک نسخہ بتلایا کہ بھائی! سُبْحَانَ اللہ ہمارے لیے جنت میں ایک درخت لگواتا ہے۔

دنیا کے باغ میں لگائے جانے والے درختوں کے پیچھے محنتیں

اس مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں میں بہت سے وہ بھی ہیں جو فارمنگ (farming)

---

[1] سنن الترمذی، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ تعالی عنہ، رقم الحدیث ۳٤٦٢.

کرتے ہیں، زراعت اور کھیتی کا پیشہ کرتے ہیں، ان کو معلوم ہے، وہ بتائیں گے کہ اگر کسی کو آم کا باغ لگانا ہو کہ جس کے اندر آم کے ۵۰۰ / درخت ہوں، قلم لگائی ہوں تو آپ بتلایئے کہ اس کے لیے کتنا سرمایہ، کتنی محنت، کتنی توجہ اور کتنا وقت چاہیے؟۔

یہ سب کچھ بہت بڑی مقدار میں درکار ہے اور ان سب چیزوں کو لگانے کے بعد وہ بڑی طویل کے مدت کے بعد اس سے فائدہ حاصل کر سکے گا۔ اس کے لیے اس کے مناسب زمین تیار کرے گا، پودے اور قلم حاصل کرے گا، کھاد لائے گا، اس کے لیے ملازمین اور پانی کا انتظام کرے گا، حفاظت کا انتظام کرے گا، بہت کچھ محنت کے بعد بھی معلوم نہیں کہ کب تیار ہوگا اور خدانخواستہ اس درمیان اگر کسی حادثے کا شکار ہو گیا اور کوئی آسمانی آفت آ گئی تو ساری محنت کے اوپر پانی پھر جاتا ہے تو یہ دنیوی اعتبار سے ایک باغ جس کے اندر ۵۰۰ / درخت لگانا ہو تو اس کو تیار کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے، آدمی اس میں ساری زندگی کھپا دیا کرتا ہے۔

لیکن یہاں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بہت آسان نسخہ بتلایا ہے کہ بھائی! آپ سُبْحَانَ اللّٰه کہیں گے، آپ کی زبان سے یہ سُبْحَانَ اللّٰه کا بول نکلا نہیں کہ آپ کے لیے جنت کے اندر درخت لگ گیا۔

دنیا کے درختوں کا حال

یہ تو دنیا کے درخت کی بات کر رہا تھا کہ آپ دنیا کے ۵۰۰ / درخت لگائیں تو اس کا یہ حال ہے کہ معلوم نہیں کہ وہ پھلتے بھی ہیں یا نہیں اور پھلنے کے بعد ہمارے کام کے

ہیں یا نہیں، ہم محنت کر رہے ہیں لیکن ہوسکتا ہے کہ اس کا پھل آنے سے پہلے ہم اس دنیا سے رخصت ہو جائیں اور ہم اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیں، یہ تو دنیا کے درختوں کا حال ہے۔ اور آخرت کے درختوں کا معاملہ تو صاف ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سُبْحَانَ اللہ کہنے سے جنت میں ہمارے لیے درخت لگ جائے گا، یہ کتنا سہل ہے اور اس ایک درخت کی قیمت کتنی زیادہ ہے؟۔

سورج گرہن کی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش آنے والے عجیب حالات کی تفصیل

حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورج گرہن کی نماز پڑھا رہے تھے، نماز کے دوران نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، کچھ آگے بڑھے، کچھ پیچھے ہٹے، عجیب عجیب حالات اس نماز کے دوران نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش آئے، نماز سے جب فارغ ہوئے تو حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یارسول اللہ! آج نماز کے دوران ایسی عجیب عجیب کیفیتیں آپ پر طاری ہوئیں کہ اس سے پہلے دیکھنے کو نہیں ملیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس نماز کے دوران اللہ تبارک وتعالی نے میرے سامنے جنت کو پیش کیا تھا، جہنم کو پیش کیا تھا، میں نے جنت کا بھی نظارہ کیا، جہنم کا بھی نظارہ کیا۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب جنت میرے سامنے لائی گئی تو میں نے چاہا کہ اس کے اندر سے انگور کا ایک خوشہ توڑ لوں، اسی لیے میں نے ہاتھ آگے بڑھائے تھے اور اگر میں توڑ لیتا تو تم لوگ قیامت تک اس سے کھاتے رہتے تو بھی وہ

ختم نہ ہوتا①۔

جنت کے درختوں کا حال

کیوں ختم نہ ہوتا؟ جنت کی نعمتیں فنا ہونے والی نہیں ہوتیں، اس کی خاصیت یہ ہے کہ جہاں ایک دانہ توڑا جاتا تو آٹومیٹک (automatic) آپ ہی آپ وہاں دوسرا دانہ پیدا ہو جاتا۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرماتے ہیں کہ یہ پوری امت قیامت تک کھاتی تو بھی ختم نہ ہوتا۔ جب جنت کے ایک خوشے کا یہ حال ہے تو جنت کے ایک درخت کی کیا قدر و قیمت ہوگی!!۔

جنت کے اندر درخت لگانا بہت زیادہ آسان ہے

اور اس کے لیے کوئی زیادہ محنت کی بھی ضرورت نہیں ہے، بس یہ کلمات: سُبْحَانَ اللہ، وَالْحَمْدُللہ، وَلاَ اِلَهَ اِلَّا اللہ، واللہ اَکْبَرُ پڑھ لیجیے، بڑی آسانی سے پڑھ سکتے ہیں، ہم ایک منٹ میں کم از کم ۷۰ رمرتبہ سُبْحَانَ اللہ پڑھ سکتے ہیں تو گویا ایک منٹ میں ہم ۷۰ ردرخت لگا سکتے ہیں تو اگر ہم ایسا کریں تو ہم نے اپنی زندگی کے اس ایک منٹ سے کتنا بڑا فائدہ اٹھایا!!، دنیوی اعتبار سے ہم اس ایک منٹ کی کیا اتنی زیادہ قیمت وصول کر سکتے ہیں؟ اب اگر ہم اپنی توجہ کو، اپنے دھیان کو بجائے آخرت کے دنیا کے اندر لگاتے ہیں، اپنی صلاحیتوں کو دنیا کے لیے استعمال کرتے ہیں تو سچ بتائیے کہ

---

①صحیح البخاری، عَنْ عَبْدِ اللہ بْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالی عنہما، بَابُ صَلاَةِ الكُسُوفِ جَمَاعَةً وَصَلَّى ابْنُ عَبَّاسٍ الخ.

ہمارا یہ سودا خسارے اور گھاٹے کا سودا ہے یا نہیں؟۔

اسی کو تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالی کی یہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ اس کی جتنی قیمت وصول کرنی چاہیے، لوگ کر پاتے نہیں ہیں، اس سے جتنا فائدہ حاصل کرنا چاہیے، نہیں کرتے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گھاٹے اور خسارے میں رہتے ہیں، اسی کو تو قرآنِ پاک میں فرمایا: ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ﴾ کہ: انسان گھاٹے میں ہے۔

گھاٹے اور خسارے سے بچنے کا قرآنی طریقہ

البتہ اگر آپ اس گھاٹے اور خسارے سے بچنا چاہتے ہیں تو اس کا کیا طریقہ ہے؟ تو آگے طریقہ بتلایا: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾: البتہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ کیے، گویا انھوں نے اپنی حالت سدھار لی، اپنی اصلاح کر لی، ایمان لا کر اور اعمالِ صالحہ کر کے اپنا حال ٹھیک کر لیا۔

اور پھر آگے فرمایا: ﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾: اور ایک دوسرے کو حق کی تاکید، وصیت اور نصیحت کرتے رہے۔

تواصی اور وصیت کا مفہوم

مؤثر انداز میں بڑی تاکید کے ساتھ کسی کو نصیحت کرنا تواصی کہلاتا ہے، اسی لیے موت کے وقت کی بات کو وصیت کہتے ہیں۔ ویسے بھی موت کی گھڑی جو ہوتی ہے، وہ دلوں پر خاص اثر ڈالنے والی ہوا کرتی ہے، اگر کسی کو موت آرہی ہے تو اس مجلس میں جتنے بھی لوگ ہوں گے، ایک خاص کیفیت ان کے دلوں پر طاری ہوتی ہے اور اس وقت

مرنے والا جو بات کہتا ہے، وہ اپنے اندر ایک خاص اثر رکھتی ہے اور بڑی اہمیت اور تاکید کے ساتھ اپنی بات کو پیش کرتا ہے، اسی وجہ سے اس کو وصیت سے تعبیر کیا جاتا ہے، ورنہ وصیت عربی زبان میں ہر اس بات کو کہتے ہیں جو اہمیت کے ساتھ اور ایک خاص مؤثر انداز میں کسی کے سامنے پیش کی جائے، صرف موت کے وقت کی بات کو نہیں کہتے۔

تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کی تفسیر

تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خود ایمان اور اعمالِ صالحہ کا اہتمام کرے اور ساتھ ہی ساتھ دوسرا درجہ آگے بیان فرمایا: ﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ کہ: حق بات کی وصیت کرے۔

حق سے مراد کیا ہے؟ اس کی تفسیر میں بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ حق سے یہاں ایمان اور عقائدِ حقہ مراد ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے جن عقائدِ حقہ کی ہمیں تعلیم دی، اس کی ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں۔

حدیث جبرئیل کا مختصر مفہوم

حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے آخری دور میں حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے تھے اور مختلف سوالات کیے تھے: مَا الْإِيمَانُ؟: اے اللہ کے رسول! ایمان کیا ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ: **تم** ایمان لاؤ اللہ کے اوپر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں

پر اور قیامت کے دن پر اور تقدیر پر کہ جو اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے، بھلا ہو یا برا ہو، یہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے[۱]۔

تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کی تفسیر کا تکملہ

یہ سب اس طرح کے عقائد جو مؤمن کے ایمان کی بنیاد ہے، ان صحیح اور سچے عقائد، عقائدِ حقہ کی وہ ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں۔

اسی طرح اعمالِ صالحہ کی ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں، ﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ اور گناہوں سے بچنے کی ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں۔ بہر حال! ﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ﴾ میں ایک دوسرے کو ایمان کی تاکید کرنے کا حکم ہے اور ﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ میں اعمالِ صالحہ کا اہتمام اور گناہوں سے بچنے کی ایک دوسرے کو تاکید کرنا مراد ہے، گویا اعمال سے تعلق رکھنے والی سب چیزیں صبر میں آگئیں۔

صبر کی ایک قسم صبر علی الطاعۃ کی تفسیر

ویسے بھی مفسرین اور اہلِ علم نے صبر کی قسمیں بیان کی ہیں، ان میں ایک قسم یہ بھی ہے کہ اعمالِ صالحہ کے انجام دینے میں آدمی کی جان پر یا اس کے جسم پر جو مشقت لاحق ہوتی ہے، اس کو برداشت کرنا، یہ صبر علی الطاعۃ کہلاتا ہے۔

بھائی! سردی کی راتوں میں اٹھنا اور اٹھ کر کے فجر کی باجماعت کی نماز کے لیے

---

① سنن أبي داود، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابُ الدَّلِيلِ عَلَى زِيَادَةِ الْإِيمَانِ وَنُقْصَانِهِ، رقم الحديث: ٤٦٩٥.

مسجد میں آنا، یہ کوئی آسان کام نہیں ہے، اس میں آدمی کو مشقت لاحق ہوتی ہے، یہ جو طاعات کو انجام دینے کے لیے اور عملِ صالح کو انجام دینے کے لیے جو مشقت اٹھائی جا رہی ہے۔

اسی طرح ایک آدمی کے پاس اتنا مال ہے کہ اس میں زکوۃ فرض ہوتی ہے تو وہ اس میں سے زکوۃ نکالے گا یا اپنے مال میں سے صدقے کے طور پر مال نکالے گا تو اس میں آدمی کے دل پر بوجھ پڑتا ہے، پیسے نکالنا کوئی آسان کام تو نہیں ہے۔ بہت سے لوگ تو بخل میں ایسے مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ان کے اندر اس کی ہمت ہی نہیں ہوتی تو بہر حال! نیکی کے کام انجام دینے میں آدمی پر جو مشقت پڑتی ہے، جو تکلیف پڑتی ہے، اسی کو صبر علی الطاعۃ کہتے ہیں۔

صبر کی دوسری قسم صبر عن المعاصی کی تفسیر و تفہیم

اور گناہوں سے بچنے کے اندر بھی آدمی کو مشقت اٹھانی پڑتی ہے، ہمارا نفس کہتا ہے کہ بدنگاہی کرو، یہ نامحرم عورت جا رہی ہے، اس کی طرف دیکھو یا فلانے کا مال ہڑپ کر لو، فلانے کا حق ادا مت کرو۔ یہ گناہوں کے کاموں کے لیے جو نفس اور شیطان آمادہ کرتے ہیں، اپنے آپ کو نفس اور شیطان کے اس ورغلانے سے بچا کر کے اپنے آپ کو گناہوں سے دور رکھنا، اس کے اندر آدمی جو مشقت اٹھاتا ہے، اسی کو صبر عن المعاصی کہا جاتا ہے یعنی گناہوں کا ارتکاب کرنے سے بچاتے ہوئے جو مشقت لاحق ہوتی ہے، اس پر آدمی صبر سے کام لے، یہ دونوں صبر میں آجاتے ہیں۔

تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کی ایک اور تفسیر

ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ دیکھو! ایمان اور عمل صالح کے راستے میں رکاوٹ بننے والی دو چیزیں ہیں: ایک تو شبہات اور دوسری چیز ہے شہوات، شبہات کا مطلب یہ ہے کہ آدمی فکری اور نظریاتی طور پر کچھ ایسے خیالات کا شکار ہو کہ وہ خیالات اس کے ایمان میں خلل ڈالتے ہیں، اس کے نتیجے میں آدمی کا ایمان مجروح ہوتا ہے، متأثر ہوتا ہے، اس میں کمی آتی ہے اور جب ایمان مجروح ہوا تو اس کی وجہ سے اعمال تو خود بخود متأثر ہوں گے۔ اور ایک شہوات ہیں کہ فکری اور نظریاتی طور پر آدمی شریعت کی باتوں کو بالکل درست سمجھتا ہے، اس کا عقیدہ بھی رکھتا ہے لیکن نفس کی خواہشات اس کو ایمان کے تقاضے کے مطابق عمل کرنے سے روکتی ہیں تو یہ جو شبہات اور شہوات ہیں، ان دونوں سے ایک دوسرے کو بچانے کے لیے آپس میں محنتیں کی جاتی ہیں، شبہات کو دور کرنے کے لیے آپس میں محنتیں کی جانے والی محنت کو تواصی بالحق سے تعبیر کیا گیا اور شہوات سے بچانے والی محنت کو تواصی بالصبر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جو لوگ حق بات کی ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں اور صبر کی یعنی نفسانی خواہشات کا شکار نہ ہونے کی ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں، سمجھاتے ہیں، محنتیں کرتے ہیں اور اعمال پر لانے کے لیے جتنی بھی محنتیں ہوتی ہیں، یہ تواصی بالصبر ہے۔

تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا خلاصہ

اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ایمان کی جو ترغیب دی جاتی ہے، ایمان کی تاکید کی جاتی

ہے، ایمان کے لیے لوگوں کو آمادہ کیا جاتا ہے اور اس کی دعوت دی جاتی ہے، وہ تواصی بالحق کے اندر ہے اور اعمالِ صالحہ کا اہتمام اور اس کو کرنے کی تاکید اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام اور اس سلسلے میں آپس میں ایک دوسرے کو تاکید کی جاتی ہے، اسی کو تواصی بالصبر سے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ لوگ جو دوسروں کو حق کی بات تاکید کرتے رہے اور اس کی ترغیب دیتے رہے۔ اسی طرح صبر کی تاکید کرتے رہے یعنی نیک کاموں کو کرنے اور گناہوں سے بچنے کی تاکید کرتے رہے تو وہ لوگ گھاٹے اور خسارے سے محفوظ ہیں۔

ایمانیات کی دعوت دینا تواصی بالحق ہے

بعض لوگ وہ ہوتے ہیں جو عقائدِ حقہ سے واقف نہیں ہوتے، جیسے یہ دعوت وتبلیغ کا سلسلہ ہے، اس میں آپ جائیں گے تو معلوم ہوگا کہ بہت سے وہ ہیں جن کو کلمہ بھی معلوم نہیں ہے، آپ ان کو ایمانیات سے واقف کریں گے تو یہ جو ایمانیات کی دعوت دی جاتی ہے، یہ تواصی بالحق کے قبیل سے ہے۔

تواصی بالصبر کی تعریف

بعض لوگ وہ ہیں کہ جو ماشاء اللہ عقائد کے اعتبار سے درست ہیں، فکری اعتبار سے، نظریاتی اعتبار سے سب جانتے ہیں لیکن عملی اعتبار سے نیکی کے جو اعمال انجام دینے چاہئیں، وہ اعمال نفس کی خواہشات کی وجہ سے انجام نہیں دے پاتے، یا جن گناہوں سے بچنا چاہیے، جن نافرمانیوں سے اپنے آپ کو روکنا چاہیے، اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کی وجہ سے ان گناہوں سے بچ نہیں پاتے، ان نافرمانیوں سے اپنے آپ کو روک نہیں پاتے

تو ان کو اس سلسلے میں جو تاکید اور نصیحت کی جاتی ہے، اس کو تواصی بالصبر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

خسارے سے بچنے کے لیے دوسروں کی اصلاح کی فکر بھی ضروری ہے

تو یہاں دو چیزیں بتلائیں: ایک تو آدمی ایمان اور اعمالِ صالحہ کا اہتمام کرے یعنی اپنی اصلاح کرے، اپنی حالت کو درست کرے اور دوسروں کو ایمان، اعمالِ صالحہ کرنے اور گناہوں سے بچنے کی تاکید کر کے دوسروں کی اصلاح کی بھی کوشش کرے، تب وہ لوگ گھاٹے سے نکلے ہوئے سمجھے جائیں گے، انسانوں کو اور بنی نوعِ انسان کو نقصان اور گھاٹے سے بچانے کے لیے گویا قرآنِ پاک میں اکسایا گیا کہ یہ لوگ اپنی اصلاح کی بھی کوشش کرتے ہیں اور دوسروں کی اصلاح کے لیے بھی کوشش کرتے ہیں، خود بھی اپنی ذات کو کامل اور مکمل بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں، دوسروں کو بھی اس کی تاکید کرتے ہیں۔ یہ دو چیزیں اگر کسی انسان میں ہوں گی تو اس کی گارنٹی دی جا سکتی ہے کہ وہ گھاٹے اور خسارے میں نہیں ہے، یعنی خالی اپنی اصلاح کر لینا کافی نہیں ہے بلکہ جن لوگوں کی اصلاح کی ذمہ داری اس پر علی حسب المراتب عائد ہوتی ہے، اس کے لیے بھی کوشش کرنا، یہ بھی نجات کے لیے اور اپنے آپ کو خسارے سے بچانے کے لیے ضروری ہے۔

صلاح وکمال کے سلسلے کو آگے بھی پہنچانا ضروری ہے

بہر حال! اپنے آپ کو ٹھیک کرنا، اپنے عقائد اور اعمال کی اصلاح کرنا، یہ صلاح والا نسخہ ہے لیکن اس کو اپنی حد تک محدود نہیں رکھنا ہے بلکہ اس کو آگے بھی پہنچانا ہے جس کو

﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ میں بیان کیا گیا کہ آپس میں ایک دوسرے کو اس کی تاکید بھی کرتے رہیں، وصیت بھی کرتے رہیں تو یہ صلاح کے ساتھ اصلاح اور کمال کے ساتھ تکمیل یعنی اپنے آپ کو کامل بنانا کافی نہیں ہے، دوسروں کو کامل بنانے کے لیے آپ کو محنت کرنی پڑے گی۔

دوسروں میں سب سے پہلے اپنے اہل وعیال اور ماتحتوں کی فکر کیجیے

دوسروں میں اپنے اہل وعیال اور ماتحت تو آتے ہی ہیں، اگر آدمی ان کو درست اور کامل بنانے کے لیے محنت نہیں کرے گا تو پھر وہ اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا، ان لوگوں کی کمزوریاں کبھی اس کو بھی ڈبو کر رہتی ہیں۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ لوگ اپنے نیک اور صالح ہونے کو کافی سمجھتے ہیں، نہیں! اپنے نیک اور صالح ہونے سے آپ بچ نہیں پائیں گے، آپ اگر اپنے آپ کو بچانا چاہتے ہیں تو آپ جس ماحول میں رہ رہے ہیں، آپ جس گھر کا ایک فرد ہیں، اس گھر میں آپ کی بیوی ہے، آپ کی اولاد ہے، آپ کے سب ماتحت افراد ہیں، ان لوگوں کو بھی آپ کو صلاح والے زیور سے آراستہ کرنا پڑے گا، محنت کرنی پڑے گی، تب آپ اپنی صلاح اور نیکی کو باقی رکھ سکتے ہیں، ورنہ خود آپ کی یہ صلاح اور کمال والی کیفیت مجروح ہو جائے گی۔

آدمی کی دو حیثیتیں: داعی یا مدعو

حضرت جی مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آدمی یا تو داعی ہوگا یا مدعو ہوگا، یا تو کسی کو نیک کاموں کی دعوت دے رہا ہے، اگر وہ داعی نہیں ہے تو دوسرے

لوگ اس کو دعوت دیں گے اور مدعو بنائیں گے۔آدمی کو چاہیے کہ خود صلاح اور نیکی کے کاموں کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے اپنے آپ کو آگے بڑھائے، یہی کامیابی کا نسخہ ہے جس کو خود حاصل کر کے اس نے اپنے آپ کو درجۂ کمال تک پہنچایا ہے اور دوسروں کو بھی درجۂ کمال تک پہنچانا ہے۔

اپنے آپ کو خسارے سے بچانے والے کون ہیں؟

بہرحال !اس سورت میں اللہ تبارک وتعالی نے مختصر انداز میں آدمی کے لیے ایک نفع بخش اور کامیاب زندگی کس طرح گذاری جاسکتی ہے،اس کے لیے چار چیزوں کی تعلیم دی ہے کہ خود ایمان کا اہتمام کرے، اعمالِ صالحہ کے اوپر پابندی کرے اور آپس میں ایک دوسروں کو یعنی اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی ایمان کی دعوت دیتا رہے اور ساتھ ہی ساتھ اعمالِ صالحہ کا اہتمام اور گناہوں سے بچنے کے لیے بھی آپس میں ایک دوسرے کو تاکید کرتے رہیں، ان چار چیزوں کا اگر اہتمام ہوگا تو آدمی اپنے آپ کو اس گھاٹے سے بچا سکتا ہے جس کی قرآن نے خبر دی ہے اور اگر ان چار چیزوں کا اہتمام نہیں کیا تو اللہ تبارک وتعالی نے قرآنِ پاک میں یہ بات جو قسمیہ طور پر فرمائی:﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ﴾ کہ: انسان گھاٹے میں ہے تو وہ اس کے اندر داخل ہوسکتا ہے؛ اس لیے یہ سلسلہ جاری رکھنا چاہیے۔

دعوت وتبلیغ کے موجودہ طریقۂ کار کو اختیار کرنے کی ایک حکمت

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طریقہ بتلایا کہ آدمی جب تک اپنے

ماحول میں رہتا ہے تو بہت سی مرتبہ اس کا جی چاہتا ہے، اس کی تمنا ہوتی ہے، اس کے لیے کوشش کرتا ہے، اس کے لیے اپنے ماحول میں رہتے ہوئے بہت سارے اسباب اختیار کرتا ہے، اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو بہت سے نیک اعمال کا پابند نہیں بنا سکتا، بہت سے گناہوں سے اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام نہیں کرسکتا تو ضرورت پڑتی ہے کہ اس ماحول کے اندر رہ کر کے وہ اپنے آپ کو اس طرح نہیں کر پاتا تو جس ماحول کی وجہ سے یہ رکاوٹ پیدا ہوئی تھی، اس ماحول سے اپنے آپ کو نکال کر کے اچھے ماحول میں لے جانے کی کوشش کرے۔

تبلیغی جماعت کی اہمیت

ہمارے حضرت شیخ مولانا زکریا نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی کو نمازوں کا پابند بننا ہے اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرنا ہے تو اگر وہ اپنے ماحول سے نکل کر ایک مدت، ایک زمانہ جماعت کے ساتھ لگا دے گا یا ایک الگ ماحول میں چلا گیا، وہاں اس کی وہ رکاوٹیں جو گھر رہتے ہوئی تھیں، مخصوص ماحول میں رہتے ہوئے ایک آدمی نمازوں کا اہتمام کر لینے کی یا اعمالِ صالحہ کا اہتمام کرنے کی یا گناہوں سے بچنے کی کوشش کے باوجود کامیاب نہیں ہو پاتا تھا، جب اس ماحول کو چھوڑ کر کے ایک الگ ماحول میں کہ جس میں نیک لوگوں کا بھی ساتھ ہوتا ہے، ان کی طرف سے رہنمائی ہوتی ہے، آپس میں ایک دوسرے سے سیکھنے سکھانے اور تعلیم وتعلم کا موقع ملتا ہے، گویا ایک چلتا پھرتا مدرسہ ہے اور چلتی پھرتی خانقاہ ہے اور واقعۃً ایک آسان سا سلسلہ ہے کہ جس

کے اندر آدمی کوشش کرے اور واقعۃً دیانت داری سے اور سچے دل سے اپنی اصلاح کا خواہش مند ہوتو آسانی سے اس کو یہ چیز حاصل ہوسکتی ہے، ورنہ گھر پر رہتے ہوئے، یہاں کے ماحول میں رہتے ہوئے یہ چیز مشکل سے حاصل ہوتی ہے یا رکاوٹیں پیش آسکتی ہیں۔

جماعت میں نکلنا کب کارآمد ہوسکتا ہے

بہرحال! یہ ایک آسان طریقہ ہے اور اس کا نافع ہونا اور جس کا مفید اور کارآمد ہونا اب تو ہر ایک کے سامنے برسوں کے تجربے سے آچکا ہے۔ ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آدمی جب جماعت میں نکلے تو اس کی نیت یہی ہو کہ میں دین کے اوپر صحیح عمل کرنے والا بن جاؤں؛ اس لیے جارہا ہوں، دل میں یہ خیال نہ کرے کہ میں تو کامل ومکمل ہوں، میں دوسروں کی اصلاح کے لیے جارہا ہوں، ایسی نیت لے کر کے نہ جائے، بلکہ اپنی اصلاح کے لیے، اپنی حالت کو درست کرنے کے لیے کہ میں اور میرے دوسرے بھائی جو ہیں، ہم سب مل کر کے آپس میں مذاکرہ کریں گے اور اپنی کمزوریوں کا احتساب کریں گے، اس کا جائزہ لیں گے اور اس کے بعد ان کمزوریوں کو دور کرنے کے لیے مل جل کر کے محنت کریں گے اور اعمالِ صالحہ کی پابندی حاصل ہو، اس کے لیے بھی مختلف تدبیریں جن کا مفید ہونا تجربے سے ثابت ہو چکا ہے، ان کو اختیار کریں گے تو اِن شاء اللہ تعالی یہ مفید اور کارآمد ہوگا۔

یہ روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکا ہے؛ اس لیے یہ سلسلہ بڑا مفید اور کارآمد ہے،

اگر ہم اپنی اصلاح کی نیت سے اس کو اپنائیں تو ان شاء اللہ تعالی دنیا اور آخرت کی کامیابی اور نجات کے لیے کافی ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس میں اخلاص کے ساتھ لگیں اور ہماری نیت یہی ہو کہ ہم اپنے حال کو درست کر رہے ہیں، کسی کی تنقیص یا کسی کی تحقیر ہماری نگاہوں میں اور ہمارے دلوں میں نہ ہو۔

اس راہ میں نکل کر دوسروں کی تنقیص اور تحقیر میں مبتلا ہونے والے

یہ بڑی خطرناک چیز ہے، بعض مرتبہ اس سلسلے میں بعض احباب لگے اور اللہ تعالی نے ان کو اس سے نفع بھی پہنچایا اور بعض احباب کے مزاج خراب بھی ہوئے لیکن ایسے بہت کم ہیں، ہم چوں کہ دارالافتا میں بیٹھتے ہیں تو ہمارے پاس اس قسم کی شکایتیں بھی آتی ہیں، پہلے اتنی کثرت سے شکایتیں نہیں آتی تھیں۔

اہلِ تبلیغ کو اہلِ علم سے ایک شکایت اور اس کا چشم کشا جواب

اور ہمارا اور ہمارے اسلاف کا طریقہ کار رہا ہے کہ ہمارے بزرگوں کے یہاں دینی خدمات کے مختلف شعبے رہے ہیں اور یہ سلسلہ بھی اسی نوعیت کا ہے تو اس سلسلے پر لوگوں کی طرف سے جو اعتراضات اور اشکالات ہوتے ہیں تو آپ یہ مت سمجھیے کہ ہم یوں ہی بیٹھے رہتے ہیں بلکہ آپ کی طرف سے ہم دفاع اور ڈیفنس (defence) کرتے ہیں، آپ تو یوں سمجھتے ہوں گے کہ یہ لوگ ہماری کوئی نصرت، کوئی تعاون نہیں کرتے، ہمارا کوئی ساتھ نہیں دیتے، نہیں! ہم علمی طور پر جتنا ڈیفنس کرتے ہیں، آپ کو اس کا اندازہ نہیں، ورنہ آپ کو دنیا میں کوئی زندہ نہیں رہنے دیتا، آپ کے خلاف ایسی

ایسی چیزیں شائع ہوتی ہیں اور علمی طور پر علمائے کرام اور مفتیانِ کرام آپ کے اوپر ہونے والے اعتراضات کا علمی طور پر جائزہ لے کر ان اشکالات اور اعتراضات کا جواب دیتے ہیں اور ہمارے اکابر کرتے چلے آئے، اسی کے نتیجے میں اس کو تقویت ہوئی اور یہ سلسلہ بڑھتا چلا گیا۔

حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کا دعوت وتبلیغ کے ساتھ تعلق

اسی قبیل سے ایک قصہ لطیفے کے طور پر سناتا ہوں، پہلی بات تو یہ کہ یہ میں نے ہمارے حضرت مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہ کی زبان سے خود سنا ہے، حضرتؒ نے حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک زمانہ گذارا اور حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اسی دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں بہت سے مقامات پر جانا ہوا، خاص طور پر میوات کے علاقوں میں اور حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت کی طرف بڑی توجہ بھی فرماتے تھے۔

حضرت جی ثانی مولانا یوسفؒ کی اس کام کی طرف سے بے رغبتی اور حضرت فقیہ الامتؒ کی ان پر محنت

اس زمانے میں حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ یعنی دوسرے حضرت جی پڑھتے تھے اور پڑھ کر کے، فارغ ہو کر کے آئے تھے، ان کی توجہ اس کام کی طرف نہیں تھی، علمی مشغلہ ان کے مزاج اور ان کی طبیعت پر ایسا غالب تھا کہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بہت کوششوں کے باوجود اِدھر توجہ نہیں دیتے تھے، بس کتابوں

کے مطالعے میں اور اسی کی تدریس میں مشغول رہتے تھے اور حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت پر اس کا بڑا اثر تھا، حضرت چاہتے تھے کہ وہ اس کام کی طرف متوجہ ہوں۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اس پر مامور کیا کہ تم اس پر محنت کرو۔ چنانچہ حضرتؒ نے ان پر محنت کر کے ان کو اِدھر متوجہ کیا اور پھر جو اِدھر متوجہ ہوئے اور ساری دنیا جانتی ہے کہ انھوں نے کیا کارنامے انجام دئے۔

اگر میں نکلوں گا تو آپ کو یہ مسئلے کون بتلائے گا؟

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کلکتہ کے اندر اجتماع تھا اور وہاں سے حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے قافلے کے ساتھ واپس لوٹ رہے تھے، اس زمانے میں حضرت مفتی صاحبؒ کانپور میں تھے، یہ ٹرین جب کانپور کے اسٹیشن پر پہنچی تو ہمارے یہاں کا جیسا کہ ماحول ہے کہ ہمارے اکابر کی ملاقات کے لیے لوگ اکٹھے ہو جایا کرتے ہیں، استقبال کے لیے آتے ہیں، دعا کی درخواست کرتے ہیں تو اسی طرح کانپور اسٹیشن پر بھی لوگوں کا ہجوم لگ گیا تھا اور ٹرین کے پہنچتے ہی لوگوں نے کہا کہ ہمیں حضرت جی سے ملاقات لینی ہے تو حضرت کہنے لگے کہ مجھے کسی سے ملاقات نہیں کرنی ہے، مجھے مفتی صاحب سے کچھ مسئلے پوچھنے ہیں۔ یہ کہہ کر کے لوگوں کو وہاں سے ہٹا دیا اور حضرت مفتی صاحبؒ کے قریب بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ

کتنے دن سے میں چاہتا تھا کہ آپ سے ملاقات ہوجاتی توان چیزوں کا تذکرہ ہوجاتا اور مسئلے پوچھ لیتا اور مسئلے پوچھے۔

اب گاڑی کے اٹھنے میں ایک دومنٹ باقی رہ گئے تھے۔حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسئلے بتادئے تو کہنے لگے کہ اچھا! آپ (جماعت میں) کب نکلتے ہیں؟ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ اگر میں نکلوں گا تو آپ کو یہ مسئلے کون بتلائے گا؟ یہ سن کر حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہنسنے لگے۔

ایک ہوجائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں

بہرحال! کہنے کا حاصل یہ ہے کہ دین کے تمام شعبوں میں اس طرح کا اتحاد واتفاق ہونا چاہیے، یہ تو دنیا طلب لوگوں کی فطرت ہے کہ جو دنیا طلب لوگ ہوتے ہیں، ان میں آپس میں رقابت ہوتی ہے اور باہم مقابلہ آرائی ہوتی ہے۔دین کے شعبے تو وہ ہوا کرتے ہیں کہ ہر ایک، ایک دوسرے کا معین اور مددگار رہتا ہے۔

ہمیں سارے انبیاء پر ایمان لانے کا مکلف بنایا گیا ہے

بھائی دیکھو! ہم تو آخری امت ہیں، ہمارے نبی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، آپ کی لائی ہوئی شریعت ہی پر ہم عمل کرتے ہیں اور اسی پر عمل کرنے میں ہماری نجات ہے لیکن اس کے باوجود ہم میں سے ہر آدمی کو مکلف کیا گیا کہ حضرتِ آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام تک جتنے بھی پیغمبر آئے، ان سب پر ہم ایمان لائیں، ایمان سب پر لانا ہے۔اسی طرح دین کے مختلف شعبے اور جماعتیں ہیں۔

حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت

حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہاں لاجپور کے اجتماع میں آئے تھے اور آخری مجلس میں جو تقریر فرمائی تھی، وہ مجھے خوب یاد ہے اور حضرت نے اسی موضوع پر، یہی باتیں جو میں عرض کررہا ہوں، بیان فرمائی تھیں کہ بھائی! یہ تمام شعبے اپنی جگہ پر اہمیت کے حامل ہیں؛ اس لیے ہر شعبے والے آپس میں مل جل کے اپنے اپنے کام میں لگیں اور کسی کی تحقیر یا تنقیص کسی کے دل میں نہ ہو تو اِن شاء اللہ بڑی کامیابی ہے۔ یہ جو بعض حضرات اپنی ناواقفیت کی وجہ سے ایسی چیز کرڈالتے ہیں کہ جس کی وجہ سے پوری جماعت کے اوپر زد پڑتی ہے اور جو ذمہ دار حضرات ہیں، ان کو بھی کبھی بڑی شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے، جب ان کے سامنے اس طرح کی باتیں آتی ہیں اور اس پر ناراضگی کا بھی اظہار کرتے ہیں لیکن بہر حال! یہ چیز ہونی مناسب نہیں ہے، تحقیر کسی کی نہ ہو۔

قبول کرلیں تو جانیں کہ ہم بھی مخلص ہیں

بھائی! کس کی خدمت اللہ کے یہاں مقبول ہے، وہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، کوئی گارنٹی نہیں دے سکتا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چھوٹا سا آدمی بڑا کارنامہ انجام دے جاتا ہے۔ بڑے بڑے اہلِ علم، بڑے بڑے اکابر کے حالات میں آپ دیکھیں گے کہ انتقال کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا، علمی اعتبار سے اور عملی اعتبار سے ان کی بڑی بڑی خدمات تھیں لیکن خواب میں دیکھنے والے نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہوا تو کہا

کہ فلاں عمل کی وجہ سے مغفرت ہوگئی، ایک معمولی سے عمل کی وجہ سے اللہ تعالی کے یہاں نجات ہوگئی، کس کی نجات کس عمل کی وجہ سے ہوتی ہے، وہ تو اللہ ہی بہتر جانتے ہیں، اس لیے تحقیر وتنقیص کا جذبہ بالکل نہ ہو۔

بہرحال! پورے عالم کے اندر اس وقت اس سلسلے کی جو برکتیں اللہ تبارک وتعالی نے رکھی ہیں اور اس کی وجہ سے عمومی اصلاح کا جو ماحول بنا ہوا ہے، وہ سب دیکھ رہے ہیں، اللہ تبارک وتعالی اس سلسلے کو اور آگے ترقی دے اور کام کرنے والوں کو بھی اخلاص، استقامت اور ہمت عطا فرمائے اور جو کچھ فروگذاشتیں ہیں، اللہ تبارک وتعالی اس کے ازالے کی صورتیں عطا فرمائے۔(آمین)

اور اس کام کی افادیت تجربے سے ثابت ہو چکی ہے اور جس کی افادیت تجربے سے ثابت ہو چکی ہو، اس کے لیے دلائل اور شواہد کی ضرورت نہیں رہتی، وہ تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہوتی ہے۔اللہ تعالی عمل کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

وقت کی قدر و قیمت

اور

لایعنی ولغویات سے بچنے کی اہمیت

حضرت دامت برکاتہم کے ۱۱؍ بیانات کو سن کر یہ بیان مرتب کیا گیا ہے۔

اقتباس

یہ کرکٹ کیا ہے؟ یہ کرکٹ ایک لعنت ہے، یہ بندوں کو اللہ تعالی کی رحمت سے دور کرنے والی چیز ہے۔ حضراتِ فقہاء نے کسی کھیل کے جائز ہونے کے لیے جو شرطیں لکھی ہیں، وہ ساری شرطیں اس میں مفقود ہیں، کوئی شرط نہیں پائی جاتی بلکہ اس کرکٹ کے نتیجے میں سٹہ کھیلا جاتا ہے اور یہ سٹوڈیے ہی ان کھلاڈیوں کو خرید لیتے ہیں، اخبارات کے اندر پڑھتے ہیں کہ اس میں فکسنگ ہوتی ہے یعنی ان کا ہارنا اور جیتنا بھی ایسا ہی ہے، سب اس حقیقت کو جانتے ہیں، اس کے باوجود جب کوئی جیتتا ہے، کوئی ہارتا ہے تو ہم آستینیں چڑھا کر آپس میں لڑنے لگتے ہیں، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ!!۔ اس سے بڑی حماقت اور کیا ہوگی!! ان کی ہار جیت کے اوپر ہم مرنے کے لیے تیار ہیں اور یہ خود پیسے کھا رہے ہیں۔ ہم جب جانتے ہیں کہ یہ ہار اور جیت پہلے سے طے شدہ تھی، پھر اس ہار جیت پر ہمیں اپنی صلاحیتوں کو برباد کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدللّٰہ نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، صلى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا.

أمابعد: فَأَعُوْذُ بِاللّٰہ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾

و قال تعالىٰ: ﴿اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيْرُ﴾ [فاطر: ۳۷]

وقال النبی ﷺ: الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ، وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ[۱].

وقال النبی ﷺ: لَا تَزُولُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ مِنْ بَيْنَ يَدَيْ رَبِّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسِ خِصَالٍ: عَنْ شَبَابِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ، وَعُمُرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ، وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَا أَنْفَقَهُ، وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ[۲].

---

① سنن الترمذي، عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رضى الله تعالى عنه، رقم الحديث: ۲٤۵۹. =

وقال النبی ﷺ: نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ: الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ①.

وقال النبی ﷺ: مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ②.

انسان کو ملنے والی سب سے بڑی نعمت

حضراتِ علمائے کرام اور برادرانِ اسلام!

اللہ تبارک وتعالی نے ہمیں جن نعمتوں سے نوازا ہے، ان میں سب سے بڑی اور عظیم نعمت زندگی ہے جو اللہ تبارک وتعالی نے ہمیں عطا فرمائی بلکہ یوں سمجھئے کہ اس زندگی میں اور دنیا کے اس قیام میں اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے دی جانے والی تمام نعمتوں سے فائدہ اٹھانا اسی ایک نعمت یعنی زندگی کے اوپر موقوف ہے، یہ ہے تو آدمی ساری نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور یہ جب ختم ہو جائے گی تو ساری نعمتیں ہاتھ سے نکل جائیں گی۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہی وہ سرمایہ اور دولت ہے جس کو لے کر انسان دنیا میں آتا ہے۔

امت کی تربیت کا ایک نبوی انداز

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جو تربیت فرماتے تھے اور ان

= ② شعب الإيمان، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی الله تعالى عنه، فَصْلٌ قَالَ: وَيَنْبَغِي لِطَالِبِ الْعِلْمِ أَنْ يَكُونَ تَعَلُّمُهُ وَلِلْعَالِمِ أَنْ يَكُونَ تَعْلِيمُهُ لِوَجْهِ اللهِ تَعَالَى جَدُّهُ الخ.

① سنن الترمذی، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله تعالى عنهما، بَابٌ: الصِّحَّةُ وَالفَرَاغُ نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ.

② سنن الترمذی، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ رضی الله تعالى عنهما، رقم الحديث: ۲۳۱۸.

کے واسطے سے قیامت تک آنے والی امتِ محمدیہ کی تربیت فرماتے تھے، اس میں تربیت کے لیے مختلف انداز اختیار فرماتے تھے، ان ہی مختلف انداز میں سے ایک یہ انداز بھی تھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں سے روشناس کراتے تھے، گویا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کی پہچان کراتے تھے کہ یہ، یہ اللہ کی نعمتیں ہیں، پھر ان نعمتوں سے جو فائدہ اٹھانا چاہیے، وہ نعمتیں ضائع اور برباد نہ ہوں، خاص طور پر اس کی تاکید فرماتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امت کو شیطانی مکائد سے بچنے کی تاکید

چوں کہ انسان کے ساتھ شیطان اور نفس لگے ہوئے ہیں اور وہ ہر وقت آدمی کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ آدمی کوئی ایسا کام جو آخرت میں اس کے لیے کامیابی کا ذریعہ ہو، کرنے نہ پائے، ان کی بھرپور کوشش یہی ہوتی ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کو اس بات کی طرف متوجہ فرماتے تھے کہ بہت زیادہ چوکنا رہنے کی ضرورت ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں، اللہ کی ان نعمتوں سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک خصوصیت: جوامع الکلم

ابھی آپ کے سامنے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو ارشادات پڑھ کر سنائے گئے ان میں ایک مختصر ارشاد یہ بھی پیش کیا گیا: مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جن خصوصیات اور امتیازات سے نوازا تھا، ان

خصوصیات میں ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اللہ تبارک وتعالی نے آپ کو جوامع الکلم عطا فرمائے تھے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کی جانے والی بعض خصوصیات

اللہ تبارک وتعالی نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت ساری خصوصیات عطا فرمائیں جن کو خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے بیان فرما کر امت کو ان سے آگاہ فرمایا۔ بخاری شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الأَنْبِيَاءِ قَبْلِي: اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی اور نبی کو نہیں دی گئیں۔ اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ان پانچ خصوصیات کو بیان فرمایا:

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کی جانے والی ایک خصوصیت: رعب و ہیبت

ان میں سے ایک خصوصیت یہ بیان فرمائی: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ: اللہ تبارک وتعالی نے میرے رعب اور ہیبت کو ایک مہینے کی مسافت تک پہنچا کر میری مدد فرمائی۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ آپ کے جو دشمن تھے، ان کی مسافت کے اعتبار سے دوری زیادہ سے زیادہ ایک مہینے تک تھی؛ اس لیے اس کو خاص طور پر ذکر کیا گیا، آپ کے اسی رعب کا یہ نتیجہ تھا کہ بڑے سے بڑا دشمن بھی جب آپ کے سامنے آتا تھا تو لرز جاتا تھا۔

میں تو آپ حضرات کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جوامع الکلم والی خصوصیت کو بیان

کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں چھ چیزوں کا تذکرہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: مجھے دوسرے انبیاء پر چھ چیزوں کے ذریعہ فضیلت دی ہے [1]۔ ویسے حضراتِ علمائے کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان خصوصیات اور امتیازات کو بیان کرنے کے لیے مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی ''الخصائص الکبری'' میں ان ہی خصوصیات کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک خصوصیت: جوامع الکلم اور اس کا مطلب

بہرحال! میں تو یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالی نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو خصوصیات عطا فرمائی تھیں، ان میں ایک خصوصیت یہ جوامع الکلم تھی۔ جوامع الکلم کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا کمال عطا فرمایا تھا کہ آپ مختصر الفاظ میں کوئی بات ارشاد فرماتے تھے اور اس کے معانی اور مطالب بہت زیادہ ہوا کرتے تھے، بات چھوٹی سی ہوتی تھی لیکن مفہوم بہت زیادہ وسیع ہوا کرتا تھا جس کو ''دریا بکوزہ'' کہا جاتا ہے اور جس کو ''گاگر میں ساگر'' کہا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان بھی جوامع الکلم میں سے ہے

ان ہی جوامع الکلم میں سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد وہ بھی ہے جو ابھی میں

---

[1] فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً، وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ.

(صحيح مسلم، باب جُعلت لي الأرض مسجدًا وطهورًا، رقم الحديث:۵۲۳)

نے آپ کے سامنے پڑھا: مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ۔ حضراتِ محدثین فرماتے ہیں کہ یہ بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوامع الکلم میں سے ہے۔ ایک بہت بڑے محدث امام ابوداود سلیمان بن اشعث سجستانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کی ترتیب دادہ حدیث کی کتاب سنن ابی داود ہے جس کا نام آپ بھی سنتے رہتے ہوں گے۔ ہمارے مدارسِ عربیہ میں تعلیم کا جو آخری سال ہے، اس میں حدیث کی کتابیں جو صحاحِ ستہ یا امہات الست کے نام سے مشہور ہیں، اس میں ایک کتاب سنن ابی داود ہے، اسی کے مؤلف امام ابوداود سلیمان بن اشعث سجستانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا علمِ حدیث میں بڑا اونچا مقام تھا۔

سننِ ابی داود کا مقام و مرتبہ محدثین کی نظر میں

چنانچہ ایک دوسرے بڑے محدث ہیں موسی بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ، وہ فرماتے ہیں کہ امام ابی داود خُلِقَ فِی الدُّنْیالِلْحَدِیْثِ وَفِی الآخرۃِ لِلْجَنَّۃِ کہ امام ابوداودؒ دنیا کے اندر تو حدیث کے لیے اور آخرت کے اندر جنت کے لیے پیدا کیے گئے۔ چنانچہ ان کی ترتیب دادہ کتاب سنن ابی داود جب مشہور محدث ابوبکر محمد بن اسحاق صغانی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابراہیم حربی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچی- جو کہ دونوں بڑے محدث ہیں-تو اس کو دیکھ کر دونوں نے کہا: أُلِین لأبی دَاوُدالحَدِیث کَمَاأُلِین لداود عَلَیْہِ السّلَام الْحَدِید[1] کہ: امامِ ابوداود کے لیے اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے علمِ حدیث ایسا آسان اور نرم کر دیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے حضرت داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے

---

(۱) طبقات الشافعیۃ الکبری للسبکی ۲/ ۲۹۵، رقم الشخصیات: ۶۳.

لیے لوہے کر نرم کر دیا گیا تھا۔

سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ سے ایک عجیب درخواست

اور سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے بزرگ ہیں، ایک مرتبہ امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: إِنَّ لِي إِلَيْكَ حَاجَةً: مجھے آپ سے ایک ضرورت درپیش ہے۔ فرمایا: بتلایئے، کیا ضرورت ہے؟۔ انھوں نے کہا کہ پورا کرنے کا وعدہ کیجیے۔ آپ نے کہا کہ اگر پورا کرنے کی طاقت ہوگی تو ضرور کروں گا۔ فرمایا کہ آپ اپنی اس زبان کو نکالیے جس کے ذریعہ سے آپ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کو بیان کرتے ہیں؛ تاکہ میں اس کو بوسہ دوں[1]۔ تو ان کا بڑا اونچا مقام تھا، اور بھی بہت سے فضائل ہیں۔

تقوی میں امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کا مقام

تقویٰ اور طہارت کے اعتبار سے بھی امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کا مقام بڑا اونچا تھا۔ اس زمانے میں کاغذات وغیرہ رکھنے کے لیے جیب آستین کے اندر ہوا کرتی تھی۔ ان کی ایک آستین جس میں جیب تھی، وہ تو بڑی تھی اور دوسری آستین جس میں جیب نہیں تھی، وہ چھوٹی تھی کہ اس کی کیا ضرورت ہے؟ یہ تو ایک طرح کی فضول خرچی ہے۔

چھینک کے موقع پر نبوی تعلیم

ایک مرتبہ ایک بڑی کشتی میں بیٹھ کر کے کہیں جا رہے تھے، کنارے پر ایک آدمی

---

(۱) سیر أعلام النبلاء ۱۳/ ۲۱۳، رقم الشخصیات: ۱۱۷.

کھڑا تھا، اس کو چھینک آئی اور اس نے ''الحمدللہ'' کہا۔ ہمیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تعلیم دی ہے کہ کسی کو چھینک آوے تو چاہیے کہ وہ الحمدللہ کہے اور جو آدمی اس کی اس الحمدللہ کو سنے، اس کے جواب میں ''یَرْحَمُكَ اللّٰہُ'' کہے چھینک کھانے والے کے لیے الحمدللہ کہنا تو سنت ہے، واجب نہیں۔ نہیں کہے گا تو گنہگار نہیں ہوگا لیکن اس نے الحمدللہ کہی تو سننے والے کے لیے اس کے جواب میں ''یَرْحَمُكَ اللّٰہُ'' کہنا واجب ہے، نہیں کہے گا تو گنہگار ہوگا۔

اور اس سلسلے میں آگے ایک ادب یہ بھی ہے کہ جب سننے والا ''یَرْحَمُكَ اللّٰہُ'' کہے تو چھینک کھانے والا اس کے جواب میں کہے گا: ''یَهْدِیكُمُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بَالَكُمْ'' کہ اللہ تعالیٰ تمھیں ہدایت کا راستہ عطا فرمائے اور تمھارا حال درست فرمائے[1]۔

امام ابوداودؒ اور احکامِ شریعت کی پابندی کا عجیب وغریب اہتمام

تو ایک آدمی کنارے پر کھڑا تھا جہاں سے امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کشتی گذری، اس کو چھینک آئی اور اس نے ''الحمدللہ'' کہا۔ اب یہ ان کے جواب میں ''یَرْحَمُكَ اللّٰہُ'' کہیں، اس سے پہلے ہی ان کا جہاز تیزی سے آگے نکل گیا۔

چھینک اور سلام کے جواب کے سلسلے میں ایک ضروری وضاحت

ایک بات اور بھی یاد رہے کہ چھینک کھانے والے کے الحمدللہ کے جواب میں ''یَرْحَمُكَ اللّٰہُ'' کہنا یا سلام کرنے والے کے ''السلام علیکم'' کے جواب میں

---

[1] صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰہُ تعالی عَنْهُ، بَابُ إِذَا عَطَسَ كَيْفَ يُشَمَّتُ.

''وعلیکم السلام'' کہنا واجب ہے لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ جس نے چھینک کھائی ہے یا سلام کیا ہے، اس کے کانوں تک جواب کی یہ آواز پہنچے؛ کیوں کہ یہ اس کا حق ہے۔ آواز پہنچے گی، وہ سنے گا، تو ہی یہ حق ادا ہوگا۔ آپ اپنے من ہی من کے اندر بول دیں گے یا اتنا آہستہ بولیں گے کہ اس کے کانوں تک آواز نہ پہنچے تو یہ واجب ادا نہ ہوگا۔

تو امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ جس کشتی میں سوار تھے، وہ ذرا تیزی سے چل رہی تھی، اس نے چھینک کھانے کے بعد جب الحمد للہ کہا اور ''یَرْحَمُكَ اللهُ'' کہنے کا وقت آیا تو وہ جہاز اتنا دور جا چکا تھا کہ امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کو یہ خیال ہوا کہ اب اگر میں ''یَرْحَمُكَ اللهُ'' کہوں گا تو اس کی آواز اس چھینک کھانے والے تک نہیں پہنچے گی تو انھوں نے اس بڑی کشتی میں سے ایک چھوٹی کشتی نکالی۔

جیسے آج کل اسٹیمروں میں جو سفر کرتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ان میں چھوٹی چھوٹی کشتیاں بھی ہوتی ہیں؛ تاکہ ضرورت پیش آنے پر ان کو دریا میں ڈال کر کام لیا جا سکے، اس زمانے میں بھی ایسا ہی تھا کہ بڑے جہاز میں چھوٹی کشتیاں بھی ہوتی تھیں کہ جس میں ایک، دو آدمی سوار ہو سکیں، چپو سے چلائی جاتی تھی۔ امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے وہ چھوٹی کشتی ایک درہم میں کرایے پر لی، نیچے اتاری اور اس پر سوار ہو کر کنارے پر جا کر اس کو جواب میں یَرْحَمُكَ اللهُ کہا اور واپس اپنے جہاز میں آ کر سوار ہو گئے۔

کسی نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے – وہ اصل میں فرشتہ تھا – کہ امام ابوداود نے ایک درہم میں جنت خرید لی۔ تو امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کا علمِ حدیث میں بڑا اونچا مقام ہے۔

دین داری کے ساتھ زندگی گذارنے کے لیے چار احادیث

ان کا ایک مقولہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اوران کے حالات لکھنے والے دوسرے علماء نے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پانچ لاکھ حدیثیں حاصل کیں اور پانچ لاکھ حدیثوں میں سے انتخاب کر کے، چن کر چار ہزار آٹھ سو احادیث اپنی اس کتاب سنن ابی داود کے اندر مختلف عنوانات کے ماتحت مرتب کر کے لوگوں کے سامنے پیش کی ہیں، پھر آگے فرماتے ہیں: ویکفي الإنسان لدينه من ذلك أربعة أحاديث: ایک انسان کے لیے اس کی دین داری کے واسطے اوراس کے اللہ کے حکم پر عامل بننے کے واسطے اس مجموعۂ احادیث میں سے چار حدیثیں کافی ہیں۔ اگر کوئی آدمی ان کو اختیار کرلے اوران پر عمل کا اہتمام کرلے تو اس کی نجات اور دین داری کے لیے کافی ہوجائے گا۔

پہلی حدیث اوراس کی مختصر وضاحت

چنانچہ پہلی روایت ''إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى'' ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الجامع الصحیح'' کی شروعات اسی حدیث سے کی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اعمال کا مدار نیتوں کے اوپر ہے یعنی آدمی جیسی نیت کر کے عمل کرے گا، اس کے مطابق اس کا ثمرہ اور نتیجہ ظاہر ہوگا۔

دوسری حدیث

دوسری روایت یہی ہے یعنی مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ: آدمی

کے اسلام کی خوبی اور اس کا حسن یہ ہے کہ وہ فضول اور بے کار چیزوں کو چھوڑ دے۔

تیسری حدیث اور اس کی مختصر وضاحت

اور تیسری حدیث ہے: لا یکون المرء مؤمنا حَتّٰی یرضی لأخیه مایرضی لنفسه: امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اپنے اس ارشاد میں ان ہی الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے، اگرچہ یہ روایت بخاری شریف میں لا یُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لأَخِيهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهِ کے الفاظ سے آئی ہے [۱]۔ چوں کہ اہلِ علم موجود ہیں، ان کو اشکال نہ ہو؛ اس لیے دفعِ دخل مقدر کر دیا۔ بہر حال! مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی مؤمن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

چوتھی حدیث اور اس کی مختصر وضاحت

اور چوتھی روایت اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ وَبَیْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ ہے کہ اللہ کی طرف سے جن چیزوں کو حلال کیا گیا ہے، وہ بھی صاف اور واضح ہیں اور جو حرام کی گئی ہیں، وہ بھی صاف اور واضح ہیں اور ان کے بیچ میں کچھ ایسی مشتبہ چیزیں ہیں کہ جن کے اندر دونوں پہلو پائے جاتے ہیں: حلت والی علت بھی پائی جاتی ہے اور حرمت والی بھی، جن کو اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ ہاں جو اہلِ علم ہیں، جنھوں نے علم کے اندر پختگی حاصل کی ہو، وہ البتہ ان چیزوں کو جانتے ہیں۔ جو آدمی اپنے آپ کو ان سے بچاتا ہے، وہ اپنے دین کو محفوظ کر لیتا ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَنَس، بَابٌ: مِنَ الإِيمَانِ أَنْ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ.

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ چار روایتیں ایک آدمی کی دین داری کے لیے کافی ہیں[1]۔ گویا امام ابوداود نے ان چار احادیث کو پورے ذخیرۂ حدیث کا خلاصہ اور نچوڑ بتایا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ذخیرۂ حدیث کا خلاصہ

ان سے پہلے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحب زادے حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کو جو نصیحت فرمائی، اس میں امام صاحب نے پورے ذخیرۂ حدیث کا نچوڑ پانچ احادیث کو بتایا تھا، جن میں سے چار یہی ہیں۔ پانچویں حدیث یہ ہے: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی ایذارسانیوں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

امام ابوداودؒ کے مقولے کی وضاحت شاہ عبدالعزیزؒ کے قلم سے

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کے اس مقولے کو نقل فرما کر اپنی طرف سے وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پہلی جو روایت ہے: إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى، یہ شعبۂ عبادت کے لیے کافی ہے کہ جتنی عبادتیں ہیں، وہ نیت کی درستگی پر موقوف ہیں اور الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ یہ معاملات کی درستگی کے لیے ہے اور لا يكون المؤمن مؤمنا حَتَّى يرضى لأخيه ما يرضى لنفسه یہ معاشرت کی درستگی کے لیے کافی ہے اور یہ

---

[1] تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزى ١١/ ٣٦٤.

حدیث مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ، اللہ تعالی نے ہمیں جو زندگی عطا فرمائی ہے، زندگی کے اوقات کو صحیح طریقے سے گذارنے کے لیے کافی ہے۔

لایعنی کی تفسیر اور وضاحت

بہرحال! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی چیزوں کو چھوڑ دے۔ یہ لایعنی کیا ہے؟ علماء اور شراح نے لایعنی کہ وضاحت فرمائی کہ وہ بات اور وہ کام جس کا نہ تو آخرت میں کوئی فائدہ ہو، نہ دنیا میں، ایسا کام اور ایسی بات لایعنی شمار ہوتے ہیں، گویا جس قول اور فعل کا کوئی فائدہ ظاہر نہ ہوتا ہو، وہ لایعنی ہے، یہ عام طور پر لایعنی کی تفسیر کتابوں کے اندر بیان کی جاتی ہے۔

حضرت فقیہ الامت رحمہ اللہ کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ افریقہ کے سفر میں ہمارے حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں ایک صاحب کے گھر جانا ہوا۔ آج کل کا حال ہم جانتے ہیں کہ گھر کے اندر بہت ساری چیزیں شو اور دکھلاوے کے واسطے رکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ ان صاحب کے گھر میں دو کونے میں دو اونچے مٹکے رکھے ہوئے تھے جس کو پوٹ کہتے ہیں۔ اس پر حضرت نے صاحبِ خانہ سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ یہ پوٹ ہے۔ پوچھا کہ کیا کام آتے ہیں؟ تو بتایا کہ ویسے ہی دکھاوے کے لیے ہیں۔ اس پر حضرت نے بڑا جامع اور عجیب وغریب جملہ ارشاد فرمایا کہ اب تک تو ہم سمجھتے تھے کہ لایعنی میں دو چیزیں ہوتی ہیں: قول یعنی بات اور فعل یعنی کام۔ آج پتہ چلا کہ چیزیں بھی لایعنی

ہوتی ہیں، اس میں چیزیں بھی داخل ہوگئیں۔

فضول خرچی کی ایک مثال

حقیقت تو یہ ہے کہ اب لایعنی چیزوں کا سلسلہ اتنا زیادہ ہوگیا ہے کہ آپ اس کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں بلکہ اب تو جو نئے مکانات تعمیر ہوتے ہیں، اس کے اندر باقاعدہ فرنیچر (furniture) کی ترتیب دینے والا، اس کا نقشہ بنانے والا انٹیریل آرکیٹکٹ (interior architect) ہوتا ہے، مکان کے اندر ساری ضرورتیں آ چکی ہیں لیکن محض مکان کے اندر زیب وزینت اور شو کے لیے کہ ٹیبل کہاں رکھیں گے اور کرسی کہاں ہوگی، لوگ اس کے اندر لاکھوں روپئے خرچ کرتے ہیں۔

ابھی سورت کے اندر ہمارے ایک دوست نے بتلایا، ان کے خاندان کے لوگ بلڈرس (builders) ہیں، مکان تعمیر کر رہے ہیں، انھوں نے بتلایا کہ بیرون ملک کے اندر باپ بیٹا ڈاکٹر ہیں، انھوں نے دو فلیٹ خریدے ہیں، ایک فلیٹ کی قیمت دو کروڑ ہے۔ کہا کہ فلیٹ کی قیمت تو دو دو کروڑ لیکن اس کے اندر فرنیچر (furniture) اور انٹریل پانچ پانچ کروڑ کا!! میں تو سن کر حیرت میں پڑ گیا کہ دیکھو! یہ پیسہ جو اللہ تعالی نے دیا ہے، اس کو لوگ کیسے ضائع اور برباد کر رہے ہیں۔ کل کو قیامت کے دن اللہ تعالی کے یہاں ان سب کا جواب دینا پڑے گا۔

قیامت کے دن پانچ چیزوں کے متعلق سوال

حدیث میں آتا ہے، آپ نے بھی فضائل صدقات میں سنا ہوگا حضرت شیخ نور اللہ

مرقدہ نے جہاں احادیث بیان کی ہیں، اس میں ایک حدیث پیش کی ہے: لَا تَزُولُ قَدَمَا ابنِ آدمَ يَوْمَ القِيَامَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ: کہ قیامت کے روز اللہ کے حضور انسان کے قدم ہٹ نہیں پائیں گے، یہاں تک کہ اس کو پانچ چیزوں کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ان پانچ سوالوں میں سے دو سوال یہ ہوں گے: عَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ كَسَبْتَهُ وَفِيمَا أَنْفَقْتَهُ: مال کے متعلق دو سوال ہوں گے، ایک سوال ہوگا کہ کہاں سے اس کو کمایا اور دوسرا سوال یہ ہوگا کہ کہاں پر اس کو خرچ کیا[1]۔

لوگوں کی ایک غلط فہمی

کچھ لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے کہ ہم نے ماشاء اللہ حلال طریقے سے کمایا ہے، اب مولوی صاحب! ہم جس طریقے سے چاہیں، خرچ کریں۔ شادیوں کے اندر منڈپ بناتے ہیں تو اس کے اندر لاکھوں روپیے خرچ کیے جاتے ہیں، دعوتیں دی جاتی ہیں تو ایک ایک آدمی کے اوپر کتنا روپیہ خرچ ہوتا ہے اور پتہ نہیں، کہاں کہاں ہوتا ہے۔ حالاں کہ کل کو مال کے متعلق بھی اللہ کو جواب دینا پڑے گا۔

وضو میں ضرورت سے زیادہ پانی کے استعمال کی ممانعت

نماز کے لیے وضو ضروری ہے اور خود ایک ایسی عبادت ہے جو نماز جیسی عبادت کا ذریعہ بنتی ہے، اسلام اس کے اندر بھی پانی کے استعمال میں فضول خرچی سے روکتا ہے، حدیث کے اندر آتا ہے کہ ضرورت سے زیادہ پانی استعمال نہ کیا جائے۔

(۱) مسند أبي يعلى، عن ابن مسعود رضى الله تعالى عنه، مسند عبدالله بن مسعود.

کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟

ایک صحابی ہیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ۔ وضو فرما رہے تھے اور انھوں نے کچھ زیادہ پانی استعمال کرلیا، اس زمانے میں ویسے بھی پانی کچھ زیادہ مقدار میں ہوا نہیں کرتا تھا، دورِ نبوت کے اندر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں پانی کی بڑی قلت تھی، تو انھوں نے کچھ زیادہ پانی استعمال کرلیا تو یہ دیکھ کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَا هَذَا السَّرَفُ يَا سَعْدُ: اے سعد! یہ پانی کی فضول خرچی کیسی!! یعنی اتنا زیادہ استعمال کیوں کرتے ہو؟ تین مرتبہ دھونے کا حکم ہے نا، اگر کوئی آدمی چار مرتبہ دھوئے گا تو یہ فضول خرچی ہے، اس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

بہرحال! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابی کو تنبیہ کی۔ چوں کہ معاملہ وضو کا تھا، اس لیے وہ صحابی یہ سمجھ رہے تھے کہ وضو ہے، عبادت ہے، تو آدمی اگر اس کے اندر کچھ زیادہ استعمال کرلے تو اس کے اندر ثواب زیادہ ہی ملنا چاہیے، آدمی ایسا ہی سوچتا ہے۔ اس لیے انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: أَفِي الْوُضُوءِ سَرَفٌ؟: اے اللہ کے رسول! کیا وضو کے اندر بھی فضول خرچی ہے؟ یعنی کوئی آدمی زیادہ پانی استعمال کرلے تو منع ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نَعَمْ، وَإِنْ كُنْتَ عَلَى نَهْرٍ جَارٍ: جی ہاں! اگر بہنے والی نہر پر بیٹھ کر تم وضو کر رہے ہو، تو بھی اگر ضرورت سے زیادہ تم نے پانی استعمال کیا تو اسراف ہے۔ اسلام جب وضو جیسی عبادت میں فضول خرچی کی اجازت نہیں دیتا تو دوسری چیزوں میں اس کی اجازت کیسے ہوگی؟۔

تبلیغی جماعت کا ساتواں نمبر جس کو لوگ بھلا چکے ہیں

جماعت میں جاتے ہیں تو اس میں چھے نمبر ہیں، اس میں ایک اضافہ ہے ترکِ لایعنی کہ آدمی ان چھے کاموں کے ساتھ اس کا بھی اہتمام کرے کہ لایعنی سے اپنے آپ کو بچاوے۔

چوتھا بستر شیطان کے لیے ہوتا ہے

کوئی زائد چیز جس کا نہ کوئی دنیوی فائدہ ہو، نہ دینی، اسلام اس کو رکھنے کی اجازت نہیں دیتا، یہاں تک کہ حدیث میں آتا ہے کہ آدمی کے پاس تین بستر ہونے چاہئیں: ایک اپنے لیے، ایک بیوی کے لیے اور ایک مہمان کے لیے، چوتھا شیطان کے لیے ہوتا ہے [۱]۔ ایسی تو بہت ساری حدیثیں ہیں۔ گویا آدمی اپنی ضرورت سے زیادہ جس چیز کو بھی اپنے پاس جمع کرے گا، شریعتِ مطہرہ اس کی اجازت نہیں دیتی۔ بہر حال! میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ اب ہمارے زمانے میں لایعنی میں ایک اور چیز کا اضافہ ہو گیا ہے اشیاء کا، اقوال اور افعال کے ساتھ اشیاء بھی لایعنی میں داخل ہو گئی ہیں۔

بولنے اور کام کرنے سے پہلے غور کیجیے

تو آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی کو چھوڑ دے۔ ہمیں اپنی زندگی کے متعلق فیصلہ کرنا ہے کہ ہم جو بات بولنے جا رہے ہیں، سوچئے کہ ہماری اس بات سے

---

[۱] صحيح مسلم، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضى الله تعالى عنهما، بَابُ كَرَاهَةِ مَا زَادَ عَلَى الْحَاجَةِ مِنَ الْفِرَاشِ وَاللِّبَاسِ.

کوئی اخروی یا دینی فائدہ حاصل ہو رہا ہے؟ ٹھیک ہے، بولیے۔ یا اس کا کوئی دنیوی فائدہ ہے تو ٹھیک ہے اور اگر اس کا نہ کوئی اخروی فائدہ ہے، نہ دنیوی فائدہ ہے تو اس سے اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہے۔ یہی حال ہے افعال اور اعمال کا۔

ہم اپنی زندگی کا جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کہ ہمارے بے شمار افعال اور اقوال ایسے ہیں جو نہ دینی اعتبار سے ہمارے لیے مفید اور کارآمد ہیں اور نہ دینی اور اخروی اعتبار سے اس کا کوئی مطلب ہے۔

نوجوان طبقہ اور کرکٹ اور کرکٹروں کے ساتھ ان کا پاگل پن

آج دیکھئے! ہمارے نوجوان طبقے میں کرکٹ کا شوق جنون کی حد تک پہنچا ہوا ہے اور اس کرکٹ کے ساتھ تعلق اور محبت کی وجہ سے ان کرکٹروں کے ساتھ بھی، کھلاڑیوں کے ساتھ بھی محبت اور تعلق کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اگر کوئی آدمی بھولے سے بھی اس کھلاڑی کے متعلق کوئی آڑی بات بول دے تو ہمارا یہ نوجوان آستین چڑھا کر اس کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار ہو جائے گا، اس کے باپ کو کوئی دو گالیاں دے دے گا تو وہ چپ رہے گا لیکن اس کھلاڑی کے بارے میں ایسی بات سننے کا روادار نہیں ہوگا، ایسی محبت ان کی ہمارے جوانوں کے دلوں میں گھر کر چکی ہے۔

غیرتِ ایمانی سے محروم مسلمان

نعوذ باللہ میں غلط نہیں کہوں گا کہ اگر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں یا دین کے معاملے میں کوئی ایسی نامناسب بات کہتا ہے تو اس کی ایمانی غیرت میں جوش پیدا نہیں

ہوتا لیکن ان کھلاڑیوں کے ساتھ محبت کا یہ عالم ہے اور ان کے ساتھ اس محبت کے نتیجے میں ہر چیز میں اس کی نقلیں ہوتی ہیں، رفتار میں، گفتار میں کردار میں، لباس میں۔ان کا حال دیکھو!۔

کھلاڑیوں وغیرہ کی محبت شرعی نقطۂ نظر سے

یہ کھلاڑی کون ہیں؟ کوئی بڑے بزرگ ہیں؟ اہل اللہ ہیں؟ ان کی بڑی تعداد تو وہ ہے جو کافر ہے اور جو مسلمان ہیں، وہ بھی کون سے اہل اللہ ہیں؟ ان کی بڑی تعداد بھی وہ ہے جو فاسق ہے تو کفار اور فساق کی محبت اپنے دلوں کے اندر جمانا، یہ تو بڑا خطرناک معاملہ ہے، یہ ہمارے ایمان کو نقصان پہنچانے والا ہے۔

ان کھلاڑیوں کی محبت کے نتیجے میں کیا ہوتا ہے؟ جیسا کہ ابھی میں نے آپ کو بتایا کہ ہمارے ان نوجوانوں کا لباس، ان کی چال ڈھال، ان کے بولنے کا انداز، رفتار، گفتار، کردار ہر چیز میں ان کی نقالی ہوتی ہے۔کوئی جا رہا ہو تو آپ دیکھیں گے، کوئی نیا آدمی ہے، وہ نہیں جانتا، وہ پوچھے گا کہ بھائی! یہ ایسا کیوں چلتا ہے تو جو جانکار ہے، وہ بتائے گا کہ یہ تو فلانے کی اسٹائل (style) ہے۔ارے! ہمارے دلوں میں تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسٹائل گھر کر جانی چاہیے۔

سنتِ نبوی پر مر مٹنے کا عثمانی جذبہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ کے موقع پر مکہ والوں کے پاس اپنا ایلچی بنا کر، ایک پیغام، میسیج دے کر بھیجا تھا، جب وہ جانے لگے، ان کے قبیلے والوں

کو پتہ چلا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آ رہے ہیں تو ان کے قبیلے کے لوگ مکے میں زیادہ تھے اور زیادہ قوت والے تھے، انھوں نے کہا کہ ہمارے قبیلے کا آدمی آ رہا ہے۔ یہ ان کے لیے عزت کی چیز تھی، وہ سب باقاعدہ ہتھیار لگا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے استقبال کے لیے مکہ سے باہر آئے اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو ان کو اپنی حمایت میں لے لیا اور ان کو ساتھ لے کر گئے کہ کوئی بھی آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتا، تم جو چاہو کرو، کیوں کہ بڑا خطرہ تھا۔

خیر! انھوں نے مکہ کے سرداروں کو پیغام پہنچایا، وہاں جو ضعفائے مسلمین تھے، ان کو پیغام دیا گیا تھا، وہ بھی پہنچایا، جب فارغ ہو گئے تو - یہ بات کہنی تھی مجھے - جس وقت ان کو ان کے قبیلے والے لے جا رہے تھے تو ان کے قبیلے والوں نے دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی لنگی آدھی پنڈلی پر ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ یہی تھا کہ آدھی پنڈلی تک ازار رکھتے تھے۔

لنگی باندھنے کے معاملے میں کفارِ مکہ کا طرز و انداز

اب مکہ والوں کا فیشن (fashion) اور اسٹائل اس زمانے میں یہ تھا کہ وہ لنگی ٹخنوں سے نیچے رکھا کرتے تھے، زمین سے گھسیٹے، اس طرح پہننے کی عادت تھی اور اس کو فخر کی چیز سمجھتے تھے، اگر کوئی آدمی اس سے ذرا اوپر لنگی پہنے تو اس کو حقیر سمجھتے تھے، اس کو ذلیل سمجھتے تھے۔ جیسے آج کل کے جو اسٹائل ہوتے ہیں، اس کے خلاف کوئی کرے، جیسے ہم لوگ آدھی پنڈلی تک لنگی پہنتے ہیں تو یہ فیشن پرست لوگ اس کو حقیر سمجھتے

ہیں کہ یہ کون آ گیا؟ کہاں سے آ گیا؟۔

حضرت عثمانؓ کا ایمان افروز جواب

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قبیلے والوں نے دیکھا کہ ان کی لنگی آدھی پنڈلی پر ہے تو کہا کہ دیکھو عثمان! تم مکہ مکرمہ کے بڑے بڑے چودھریوں اور سرداروں سے ملنے کے لیے جا رہے ہو اور وہاں کا فیشن یہ ہے، ان کے یہاں لنگی کو اوپر رکھنا ذلت کی چیز ہے، اور تمھاری لنگی آدھی پنڈلی تک ہے اور وہ ایسے آدمی کو جس کی لنگی اس طرح آدھی پنڈلی پر ہو، بہت حقیر اور معمولی سمجھتے ہیں؛ اس لیے تم بھی اپنی لنگی ذرا نیچی کر لو۔ حضرت عثمانؓ نے جواب میں کیا کہا؟ فرمایا: هَكَذَا إِزْرَةُ صَاحِبِنَا: میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لنگی باندھنے کا انداز اور اسٹائل یہی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لنگی بھی اسی طرح ہوتی ہے، میں اپنی لنگی کو ذرا بھی ہٹا سکتا نہیں ①۔

یہ تھا وہ جذبہ، یہ وہ محبت تھی۔ آج ہمارے اندر اس ایمانی غیرت کی ضرورت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے اگر ہم اپنائیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا میں بھی عزت عطا فرمائے گا اور آخرت میں بھی عطا فرمائے گا۔ آج ہماری جو رسوائی ہو رہی ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقوں کو چھوڑنے کی وجہ سے ہو رہی ہے۔

دو یورپین آدمیوں کے عجیب اسٹائل کا واقعہ

واقعہ یہ ہے کہ جس کی محبت دل میں گھر کر جاتی ہے تو اس کی ہر ادا پر مر مٹنے کا جذبہ

① المصنف لابن أبی شیبہ، غَزْوَةُ الْحُدَيْبِيَةِ، عَنْ إِيَاسِ بْنِ سَلَمَةَ , عَنْ أَبِيهِ، رقم الحدیث: ۳۶۸۵۲.

بھی دل کے اندر پیدا ہو جاتا ہے۔ مجھے یاد ہے، کئی سال پہلے کا قصہ ہے، تقریباً تیس یا چالیس سال ہو رہے ہیں۔ دہلی کا ایک مصروف بازار ہے، وہاں دو یورپین تھے، کان میں بالیاں تھیں، بال آدھے ادھر کے تھے، آدھے کٹے ہوئے تھے، جیسے آپ ہپی کٹ دیکھتے ہیں، اس طرح یہ دو یورپین جا رہے تھے، اس بازار کے سارے دکان داران کو دیکھ رہے تھے اور ہنس رہے تھے لیکن ان دونوں کو اس کی کوئی فکر اور کوئی پروا نہیں تھی۔ کیوں؟ کیوں کہ ان کو اپنے اس طریقے پر مستی تھی، ان کے نزدیک ان کی یہی اسٹائل فخر کی چیز تھی، لوگ ہنستے رہے، اس سے ان کا کیا بگڑا؟۔

ہمیں بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کے ساتھ ایسی محبت ہونی چاہئے کہ لباس میں چال میں، ڈھال میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انداز ایسا اختیار کریں کہ لوگ ہنستے ہیں تو ہنستے رہیں:

لوگ سمجھیں مجھے محرومِ وقار و تمکین		پر وہ نہ سمجھیں کہ میری بزم کے قابل نہ رہا

لوگ ہنستے ہوں تو بھاڑ میں جائیں، ہم تو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کو اختیار کریں گے۔

نا اہلوں کی محبت بڑی خطرناک چیز ہے

میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ یہ لایعنی: کرکٹ کی بحثیں، فٹ بال کی بحثیں، میچوں کی بحثیں، اس کے اندر ہمارے نوجوان گھنٹوں ضائع اور برباد کر دیتے ہیں اور اس کے نتیجے میں ان کھلاڑیوں کی محبت ان کے دلوں میں جو گھر کر جاتی ہے، وہ محبت اتنی

خطرناک ہے کہ پتہ نہیں، وہ آدمی کو کہاں سے کہاں پہنچادے گی۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دور کا ایک عبرت ناک واقعہ

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک آدمی کے انتقال کا وقت قریب آیا، اس کی زبان پر کلمہ نہیں چڑھ رہا تھا۔ لوگوں نے حضرت سے درخواست کی کہ توجہ ڈالئے۔ حضرت نے توجہ ڈالی اور فرمایا کہ اس آدمی کو غیر مسلموں کے ساتھ دوستی کی عادت تھی، اس کی وجہ سے اس کی زبان پر کلمہ نہیں آتا، میں توجہ کر رہا ہوں تو بھی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ محبتیں پتہ نہیں ہمیں کہاں سے کہاں لے جائیں گی؛ اس لیے ہمیں اپنی زندگی کے بارے میں سوچنے کی ضرورت ہے۔

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے؟

حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں سرشار تھے، اس کا نتیجہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر چیز ان کی نگاہوں میں محبوب اور پسندیدہ تھی: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انداز، حضور کی چال ڈھال، حضور کے ارشادات، ہر چیز پر وہ مر مٹتے تھے اور آج ہمارا حال یہ ہے کہ دوسری لغویات کے اندر اپنے آپ کو ایسا مشغول کر دیا کہ اس کے اندر لگے ہوئے ہیں، ہماری صلاحیتیں اسی کے اندر استعمال ہوتی ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے سارے اوقات ضائع اور برباد ہوتے ہیں۔

ورلڈ کپ چل رہا ہے تو نوجوان ہو، بوڑھے ہوں، بچے ہوں، عورت ہو، مرد

ہو، سب اس میں لگے ہوئے ہیں، اس خباثت میں اپنی زندگیوں کو برباد کر رہے ہیں۔

کرکٹ کی حقیقت

یہ کرکٹ کیا ہے؟ یہ کرکٹ ایک لعنت ہے، یہ بندوں کو اللہ تعالی کی رحمت سے دور کرنے والی چیز ہے۔ حضراتِ فقہاء نے کسی کھیل کے جائز ہونے کے لیے جو شرطیں لکھی ہیں، وہ ساری شرطیں اس میں مفقود ہیں، کوئی شرط نہیں پائی جاتی بلکہ اس کرکٹ کے نتیجے میں سٹہ کھیلا جاتا ہے اور یہ سٹوڈیے ہی ان کھلاڑیوں کو خرید لیتے ہیں، اخبارات کے اندر پڑھتے ہیں کہ اس میں فکسنگ ہوتی ہے یعنی ان کا ہارنا اور جیتنا بھی ایسا ہی دکھلاوا ہے، سب اس حقیقت کو جانتے ہیں، اس کے باوجود جب کوئی جیتتا ہے، کوئی ہارتا ہے تو ہم آستینیں چڑھا کر آپس میں لڑنے لگتے ہیں، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ!!۔ اس سے بڑی حماقت اور کیا ہوگی!! ان کی ہار جیت کے اوپر ہم مرنے کے لیے تیار ہیں اور یہ خود پیسے کھا رہے ہیں۔ ہم جب جانتے ہیں کہ یہ ہار اور جیت پہلے سے طے شدہ تھی، پھر اس ہار جیت پر ہمارا اپنی صلاحیتوں کو برباد کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟۔ اس مجمع میں نوجوان بھائی بھی موجود ہیں، میں ان نوجوان مسلمان بھائیوں سے کہتا ہوں کہ اپنے اس غلط شوق کو چھوڑو، ان فضول بحثوں کے نتیجے میں آپ کو کیا مل جائے گا؟۔

کرکٹ میچ کی تباہ کاریاں

لیکن جنون کی حد تک پہنچا ہوا شوق ہے، یہ شوق اتنا غالب آتا ہے کہ اس کے نتیجے میں نمازیں قضا ہوتی ہیں، جماعتیں چھوٹتی ہیں اور اگر کوئی بہت نیک صالح ہے اور

نماز باجماعت کے لیے آتا ہے تو دورانِ نماز اس کا پورا ذہن اسی میچ کے اندر رہتا ہے کہ کب میں نماز پوری کروں اور جاؤں !!۔

نماز میں خشوع پیدا کرنے کے باب میں شریعت کا خاص اہتمام

شریعتِ اسلامیہ تو بھوک کی حالت میں جب کھانا موجود ہو اور طبیعت کھانے کی طرف لگی ہوئی ہو تو ایسی حالت میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیتی کہ پہلے کھالو؛ تاکہ تمھارا جی نماز میں لگے، بغیر کھائے ہوئے نماز پڑھو گے تو جی کھانے میں لگا ہوا ہوگا کہ دیکھنے میں تو تم نماز میں لگے ہوئے ہو اور جی کھانے میں گلا ہوا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری نماز کھانا بنے، اس کے مقابلے میں میرا کھانا نماز بنے، یہ مجھے زیادہ پسند ہے؛ کیوں کہ آدمی جب کھانا چھوڑ کر نماز میں لگے گا تو اس کا جی اسی میں لگا ہوا رہے گا کہ کب میں نماز پوری کروں اور کھانے جاؤں تو نماز کھانا بن گئی اور اگر پہلے کھائے گا تو کھانا نماز بن جائے گا کہ کب کھانا پورا کروں اور نماز ادا کروں۔ تو کھانا بھوک کی حالت میں ایک طبعی ضرورت ہے، اس کی حالت میں بھی اسلام نے نماز کی اجازت نہیں دی کہ دل اُدھر لگا رہے گا تو میچ کی طرف دھیان لگنے کی حالت میں اس کی اجازت کیسے ہوگی !!۔

یہ کھیل ہے یا جنون؟

عجیب سا جنون سوار ہے، ۲۴ر گھنٹے اسی کے ٹینشن میں گذرتے ہیں، ساری صلاحیتیں، حکومت کے دفاتر، خانگی کمپنیاں، خانگی کام کرنے والے۔ اس زمانے میں

کسی بھی آفس میں چلے جائیں گے تو کوئی آپ کی بات سننے کے لیے تیار نہیں، سب کے سب اس کی کامینٹری سننے میں مشغول ہیں، ٹی وی دیکھ رہے ہیں، پورا ملک اور اس کی صلاحیتیں اس میں ضائع اور برباد ہو رہی ہیں، یہ کون سی عقل مندی کی بات ہے؟ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔

جوئے اور سٹے سے روکنے کی وجہ قرآن کی روشنی میں

قرآنِ پاک میں سٹّے اور شراب کی حرمت کی جو وجہ بتلائی ہے: ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ [المائدۃ:۹۱] کہ: شیطان چاہتا ہے کہ اس شراب اور سٹّے کے ذریعہ تمھارے درمیان آپس میں دشمنیاں پیدا کر دے اور نماز اور اللہ کے ذکر سے روک دے۔ یہ میچ دشمنیاں ہی تو پیدا کراتی ہے نا؟ اس کی وجہ سے آپس میں لڑائی ہوتی ہے، دو گروہ میں لڑائی ہوتی ہے، اس کی وجہ سے جوانوں میں دشمنیاں پیدا ہوتی ہیں۔ آگے فرمایا کہ اللہ کی یاد سے اور نماز سے یہ چیزیں روکتی ہیں۔

ایک بوڑھے میاں کا واقعہ

یہ کرکٹ کا جو جنون ہے، وہ ہمارے نوجوانوں ہی کو کیا، بوڑھوں اور عورتوں تک کو اپنے لپیٹے میں لیے ہوئے ہے۔ ہمارے ایک دوست سناتے ہیں کہ وہاں ایک میچ ہو رہا تھا، میچ تو اپنی جگہ پر ہو رہا تھا لیکن ٹی وی پر اس کا لائیو ٹیلی کاسٹ (live tele cast) آ رہا تھا اور لوگ اس کو دیکھ رہے تھے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ شہر میں دکانوں

کے اندر ٹی وی چل رہی ہو تو باہر ایک جم غفیر ہے اور پیچھے گاڑی والے ہوٹنگ کر رہے ہیں لیکن ان کو کوئی پرواہی نہیں، کوئی ہٹنے کا نام ہی لیتا۔ کہتے ہیں کہ ایک بوڑھے میاں تھے، ان کو بھی بڑا شوق تھا، لوگوں نے ان کو ہٹانے کے لیے بجلی کا کنکشن کٹ کر دیا، کسی نے کہا کہ فلاں جگہ میچ چل رہا ہے۔ وہ بوڑھے میاں چلنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور لوگوں سے کہتے رہتے کہ مجھ سے چلا نہیں جاتا، تو بھی کسی نہ کسی طرح گرتے پڑتے وہاں پہنچے، یہ ہے محبت کی انتہا۔

کرکٹ بہت سارے مفاسد کی جڑ ہے

اور یہی نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ سے اور بھی بے شمار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، کھلاڑیوں کے ساتھ مشابہت اختیار کی جاتی ہے۔ حالاں کہ حدیث میں آتا ہے: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ[1]: جو آدمی کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرے، وہ اسی میں سے ہوتا ہے اور یہ تو انگریزوں کا کھیل ہے۔

یورپین ممالک میں کرکٹ کا رواج بہت کم ہے

اور پھر دنیا میں اور یورپ میں بھی بہت سی قومیں بستی ہیں، جرمنی کی کوئی ٹیم ہے؟ اٹالی کی کوئی ٹیم ہے؟ سویٹزرلینڈ کی کوئی ٹیم ہے؟ فرانس کی کوئی ٹیم ہے؟۔

یورپین اقوام اور ان کی قومی حمیت وغیرت

یہ یورپین قومیں ہیں نا، وہ اپنی قومیت پر اتنا فخر کرتی ہیں کہ وہ دوسری قوم کی زبان

---

[1] سنن أبي داود، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله تعالى عنهما، بَابٌ فِي لُبْسِ الشُّهْرَةِ، رقم الحديث:٤٠٣١.

بولنے کے لیے بھی تیار نہیں۔ آپ جرمنی جائیں گے اور کسی سے انگریزی میں بات کریں گے تو سامنے والا انگریزی زبان جانتا ہے تو بھی وہ انگریزی میں بات نہیں کرے گا، فرانس جائیں گے، پیرس میں اتریں گے اور کسی سے انگریزی میں بات کریں گے تو وہ انگریزی زبان جانتا ہے تو بھی وہ انگریزی میں بات کرنے کو تیار نہیں ہوگا، فرانسسی میں بولو گے تو ہی جواب ملے گا۔ ان کو اپنی چیزوں پر اتنا ناز!! اور ہمارے یہاں کے لوگ یہ کھیل اپنانے کو تیار ہو گئے۔

کرکٹ انگریزوں کی غلامی کی نشانی ہے

دنیا میں ان ہی ممالک میں یہ کھیل چلتا ہے جو کسی زمانے میں انگریزوں کی کالونیاں رہیں یعنی جہاں انگریزوں کا اقتدار رہا، جیسے ہندوستان، پاکستان، سری لنکا وغیرہ جتنی بھی کرکٹ ٹیمیں ہیں، یہ سب وہی ممالک ہیں۔ یہ آسٹریلیا اور نیوزلینڈ، ان سب ممالک میں انگریزوں کا اقتدار رہا تھا۔

کچھ قدر تو نے اپنی نہ جانی، یہ بے سوادی، یہ کم نگاہی

وہ تو کسی دوسری قوم کا کوئی کھیل بھی اختیار کرنے کو تیار نہیں اور ہمیں اسلام نے اتنی بڑی تعلیم دی مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ کے ذریعہ اور اس کے باوجود ہماری ایمانی غیرت ہم کو ان چیزوں سے روکنے کے لیے تیار نہیں، ذرا شرمانے کی ضرورت ہے، وہ لوگ تو اپنی ان معمولی معمولی چیزوں پر فخر کریں اور ہم لوگ دین وایمان پر فخر کرنے کو تیار نہیں، بڑی بے غیرتی کی بات ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ جو صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں، اس کو اللہ کے واسطے ضائع مت کرو۔ یہ زندگی بڑی قیمتی ہے، اللہ کی یاد میں، اس کی اطاعت وعبادت میں اس کو استعمال کرنے کی ضرورت ہے، یہ کھیل اور اس میں جو وقت ضائع ہورہا ہے، پیسے برباد ہورہے ہیں، صلاحیتیں تباہ ہورہی ہیں، کل کو یہی قیامت میں لعنت کا سبب بن کر جہنم میں جانے کا سبب بنے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ میری اور آپ کی حفاظت فرمائے۔ اپنے اوقات کو صحیح کاموں میں استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔

مؤمن کی غیرتِ ایمانی یہ ہونی چاہیے

ایک مؤمن کے ایمان کی غیرت اور ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ یہ سمجھے اور سوچے کہ آخر میں اس دنیا میں کاہے کے واسطے آیا ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ نے کیوں پیدا کیا ہے؟ میرا مقصد تخلیق کیا ہے؟ مجھ سے اللہ تعالیٰ کیا چاہتے ہیں؟ اس کو جانے، سیکھے، سمجھے اور سیکھ، سمجھ کر اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کی کوشش کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کرنے اور نہ کرنے کے تمام کام بتلا دئے ہیں

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت پر قربان جائیے! کہ آپ نے کوئی کام ایسا نہیں کہ جو کرنے کے قابل ہو اور بتایا نہ ہو اور نہ کرنے کا ہو اور روکا نہ ہو۔ مشکوۃ شریف کی روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: أَيُّهَا النَّاسُ! لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ إِلَّا قَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ، وَلَيْسَ شَيْءٌ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ النَّارِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ کہ: اے لوگو! ہر وہ چیز

اور ہر وہ کام جو تم کو جنت سے قریب کرنے والا اور جہنم سے دور کرنے والا ایسا نہیں ہے جس کا میں نے تم کو حکم نہ دیا ہو اور کوئی کام جہنم سے قریب کرنے والا اور جنت سے دور کرنے والا ایسا نہیں ہے جس سے میں نے تم کو روکا نہ ہو①۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امتی کے حق میں باپ کی طرح ہیں

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال تو امت کے ساتھ ایسا تھا، جیسے ایک باپ کا بیٹے کے ساتھ ہوتا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ أُعَلِّمُكُمْ①: میں تمھارے لیے ایسا ہوں، جیسا کہ ایک باپ بیٹے کے لیے ہوا کرتا ہے کہ باپ ہر وہ چیز جو بیٹے کے لیے مفید اور کارآمد ہوتی ہے، بڑے اہتمام کے ساتھ بتا کر اس پر عمل کروانے کی کوشش کرتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں بھی تم کو ہر چیز سکھلاتا ہوں، یہاں تک کہ استنجا کرنے کا طریقہ بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو بتلایا، چنانچہ اسی روایت میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی استنجا کے لیے بیٹھے تو نہ تو قبلہ کی طرف رخ کرے، نہ قبلہ کی طرف پشت کرے اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجا کرے اور ہڈی وغیرہ سے استنجا نہ کرے۔

یہ استنجا وغیرہ کے آداب بتلائے، وہ کیا ہے؟ جیسے ایک باپ کی کوشش ہوتی ہے کہ جب بچے کی پرورش کرتا ہے تو چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی اس کو سکھلاتا ہے، کھانے کے آداب سکھلاتا ہے کہ بیٹے! پہلے بسم اللہ پڑھو، یوں لقمہ پکڑو اور اس کو یوں منہ میں رکھو،

① مشکوۃ المصابیح، المجلد الثانی، باب التوکل والصبر.

② سنن النسائی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالی عنہ، النَّهْيُ عَنِ الِاسْتِطَابَةِ بِالرَّوْثِ.

اس طرح نہ بیٹھو، اس طرح بیٹھو، ہر چیز سکھلاتا ہے؛ کیوں کہ باپ چاہتا ہے کہ میرا بیٹا اس طرح ٹرینڈ ہو جاوے کہ ہر چیز میں وہ کامل و مکمل ہو۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ہمیں سب کچھ بتلایا، سکھلایا اور ہر چیز کا طریقہ بتلایا۔

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی کے اوقات کو قیمتی بنانے کے لیے بڑی تاکید فرمائی ہے۔ ہماری زندگی کا ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہے، یہ سانس ہماری زندگی کے ٹکڑے ہیں، عربی کا ایک شاعر کہتا ہے:

حَيَاتُـكَ أَنْفَـاسٌ تُعَـدُّ فَكُلَّمَـا مَضَى		نَفَـسٌ مِنْـكَ انْتَقَصْـتَ بِـهِ جُـزْءَا

تمھاری زندگی چند سانسوں کا مجموعہ ہے، ایک سانس تم نے لی تو یوں سمجھئے کہ تمھاری زندگی کا ایک حصہ کم ہو گیا۔

ویسے شمار تو ہم یوں کرتے ہیں کہ کوئی پوچھتا ہے کہ آپ کی عمر کتنے سال ہوئی؟ تو کہتے ہیں کہ پانچ سال، چھے سال تو یہ عمر بڑھتی نہیں ہے بلکہ گھٹتی جا رہی ہے؛ اس لیے کہ ہم جتنی عمر دنیا میں لے کر کے آئے تھے، اب جوں جوں وقت گذرتا جا رہا ہے تو ہمارا سرمایہ کم ہوتا جا رہا ہے۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم		رفتہ رفتہ چپکے چپکے دم بدم

گردوں نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹا دی

اللہ تبارک وتعالی نے بہت سے رمضان حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں گذارنے کی

سعادت عطا فرمائی، حضرت کے یہاں مغرب کی نماز کے بعد مجلس ہوتی تھی تو ہم لوگ آگے جگہ ملے، قریب بیٹھنے کا موقع ملے، اس شوق میں کھانا بھی نہیں کھاتے تھے بلکہ نماز کے بعد آگے جا کے بیٹھ جاتے تھے؛ تاکہ حضرت کی زیارت ہو۔ حضرت بڑی لے کے ساتھ یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی	گردوں نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹا دی

حضرت فرماتے تھے کہ یہ جو گھنٹے والی گھڑی ہوتی ہے نا، اس میں جب بارہ بجتے ہیں تو گھنٹے بجتے ہیں تو گویا ہر گھنٹہ یہ کہتا ہے کہ گھٹا دی، گھٹا دی۔ چوں کہ اس گھنٹے کی آواز مبہم ہوتی ہے اور مبہم آواز کی خاصیت یہ ہے کہ آدمی اس کو اپنے دل کی جس چیز پر بھی منطبق کرنا چاہے، کر سکتا ہے۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ گھنٹے کی آواز ہمیں یہ خبر دیتی ہے کہ تمھاری زندگی کا ایک حصہ گذر گیا۔

اے مولویو! کتاب الرقاق پڑھا کرو!

اسی مجلس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ بعض مرتبہ یہ جملہ فرمایا کرتے تھے کہ اے مولویو! کتاب الرقاق پڑھا کرو۔

کتاب الرقاق کیا ہے؟

حدیث کی جو مختلف کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، ان میں ایک مستقل عنوان آتا ہے کتاب الرقاق کا، رقاق یہ رقیق کی جمع ہے، رقیق یعنی نرم کرنے والی چیز یعنی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ ارشادات کہ جن کو سن کر آدمی کا دل نرم ہوتا ہے اور دنیا کی محبت ان

ارشادات کوسن کر کے کم ہوتی ہے اور آخرت کی طرف میلان اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے، دنیا کی محبت کم کرنے والے اور آخرت کی طرف متوجہ کرنے والے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات کو محدثین اسی کتاب الرقاق کے عنوان کے تحت لاتے ہیں، اس لیے کہ ہماری جو بنیادی بیماری ہے، وہ یہی دنیا کی محبت اور آخرت کی طرف سے غفلت ہے تو اگر ایسی باتیں پیش کی جائیں کہ جن کے نتیجے میں دنیا کی محبت کم ہو اور آخرت کی رغبت بڑھے تو وہی باتیں اس کے لیے کامیابی کا ذریعہ ثابت ہو سکتی ہیں۔

دنیا کی محبت ساری خرابیوں کی جڑ ہے

فضائل صدقات کے دوسرے حصے میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے زہد کے بارے میں مستقل فصل قائم فرمائی ہے یعنی دنیا سے بے رغبتی۔ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن اخلاق کی تعلیم دینے کے لیے تشریف لائے، ان اخلاق میں زہد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، زہد یعنی دنیا سے بے رغبتی؛ اس لیے کہ دنیا کی محبت ساری خرابیوں کی جڑ ہے، حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ[1]: ہر برائی کی جڑ دنیا کی محبت ہے، دنیا کی طرف سے جتنی بے رغبتی ہوگی، اتنا ہی آدمی فائدے میں رہے گا۔

تو نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کی تعلیم و تربیت کے لیے جو جو باتیں ارشاد فرمائی ہیں تو آپ کی ان باتوں میں ایک بڑا ذخیرہ، ایک بڑا حصہ ان ارشادات کا ہے جن کو سن

[1] حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ، البيهقي في الحادي والسبعين من الشعب، بإسناد حسن إلى الحسن البصري، رفعه مرسلا (المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة للسخاوی، رقم الحديث: ۳۸٤)

کرآدمی کے دل میں دنیا کی محبت کم ہوتی ہےاورآخرت کی رغبت پیدا ہوتی ہے،ان ہی ارشادات کوحضراتِ محدثین اپنی کتابوں میں جس میں انھوں نے احادیث کوجمع کیا اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات کوترتیب دی ہے،اس میں ''کتاب الرقاق'' کا عنوان الگ قائم کرتے ہیں۔

دونعمتیں جن کی کثرت سے ناقدری ہوتی ہے

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری کے اندر کتاب الرقاق کونبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسی ارشادات سے خاص طور پر شروع کیا، پہلے ہی باب میں پہلی ہی جو روایت لائے ہیں، وہ یہی ہے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ: الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ[1] :اللہ تبارک وتعالی کی دونعمتیں ایسی ہیں کہ ان دونعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے معاملے میں اوران نعمتوں کی حقیقی قدرو قیمت جاننے اوراس کووصول کرنے کے معاملے میں لوگ بہک جاتے ہیں،اس کے بارے میں لوگ گھاٹے میں ہیں، دھوکے میں ہیں۔ وہ دونعمتیں کیا ہیں؟ ایک توتن درستی اور دوسری ہے فرصت۔

صحت وفراغ کی طرف سے انسان دھوکے میں کس طرح ہے؟

غَبَن یہ عربی زبان کا لفظ ہے،نقصان اور دھوکہ دونوں کے لیے بولا جاتا ہے، یہاں دونوں معنی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ دھوکے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی کی

---

① صحيح البخاری،عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تعالى عَنْهُمَا،بَابٌ: لاَ عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الآخِرَةِ.

طرف سے جوتن درستی اور فرصت ملی ہوئی ہوتی ہے، عام طور پر زندگی کے ابتدائی دور میں یہ چیز حاصل ہوتی ہے تو ایسے عالم میں آدمی عام طور پر یہ سوچتا ہے، جب اس کو کہا جاتا ہے کہ بھائی! دین کا کام کرو، اللہ تعالی کی اطاعت کرو، اس کی عبادت میں لگ جاؤ تو وہ کہتا ہے کہ بھائی! ابھی کیا گیا ہے، ابھی تو زندگی کے بہت دن پڑے ہیں، کچھ دن ذرا عیش وعشرت سے گذارلیں پھر آگے دیکھی جائے گی۔

یہ انسان کا عجیب مزاج ہے کہ جب اس کے پاس موقع ہوتا ہے تو وہ یہ سوچتا ہے کہ ابھی تو بہت وقت ہے، زندگی کہاں چلی گئی، ابھی تو جوانی ہے، بہت دن باقی ہیں، بعد میں دیکھا جائے گا۔ گویا اللہ تعالی کی عبادت کے لیے تو فقط بڑھاپا ہے، یہ انسان کا مزاج ہے۔

ناقابل استعمال چیز اللہ تعالی کے راستے میں دینے کا انسانی مزاج

اللہ تعالی کے لیے ایسی چیز فارغ کرتا ہے جو بے کار ہو: کپڑا پرانا ہو گیا، اپنے لیے نیا خریدا اور پرانا اتارا اور کہا کہ یہ غریب کو اللہ واسطے دے دو۔ کھانا کھا چکے، کھانا بچ گیا، اب اپنے لیے ضرورت کا نہیں رہا تو کہا کہ کسی غریب کو دے دو، باسی ہو گیا تو کہا کہ کسی غریب کو دے دو۔ جو چیز اپنے کام کی نہ رہے، اللہ کے راستے میں دے دو! انسان کی اس نفسیات میں بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔

بچا ہوا کھانا وغیرہ دئے جانے پر انسانی ردعمل

قرآن میں باری تعالی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ تم اللہ کے لیے وہ چیز

نکالتے ہو کہ اگر تم کو وہ چیز دی جائے تو تم اس کو قبول نہ کرو۔ بچا ہوا کھانا اگر کوئی ہم کو دے تو ہم کتنا ناراض ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ کیا ہم بھکاری ہیں؟ ہم کو کیا سمجھا ہے؟ ایسی چیز دیتے ہو؟ گویا ہم اس کو اپنی توہین سمجھتے ہیں اور یہی چیز ہم اللہ کے راستے میں دے کر ہم ثواب کی امید رکھتے ہیں، اللہ اکبر!، یہ تو اس کا کرم ہے کہ ایسی بے کار چیزوں کو بھی وہ قبول کر لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سے کیسی چیزوں کا صدقہ چاہتے ہیں؟

اس کے لیے تو وہ دینا چاہیے تھا جو سب سے عمدہ ہو، قرآن میں باری تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾[آل عمران: ۹۲] کہ: تم حقیقت میں نیکی نہیں پا سکتے جب تک کہ تم وہ چیز خرچ نہ کرو جو تمھیں پسند ہے۔

احکامِ الٰہی پر عمل کرنے کا حضراتِ صحابہ ؓ کا بے مثال جذبہ

جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ جو انصار میں سے ہیں، انھوں نے آ کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے قرآن کی جو آیت اور اللہ تعالیٰ کا جو ارشاد سنایا، وہ میں نے سنا اور میرے پاس کھجور کے باغات ہیں، ان میں سب سے عمدہ باغ بیرحاء ہے۔ یہ باغ مسجد نبوی کے سامنے تھا اور اس کے اندر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کبھی کبھار تشریف لے جاتے تھے اور اس کا پانی نوش فرماتے تھے۔ تو عرض کیا کہ یہ باغ میں اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہوں[1]۔

---

(۱) صحيح البخارى، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تعالى عَنْهُ، بَابُ الزَّكَاةِ عَلَى الأَقَارِبِ.

یہ تو حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دل گردہ تھا کہ وہ اللہ تعالی کے حکم کو پورا کرنے کے لیے اپنی جان، مال کو اسی طرح پیش کیا کرتے تھے جیسا اللہ تعالی کی طرف سے مطالبہ ہوا کرتا تھا۔

انسان اپنی زندگی کا بھی بیکار حصہ ہی اللہ تعالیٰ کے لیے فارغ کرتا ہے

بہر حال! میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ انسان کا یہ مزاج ہے کہ وہی چیز اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے جو اس کے کام کی نہیں رہتی۔ عمر کے معاملے میں بھی یہی حال ہے کہ عمر کا بہترین زمانہ جوانی کا زمانہ ہے کہ جوانی میں انسان کی تمام صلاحیتیں اعلی درجے کی ہوتی ہیں، اس کی صحت، قوت، کام کرنے کی، سوچنے سمجھنے کی، تمام صلاحیتیں اعلی درجے کی ہوتی ہیں اور اس میں وہ بہت کچھ کارنامے انجام دے سکتا ہے تو جوانی کو تو وہ اپنی دنیا کے لیے لگاتا ہے اور جب بڈھا ہو جاتا ہے، کسی کام کا نہیں رہتا، نہ منہ میں دانت، نہ پیٹ میں آنت اور گھر والے بھی دھکے دے کر نکال دیتے ہیں کہ جاؤ بڑے میاں! مسجد میں جا کر بیٹھو، کیا بک بک کرتے رہتے ہو۔ بہوئیں بھی نکال دیتی ہیں، تب مسجد میں آ کر تسبیح لے کر بیٹھ جاتے ہیں، کیوں؟ اللہ، اللہ کرو!!۔ زندگی کا وہ زمانہ جو کسی کام کا نہ رہا، اللہ کے لیے فارغ کیا۔

خوش نصیب جوان

خیر! اللہ تعالی کے لیے یہاں تو یہ بھی قبول ہو جاتا ہے، اگر کسی کو توفیق ہو جائے، باقی جوانی میں اگر انسان کر لے تو یہ وہ چیز ہے جو اللہ تبارک و تعالی کے یہاں بڑی قدر و

قیمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے: سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّـهُ[1]: سات آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ تعالی کل کو اپنے سایے میں اس وقت جگہ دیں گے، جب کہ اس کے سایے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہ ہوگا، ان سات میں ایک ہے: شَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللّٰهِ تَعَالىٰ: وہ نوجوان جس کی نشو نما اور اٹھان اللہ تعالی کی اطاعت اور اس کی فرماں برداری اور اس کی عبادت میں ہوئی۔ تو جوانی کی عبادت اللہ تبارک وتعالی کے یہاں بڑی قیمتی ہے۔

صحت وفرصت کی طرف سے دھوکے میں ہونے کا مطلب

بہر حال! میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے معاملے لوگ غبن میں مبتلا ہیں، غبن کا ایک معنی تو دھوکے کے آتے ہیں، دھوکے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی یہ سوچتا ہے کہ ابھی کہاں وقت چلا گیا، ابھی تو بہت وقت باقی ہے اور اسی میں جوانی چلی جاتی ہے، صحت بھی چلی جاتی ہے، فرصت بھی ہاتھ میں رہتی نہیں ہے، تب آدمی سوچتا ہے کہ کچھ موقع مل جائے کہ ہم اللہ کی عبادت کرلیں، کچھ تندرستی حاصل ہو جائے تو کچھ کام کرلیں تو وہ تو ہاتھ سے نکل گئی، یہ دھوکہ ہوا۔ لیکن غبن کا ایک دوسرا معنی گھاٹے کا بھی ہے یعنی یہ جو زندگی ہمیں ملی ہے، وہ بڑا قیمتی سرمایہ ہے۔

زندگی اللہ تعالی کی ساری نعمتوں کی بنیاد ہے

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ زندگی بڑا قیمتی سرمایہ ہے، بلکہ

[1] صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تعالى عَنْهُ، بَابُ الصَّدَقَةِ بِالْيَمِينِ.

یوں کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے انسان کو جتنی بھی نعمتیں: مادّی، معنوی، روحانی اور جسمانی عطا فرمائی ہیں، ان ساری نعمتوں کا مدار اسی زندگی کے اوپر ہے، زندگی ہے تو یہ نعمتیں ہیں، زندگی نہیں ہے تو ان نعمتوں سے ہم کہاں فائدہ اٹھا سکیں گے، گویا یہ زندگی ساری نعمتوں کی بنیاد ہے؛ اس لیے یہ اصل ہے۔

زندگی سیّال سرمایہ ہے

زندگی انسان کا سرمایہ ہے لیکن سیّال سرمایہ ہے، جامد سرمایہ نہیں ہے، ایک سرمایہ تو جامد ہوتا ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہوتا ہے، آپ اس سے جب چاہیں، فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور ایک سرمایہ سیّال ہوتا ہے، وہ ہمارے ہاتھوں میں نہیں ہوتا بلکہ ہاتھوں سے نکلتا جاتا ہے، جیسے یہ قدرتی وسائل ہیں، دریاؤں کے اندر، ندیوں کے اندر پانی بہتا ہے، اس بہنے والے پانی سے حکومتیں بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتی ہیں، بجلی پیدا کرسکتی ہیں یا زمین میں سے گیس نکل رہی ہے تو اس گیس سے بہت سارا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے لیکن اگر حکومت اس کو قابو میں نہیں رکھتی، ویسے ہی چھوڑ دے رہی ہے تو وہ گیس نکل کر کے ہوا میں تحلیل ہوجائے گا اور یوں کہا جائے گا کہ یہ قدرتی سرمایہ بس یوں ہی ضائع ہو رہا ہے۔ ہماری زندگی کے اوقات بھی بہت قیمتی سرمایہ ہے لیکن سیال ہے۔

ایک مثال سے اس سرمایے کی تفہیم

میں آپ کو ایک دوسری مثال دوں کہ اسی بنگلور شہر میں آپ کے پاس کسی پوش (posh) ایریے میں فلیٹ (flat) ہے یا پھر پلاٹ (plat) ہے، زمین کا ٹکڑا ہے

اور لوگ آپ سے کہتے ہیں کہ بھائی! یہ تو بڑی موقع کی جگہ ہے اور اللہ تعالی نے آپ کو پیسے بھی دیے ہیں، لاکھوں روپے کی اسامی ہیں، آپ اس قیمتی جگہ پر ایک شان دار سا ٹریڈ سینٹر (trade centre) بنا دیجیے جس میں دکانیں ہوں گی اور اس کا کرایہ لاکھوں کی شکل میں آئے گا۔ اب یہ زمین کا ٹکڑا جامد سرمایہ ہے اور آپ کے پاس جو پیسے ہیں، وہ بھی جامد سرمایہ ہے۔ اب آپ نے مشورے پر عمل کر کے آپ نے اس جگہ پر ٹریڈ سینٹر بنا دیا، دکانیں بنا دیں۔

اب یہ دکانیں کرائے پر اٹھائی جا سکتی ہیں اور لوگ ان دکانوں کو کرائے پر لینے کے لیے آپ کے پاس آرہے ہیں لیکن آپ کرائے پر نہیں دیتے اور کہتے ہیں کہ سوچ کر جواب دوں گا اور سوچنے سوچنے میں آپ نے پانچ، چھ مہینے نکال دیے، دکان خود تو جامد سرمایہ ہے لیکن ان دکانوں سے جو فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا، وہ سیال سرمایہ ہے، پانچ مہینے سوچ، بچار میں گذار کر ان دکانوں سے خود آپ دکان لگا کر یا دوسروں کو کرائے پر دے کر جو فائدہ اٹھا سکتے تھے، اس کو ضائع کر دیا۔

فرصتِ زندگی بہت کم ہے، مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے

یہی حال ہماری زندگی کے اوقات کا ہے کہ ہماری زندگی کے یہ لمحات جو گذر رہے ہیں، ان کو اگر ہم کوئی عمل کر کے، اس سے فائدہ اٹھا کر کے اس کو جامد شکل دے دیں اور محفوظ کر لیں، تب تو یہ سرمایہ ہمارے کام کا ہے، ورنہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا اور کسی کام نہیں آئے گا۔

زندگی کی حقیقت

ہماری زندگی کیا ہے؟ ہماری زندگی چند سیکنڈ اور منٹ اور گھنٹے اور دن اور ہفتے اور مہینے اور سالوں کے مجموعے کا نام ہے اور یہ سب اوقات ہمارے قابو میں نہیں ہیں، میں اور آپ چاہیں کہ ان اوقات کو روک کر کے رکھ دیں، کہیں فریز (freez) کر کے، جامد کر کے رکھ دیں کہ ابھی مجھے فرصت ہے، ابھی مجھے کوئی کام نہیں ہے تو چلو اپنے ان اوقات کو کہیں محفوظ کر دوں، جمع کر دوں، فریز کر دوں، آئندہ جب مجھے ضرورت ہوگی تو ان اوقات کو استعمال کروں گا۔ ان سے فائدہ اٹھاؤں گا۔ نہیں!، یہ تو چل رہے ہیں، ہمارے ہاتھ سے نکل رہے ہیں۔

تیرا ہر سانس نخل موسوی ہے

ہمارے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ ایک شعر پڑھا کرتے تھے:

تیرا ہر سانس نخل موسوی ہے		یہ مدو جزر جواہر کی لڑی ہے

ہمارے حضرت یہ شعر سنایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ سانسیں جو اوپر نیچے ہوتی رہتی ہیں، یہ جواہرات کی لڑی ہے، کوئی بے قیمت چیز نہیں ہے؛ اس کو ہم صحیح انداز میں استعمال کریں۔

نخل موسوی: سیدنا حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے گفتگو کی تھی، کلام کیا تھا تو ایک درخت میں سے آواز آ رہی تھی، وہ درخت گویا بڑا قیمتی تھا تو ہماری یہ سانس بہت قیمتی ہے جو ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ ملا سکتی

ہے،اس کے ساتھ ہمارا تعلق پیدا کرسکتی ہے۔

یہ مدو جزر یعنی یہ سانس جو اندر جاتی ہے اور باہر نکلتی ہے، یہ جواہر کی لڑی ہے، یوں سمجھئے کہ ہیرے اور موتیوں کی آپ کے پاس چین ہو تو کس قدر قیمتی ہوتی ہے! یہ بھی ایک لڑی ہے جو مسلسل نکلی چلی جارہی ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نعمت سے خصوصیت کے ساتھ امت کو متوجہ فرمایا ہے کہ اللہ نے جو یہ نعمتیں دی ہیں، ان سے فائدہ اٹھالو، یہ ہمیشہ رہنے والی نہیں ہیں، آج ہیں، کل ہاتھ سے نکل جائیں گی لیکن انسان کو اس کا نفس اور شیطان دھوکے میں رکھتے ہیں کہ یہ جو دولت اور رتبہ ہے وہ ہمیشہ میرے پاس رہیں گے، حالاں کہ یہ کب ہاتھ سے نکل جائیں، اس کی کوئی گارنٹی نہیں دی جاسکتی۔

پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھئے

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ: پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو: شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ: اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے۔ جوانی جو اللہ تعالی نے دے رکھی ہے، وہ کوئی ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے، بڑھاپا آرہا ہے، آپ جوانی سے نکل کر بڑھاپے کی طرف آگے بڑھ رہے ہیں، بوڑھاپا آجائے گا، تب پتہ چلے گا کہ جوانی ہاتھ سے نکل گئی۔

پھول اے بلبل! نہ پھولوں پر دو روزہ ہے بہار

وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ: اور اپنی تن درستی کو بیماری سے پہلے غنیمت سمجھو۔ وَغِنَاكَ

قَبْلَ فَقْرِكَ: اپنی مال داری کو فقیری سے پہلے غنیمت سمجھو، وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ: اپنی فرصت کو، اللہ نے جو وقت دیا ہے، اس کو مشغولی سے پہلے غنیمت سمجھو کہ آگے چل کر ایسا وقت آجاتا ہے، ایسی مشغولی ہوجاتی ہے کہ چاہنے کے باوجود وقت نہیں ملتا تو اللہ تعالی نے جو فرصت دی ہے، اس سے فائدہ اٹھالو۔ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ: اپنی زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھو۔

دیکھئے! اپنے اس ارشاد میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کو متوجہ فرما رہے ہیں کہ زندگی کے یہ پل، یہ لمحات عظیم نعمت ہے لیکن یہ ہمیشہ رہنے والے نہیں ہیں، اللہ نے آپ کو یہ نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں تو اس سے پہلے کہ یہ نعمتیں ہاتھ سے نکل جائیں، آپ ان سے فائدہ اٹھا لیجیے۔

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر

اللہ تعالی نے زندگی کے یہ اوقات عطا فرمائے، سوال یہ ہے کہ زندگی کے ان اوقات کی ہم کتنی قیمت وصول کر سکتے ہیں۔ میں ایک مثال دے کر سمجھاتا ہوں کہ ایک نوجوان ہے، اس نے دنیوی اعتبار سے بڑی ڈگریاں لے رکھی ہیں، بڑے سرٹیفکٹ لے رکھے ہیں اور اس کی وجہ سے بڑی بڑی کمپنیاں اس کو جاب (job) کی آفر دے رہی ہیں، ماہانہ دو لاکھ، پانچ لاکھ، دس لاکھ تن خواہ کی آفر دے رہی ہیں، آج کل یہ کوئی تعجب کی بات نہیں رہی کہ یہ آفریں مل رہی ہیں تو مان لیجیے کہ دس لاکھ کی آفر ہے تو سال میں کتنی ہوگی؟ ایک کروڑ، بیس لاکھ! اگر وہ پوری زندگی اس طرح کماتا رہے، دس سال، بیس

سال تو کتنا کمائے گا؟ بیس کروڑ، تیس کروڑ، چالیس کروڑ، پچاس کروڑ، سو کروڑ، اس نے اپنی ان ساری محنتوں اور توانائیوں کے بعد اپنی زندگی کے اوقات کے سو کروڑ کمائے۔

زندگی بھر گنجِ سیم و زر بھی کمایا تو کیا کمایا

میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ ان سو کروڑ روپے سے وہ آپ کا یہ بنگلور شہر تو کیا خرید سکے گا، اگر بنگلور کے کسی پوش ایریے میں کوئی بلڈنگ خریدنا چاہے گا تو اس بلڈنگ کی قیمت آج کیا ہے؟ ۱۵۰ر کروڑ! وہ یہ ایک بلڈنگ بھی خرید نہیں سکتا اور مان لیجیے کہ اس نے خرید لی تو اس ایک بلڈنگ کی شہر بنگلور کے حساب سے کیا حیثیت ہے؟ اور شہر بنگلور صوبہ کرناٹک میں ہے اور صوبہ کرناٹک ملک ہندوستان کے اندر ہے۔ آپ دنیا کا نقشہ اٹھا کر دیکھیں گے تو یہ پورا ہندوستان اتنا سا (بالکل چھوٹا) نظر آئے گا اور ہندوستان کے نقشے میں کرناٹک کو دیکھیں گے تو بالکل ایک نقطہ سا نظر آئے گا اور اس میں اس شہر بنگلور کی کیا حیثیت؟ اور بنگلور کے جس علاقے میں یہ بلڈنگ ہے اور اس بلڈنگ کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں تو پوری زندگی کی محنت کے بعد اس نے کیا کمایا؟۔

سورج گرہن کی نماز میں جنت و جہنم کا نظارہ

اس کے بالمقابل میں دوسری مثال دیتا ہوں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک مرتبہ سورج گرہن ہوا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورج گرہن کی نماز پڑھا رہے تھے، اس نماز کے دوران اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جنت اور جہنم کا منظر پیش فرمایا، گویا مسجد کی دیوار میں جنت کا سین بھی دکھلایا اور جہنم کا سین بھی دکھلایا، جب

جنت دکھلائی گئی تو کچھ آگے بڑھے اور ہاتھ آگے بڑھایا، جیسے کچھ لینا چاہتے ہوں پھر اسی نماز کے دوران جہنم دکھلائی گئی تو اس کی آگ کی تپش سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے آپ کچھ پیچھے ہٹے، جیسے کسی چیز سے اپنے آپ کو بچا رہے ہیں۔

نماز سے جب فارغ ہوئے تو حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آج نماز کے دوران ایسی عجیب عجیب کیفیتیں آپ پر طاری ہوئیں کہ اس سے پہلے دیکھنے کو نہیں ملیں: ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹے، جیسے اپنے آپ کو کسی چیز سے بچا رہے ہوں اور ہم نے دیکھا کہ آپ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، جیسے کوئی چیز لینا چاہتے ہیں۔

جنت کی نعمتیں لازوال ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس نماز کے دوران اللہ تبارک وتعالی نے مجھے جنت اور جہنم کا نظارہ کرایا جب جہنم میرے سامنے لائی گئی تو اس کی تپش سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے پیچھے ہٹا اور جب جنت میرے سامنے لائی گئی تو میں نے چاہا کہ اس کے اندر سے انگور کا ایک خوشہ توڑ لوں، اسی لیے میں نے ہاتھ آگے بڑھائے تھے- بخاری کی روایت ہے- اور اگر میں توڑ لیتا تو تم لوگ قیامت تک اس سے کھاتے رہتے تو بھی وہ ختم نہ ہوتا[1]۔ کیوں کہ جنت کی نعمت ہے اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ ایک دانہ توڑا تو خود بخود اس کی جگہ دوسرا دانہ آجاتا، اس کی کوئی نعمت ختم نہیں ہوسکتی، دنیا فانی

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، بَابُ صَلاَةِ الْكُسُوفِ جَمَاعَةً وَصَلَّى ابْنُ عَبَّاسٍ الخ.

ہے، آخرت تو غیر فانی ہے۔ یہ تو جنت کے ایک خوشے کا حال ہے تو درخت کا کیا حال ہوگا؟ اور جنت میں ایسے درخت تو ہزاروں، لاکھوں ہوں گے۔

جنت کی نعمتوں کو کمانے کے آسان ذرائع

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب معراج میں تشریف لے گئے تو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام سے ملاقات ہوئی، سیدنا حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام سے بھی ملاقات ہوئی، اس ملاقات کے موقع پر انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ اپنی امت کو آپ میرا سلام کہہ دینا- جب ہم یہ سنیں تو یوں کہنا چاہیے: علیٰ نبینا وعلی ابراهیم الصلاۃ والسلام- پھر ان سے کہیے کہ جنت تو ایک چٹیل میدان ہے، اس کے درخت سُبْحَانَ اللّٰہِ، وَالْحَمْدُ للّٰہِ، وَلاَ إِلَهَ إِلَّا اللّٰہُ، واللّٰہُ أَكْبَرُ ہیں، یہ جنت کے درخت ہیں[1]۔

اب میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ گھڑی لے کر بیٹھ جائیے! آپ اطمینان سے پڑھیں گے تو بھی ایک منٹ میں پچاس ساٹھ مرتبہ پڑھ لیں گے اور اگر جلدی پڑھیں گے تو سو مرتبہ پڑھیں گے، گویا ایک منٹ میں ہم جنت میں ۱۰۰/ درخت لگا سکتے ہیں تو اگر ہم ایسا کریں تو ہم نے اپنی زندگی کی اس ایک منٹ سے کتنا بڑا فائدہ اٹھایا!! اور اس طرح ہم یہ کلمہ پڑھتے جائیں تو ہمیں ملنے والی جنت کا عالم کیا ہوگا؟۔

ادنی درجے کے جنتی کو ملنے والی جنت کا حال

حدیث میں آتا ہے کہ ایک ادنی درجے کا جنتی، سب سے کم درجے کا جنتی جس کو

① سنن الترمذی، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ تعالی عنہ، رقم الحدیث ۳۴۶۲.

جہنم سے سب سے آخر میں نکالا گیا ہے، اس کو اللہ تبارک وتعالی فرمائیں گے کہ تمنا کر تمنا کر، کتنا چاہیے؟ وہ تمنا کرے گا، تمنا کرے گا، یہاں تک کہ اس کی قوتِ فکر یہ جواب دے دے گی، اس سے آگے کی اس کو تمنا اور خواہش نہیں ہے تو اللہ تبارک وتعالی اس کو فرمائیں گے کہ تو نے جو تمنائیں کیں وہ سب دیا اور دنیا کا دس گنا اور دیا[۱]۔

ہم گھاٹے کا سودا کر رہے ہیں

غور کیجیے کہ ہماری پوری زندگی کی کمائی کا حاصل کیا تھا اور اس ادنی جنتی کو کتنا مل رہا ہے!!۔ دنیوی اعتبار سے ہم اس ایک منٹ کی کیا اتنی زیادہ قیمت وصول کر سکتے ہیں؟ اب اگر ہم اپنی توجہ کو، اپنے دھیان کو بجائے آخرت کے دنیا کے اندر لگاتے ہیں، اپنی صلاحیتوں کو دنیا کے لیے استعمال کرتے ہیں تو سچ بتائیے کہ ہمارا یہ سودا خسارے اور گھاٹے کا سودا ہے یا نہیں؟۔

ایک مرتبہ سبحان اللہ اور الحمد للہ پڑھنے کا ثواب

ایک سبحان اللہ کتنا قیمتی ہے اور ایک الحمد للہ کا ثواب کتنا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تَمْلَأُ الْمِیزَانَ: جو آدمی ایک کلمہ الحمد للہ پڑھتا ہے، اس کو اتنا ثواب ملے گا کہ جس ترازو میں اعمال تولے جائیں گے، وہ پوری ترازو اجر و ثواب سے بھر جائے گی اور وہ ترازو کتنی بڑی ہے؟ روایتوں میں آتا ہے کہ آسمان اور زمین کی اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: وَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ

[۱] صحیح البخاری، عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابُ فَضْلِ السُّجُودِ.

تَمْلَآنِ - أَوْ تَمْلَأُ- مَا بَيْنَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ کہ: سبحان اللہ اورالحمدللہ یہ دو کلمے اگر کسی نے پڑھ لیے تو زمین اور آسمان کے درمیان کی خالی جگہ ثواب سے بھر جائے گی، اتنا ثواب ملے گا①۔

کیا ان ارشادات کو سن کر ہمارے اندر ان کلمات کو پڑھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے؟ اگر ہمیں کوئی یہ کہہ دے کہ اگر کوئی سبحان اللہ اور الحمدللہ پڑھ لے تو اس کا گھر نوٹوں سے بھر جائے گا تو کیا ہوگا؟ سب تسبیح لے کر کے بیٹھ جائیں گے!، میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں نا؟ ہمارا مزاج کتنا گرا ہوا ہے اور ہمارا ایمان کہاں تک پہنچا ہوا ہے۔

دل تجھ کو دیا حق نے تو حق اس کا ادا کر

ایک ہمارے اسلاف تھے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فضائلِ صدقات میں لکھا ہے کہ حضرت علی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑے بزرگ گذرے ہیں، وہ روٹی کے بجائے ستو پھانک لیا کرتے تھے، کسی نے پوچھا: حضرت! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں، ستو پھانک کر کیوں گذارا کرتے ہیں؟ جواب دیا کہ روٹی کھانے میں دیر لگتی ہے، اس کو چبانا پڑتا ہے تو یہ پھانک لیتا ہوں، اس میں میں ''۷۰'' مرتبہ سبحان اللہ پڑھ لیتا ہوں، اتنا بڑا فائدہ ہے اور ان کا یہ معمول چالیس سال سے تھا۔

ہم اور آپ تو دو مرتبہ بریانی اور زردہ کھا کر بور ہو جاتے ہیں، ہماری طبیعت اکتانے لگتی ہے اور یہ حضرات زیادہ سے زیادہ اللہ کی یاد میں وقت کو گذارنے اور

① صحيح مسلم،عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ رضى الله تعالى عنه،بَابُ فَضْلِ الْوُضُوءِ.

آخرت کا فائدہ حاصل کرنے کے لیے ''۴۰'' سال تک ستو پھانکنے پر اکتفا کیا کرتے تھے، یہ وہ حضرات تھے جنھوں نے اللہ کی دی ہوئی زندگی کی نعمت کی قدر کی اور اس سے جو فائدہ اٹھانا چاہیے تھا، وہ اٹھایا۔

اور آپ ذرا اندازہ لگائیں کہ جو آدمی اپنے کھانے کے اوقات کٹوتی کر کے اتنا وقت بچا کر اللہ کی عبادت میں لگاتا ہو، کیا وہ اپنے دوسرے اوقات کو ضائع کرے گا؟ نہیں، ہرگز نہیں۔

وقت کے ساتھ ساتھ ہمارا بے دردانہ رویہ

ہمارے پاس تو وقت الحمد للہ اتنا زیادہ ہے کہ ہم تو بیٹھے بیٹھے بس ٹائم پاس کی سوچتے ہیں، وقت گذرتا نہیں ہے، آؤ، بیٹھو، گپ شپ کرو، یہ اخبار لاؤ، وہ اخبار لاؤ، ٹی وی دیکھو، فلانا کرو۔ گویا ہمارے پاس وقت کی اتنی فراوانی ہے کہ اس کو کہاں استعمال کریں، ہمیں تو سمجھ ہی نہیں پڑتی اور ان کے پاس وقت نہیں تھا۔

حضرتِ داود طائی رحمۃ اللہ علیہ کی وقت کی قدردانی

حضرتِ داودِ طائی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ روٹی چبا کر کھانے کے بجائے پانی میں بھیگو کر کھا لیتے تھے۔ آپ کو اندازہ ہوگا کہ پانی میں بھیگی ہوئی روٹی کا کیا حال ہوتا ہے!!، ہم نے کبھی کھائی تو نہیں لیکن ایسا کبھی ہوا ہوگا کہ پلیٹ میں کسی جگہ تھوڑا سا پانی لگا ہوا ہے، اس پلیٹ میں روٹی رکھ دی تو پلیٹ کے جس حصے میں پانی تھا، روٹی کا جو حصہ پلیٹ کے پانی والے حصے پر ہوگا، وہ جب ہمارے منہ میں آئے گا تو ہمارا موڈ

خراب ہوجاتا ہے، ذائقہ وہ نہیں رہتا اور یہ پوری زندگی پانی میں بھیگی ہوئی روٹی کھاتے رہے، کیوں؟ کسی نے پوچھا کہ حضرت! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ چبا کر کیوں نہیں کھاتے؟ تو فرمایا کہ چبا کر کھانے میں دیر لگتی ہے، بھیگو کر کھانے کے مقابلے میں وقت زیادہ لگتا ہے تو جو وقت بچ جاتا ہے، اس میں مَیں قرآنِ پاک کی پچاس آیتوں کی تلاوت کر لیتا ہوں۔

یہ ہمارے اسلاف تھے جنھوں نے اپنی زندگی کے ان اوقات اور لمحات کی قدر کی اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات کو ایسی سنجیدگی اور قدر و قیمت کے ساتھ لیا کہ اپنی زندگیاں اس کے مطابق ڈھالیں۔ آج ضرورت ہے کہ ہم اپنی زندگی کی قدر کریں۔

انسانی زندگی کے اوقات خام مال کے مثل ہیں

یہی اصل سرمایہ ہے، یوں سمجھئے کہ یہ رومٹیریل (row material) ہے یعنی خام مال۔ یہ جو رومٹیریل ہوتا ہے، آدمی اس کی جتنی چاہے قیمت حاصل کر لے، اس کی قیمت کی اصل بنیاد اس پر ہے کہ آپ اس سے کون سی چیز بنانے جا رہے ہیں۔ آپ کے پاس لوہے کا ایک ٹکڑا ہے، اس لوہے کے ٹکڑے سے اگر آپ سائیکل کا کوئی پارٹ (part) بنائیں گے تو اس کی قیمت بھی سائیکل کے حساب سے ہوگی کہ سائیکل دو ہزار روپے کی آتی ہے تو لوہے کے اس ٹکڑے سے آپ نے جو پارٹ بنایا یہ آپ کو دو سو کا پڑا اور اگر اسی ٹکڑے کو آپ سائیکل کے بجائے بائیک (bike) کے اندر استعمال کریں گے تو بائیک کی قیمت مثلاً ساٹھ ہزار ہوتی ہے تو یہی ٹکڑا اس کے حساب سے چھے

ہزار کا ہو گیا اور اگر اسی ٹکڑے کو آپ کار بنانے میں استعمال کریں گے تو کار پانچ لاکھ کی ہوتی ہے تو یہ لوہے کا ٹکڑا پچاس ہزار کا ہو گیا اور اگر اسی کو ہوائی جہاز بنانے میں استعمال کریں گے تو اس کی قیمت اسی اعتبار سے بڑھ جائے گی۔

انسان اپنی زندگی کے خام مال کو قیمتی بنا سکتا ہے

تو جو خام مال ہوتا ہے، وہ ہر چیز میں استعمال ہوتا ہے، آپ اس کو جس کام میں استعمال کریں گے، اس کے حساب اس کی قیمت لگے گی۔ اللہ تبارک وتعالی نے ہمیں یہ جو زندگی کے اوقات عطا فرمائے، یہ دراصل رومٹیریل ہے، خام مال ہے، ہم اس کو استعمال کر کے بڑی سے بڑی قیمت آخرت کے اعتبار سے حاصل کر سکتے ہیں، وہ ہماری صواب دید اور ہماری سوچ اور ہمارے فیصلے پر موقوف ہے، ہمارے اسلاف اس کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔

وقت کی قدر و قیمت اہل دنیا کی نگاہ میں

دیکھو! زندگی کے اوقات کو قیمتی بنانے کے لیے یورپ اور امریکہ کے اندر با قاعدہ ماہرین ہیں، وہ ٹائم منیجمنٹ کورس (time management) تیار کرتے ہیں یعنی آپ اپنے وقت کو زیادہ سے زیادہ کس طریقے سے وصول کر سکتے ہیں، آج کل با قاعدہ بڑے بڑے ماہرین کورس بناتے ہیں اور اس کورس سے فائدہ اٹھانے کے لیے لوگ اس میں داخلہ لیتے ہیں، بڑی بڑی کمپنیوں کو چلانے والے اور ان کے ڈائریکٹر (director) اور اسکول اور کالج کے لکچرار (lecturer) اور بڑے بڑے لوگ

اس میں بڑی بڑی فیس (fees) ادا کر کے اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں نظام الاوقات کی پابندی

ہمارے اکابر کو اللہ تبارک وتعالی نے یہ چیز محض اپنے فضل سے عطا فرمائی تھی، اپنے مشائخ کی خدمت میں رہ کر انھوں نے اپنے اوقات کی قدر و قیمت کو صحیح طور پر وصول کرنا سیکھا تھا۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آپ کے اجل خلیفہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وقت کی قدر و قیمت اللہ تبارک وتعالی نے آپ کے دل میں ایسی عطا فرمائی تھی کہ یہ آپ کی طبیعت کے اندر گویا سرایت کر گئی تھی، ہر وقت آپ کی نگاہ گھڑی پر رہتی تھی اور آپ اپنا سارا وقت نظام الاوقات کے مطابق گذارتے تھے، اسی کی برکت سے اللہ تبارک وتعالی نے آپ سے وہ کام لیا اور ایسی ایسی کتابیں آپ سے تصنیف وتالیف کروائیں کہ بڑی بڑی اکیڈمیاں بھی آج اتنا کام نہیں کرسکتیں۔

اور حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر دس سال پہلے کوئی آدمی آپ کے پاس دس بجے پہنچا تو اس وقت حضرت کو جو کام کرتے ہوئے دیکھا ہوگا، دس سال بعد دس بجے جائے گا تو اسی کام کو کرتے دیکھے گا۔ آپ کے نزدیک نظام الاوقات کا اتنا اہتمام اور پابندی تھی۔

ہم اور وقت کی ناقدری

آج ہمارے یہاں وقت کی کوئی قدر و قیمت نہیں، ہمارے پاس سب سے بے قیمت

کوئی چیز اگر ہے تو وہ وقت ہے، ہم بڑی بے دردی کے ساتھ اس کو ضائع کرتے ہیں، جب ہماری مجلسیں لگتی ہیں اور باتوں میں لگتے ہیں تو گھنٹوں گذر جاتے ہیں لیکن بھولے سے بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ میں کتنی قیمتی چیز ضائع اور برباد کر رہا ہوں۔

حضراتِ صحابہؓ کے نزدیک وقت کی قدر و قیمت

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الزہد والرقائق میں انھوں نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ نقل کیا ہے: إِنِّي أَدْرَكْتُ أَقْوَامًا كَانَ أَحَدُهُمْ أَشَحَّ عَلَى عُمُرِهِ مِنْهُ عَلَى دَرَاهِمِهِ وَدَنَانِيرِهِ: میں نے ایسے لوگوں کو پایا ہے یعنی حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کہ جو اپنے زندگی کے اوقات کے بارے میں اس سے زیادہ بخیل تھے، جیسے لوگ اپنے درہم و دینار اور روپے پیسے کے بارے میں بخیل ہوتے ہیں①۔ لوگ اپنے روپے پیسے سنبھال سنبھال کر استعمال کرتے ہیں، وہ اپنی زندگی کے اوقات کو اسی طرح استعمال کرتے تھے۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وقت کی اہمیت

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الخلیل میں لکھا ہے کہ: آپ اپنے معمولات اور نظام الاوقات کے ایسے پابند تھے کہ رات ہو یا دن ہو اور کیسے بھی حالات کیوں نہ ہوں، کسی معمول میں کبھی تخلّف نہیں ہوتا تھا، یہاں تک کہ سفرِ حج میں بھی چھوڑتے نہیں تھے۔

---

① كتاب الزهد والرقائق لابن المبارك، بَابُ التَّحْضِيضِ عَلَى طَاعَةِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ.

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی میں لکھا ہے کہ جب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جا رہے تھے، اونٹوں کا سفر تھا، مغرب کی نماز کے بعد اوابین کا جو معمول تھا، وہ بھی اس سفر میں کبھی چھوٹا نہیں، اونٹ سے اتر جاتے تھے، چوں کہ اونٹوں کی رفتار ذرا کم ہوتی ہے تو آپ جلدی سے آگے چلے جاتے، نیت باندھتے، دو رکعت پڑھتے، اتنی دیر میں اونٹ ذرا آگے نکل جاتے تو آپ سلام پھیر کر پھر سے ذرا تیز چلتے اور آگے نکل جاتے اور دو رکعت کی نیت باندھ لیتے اور پھر اونٹ ذرا آگے نکل گئے پھر تیز چلے اور آگے جا کر دو رکعت کی نیت باندھی۔ اس طرح وہ اپنا معمول پورا کرتے تھے۔ یہ ان حضرات کے یہاں وقت کی قدر و قیمت تھی۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب تبصرہ

حضرت شیخ مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی میں اپنا قصہ لکھا ہے کہ بذل المجهود جو ابوداود شریف کی شرح ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ اور استاذ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف کردہ ہے۔ جس زمانے میں وہ طبع ہو رہی تھی، چھپ رہی تھی تو تھانہ بھون میں حضرت مولانا شبیر علی رحمۃ اللہ علیہ جو حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے ہیں، ان کا پریس تھا اور خانقاہ سے لگا ہوا تھا، اس میں چھپتی تھی تو اس کے جو پروف ہیں، وہ ظہر کے وقت ہاتھ میں آتے تھے اور عصر تک یا مغرب سے پہلے پہلے اس کو لوٹانا ہوتا تھا اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں آپ کی عام مجلس ظہر کے بعد ہوتی تھی، لوگ دور دور سے آتے تھے اور مجلس میں شریک ہوتے تھے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں وہیں ایک کونے میں بیٹھ کر بذل کے پروف دیکھنے میں مشغول ہوتا تھا اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہوں اور مجلس میں شرکت نہیں ہو پارہی ہے، اس کا افسوس بھی تھا۔ ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اپنی اس حسرت کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا کہ لوگ آپ سے استفادہ کرنے اور مجلس میں شرکت کے لیے دور دور سے آتے ہیں اور میں یہاں ہونے کے باوجود اس مشغولی کی وجہ سے اس میں شریک نہیں ہوسکتا تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ مولوی صاحب! فکر مت کرو، تم میری مجلس میں نہیں ہوتے لیکن میں تمھاری مجلس میں ہوتا ہوں، میں تمھیں کونے میں بیٹھا ہوا دیکھتا ہوں اور تمھاری مشغولی کو دیکھ کر دل دل میں کہتا ہوں کہ کام تو اسی طرح ہوتا ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ ہم اپنے اوقات کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کا اہتمام کریں۔

لایعنی کاموں میں مشغولی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی علامت ہے

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو لایعنی سے بچائے۔ شیخ ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں جو امام ابوثور رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے ہوتے ہیں، ان کا مقولہ کتابوں میں لکھا گیا ہے: من عَلامَة إعْرَاض الله تَعَالَى عَن العَبْد أن يشْغلهُ بِمَا لَا يَنْفَعهُ: اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے سے بے توجہی اور بے التفاتی کی ایک نشانی یہ ہے کہ اس بندے کو اللہ تعالیٰ فضول اور غیر نفع بخش کاموں میں لگاتے ہیں، جو آدمی لایعنی

کاموں میں لگتا ہے، یوں سمجھ لو کہ اللہ تعالی اس سے ناراض ہیں کہ اس کی زندگی کے اوقات اس طرح بے دردی کے ساتھ ضائع اور برباد ہو رہے ہیں۔

اللہ والوں کی نگاہ میں وقت کی قدر و قیمت

علامہ جمال الدین قاسمی رحمۃ اللہ علیہ مصر کے بہت بڑے عالم گذرے ہیں، ان کی تفسیر بھی ہے، ایک مرتبہ جا رہے تھے، کچھ لوگ بیٹھے بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے، ان کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ اگر وقت کوئی ایسی چیز ہوتی جو خریدی جا سکتی تو میں ان سے ان کا وقت خرید لیتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس وقت زیادہ ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ کے جو بندے اس طرح کے کاموں میں لگنے والے ہیں، وہ اپنے وقت کی قدر کرتے ہیں اور اس کو ضائع نہیں کرتے۔

حضرت منصور بن معتمرؒ اور حضرت داود طائیؒ کے یہاں وقت کی قدر

حضرت منصور بن معتمر رحمۃ اللہ علیہ بخاری کے راویوں میں سے ہے، ان کا بار بار نام آتا ہے، انھوں نے چالیس سال تک عشاء کے بعد کسی کے ساتھ بات چیت نہیں کی۔

حضرتِ داودِ طائی رحمۃ اللہ علیہ کے کمرہ کی کڑی ٹوٹی ہوئی تھی، کسی نے کہا کہ حضرت! آپ کے کمرے کی کڑی ٹوٹی ہوئی ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ بیس سال سے میں نے اوپر نظر ہی نہیں کی۔ ان کو تو اپنے کمرے کی چھت کی طرف نظر کرنے کی بھی فرصت نہیں تھی۔

اسی طرح ہمارے دوسرے اکابر اور اسلاف سے بھی اس طرح کے واقعات منقول ہیں اور اس کے برعکس ہمارا حال یہ ہے کہ ہمیں ان اوقات کی کوئی قدر ہی نہیں۔

ہم لوگ تو بیٹھے ہوئے ہوں تو چین نہیں پڑتا، جب تک اِدھر اُدھر نہ دیکھیں، مسجد میں بیٹھے ہوئے ہوں تو بھی ہمارا یہ حال ہوتا ہے، قرآن پڑھ رہے ہوں اور کوئی آ کر بیٹھے گا تو قرآن پڑھنا چھوڑ کر اس کو دیکھیں گے، یہ ہمارا مزاج بن گیا ہے، یہ حضرات فضول نگاہ کو بھی برداشت نہیں کرتے تھے، میں آپ حضرات کو یہ سب لایعنی کی قسمیں بتلا رہا ہوں۔

حضرت حسّان بن ابی سنان رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت حسّان بن ابی سنان رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ ہیں، تابعی ہیں، ایک مرتبہ جا رہے تھے، ایک مکان پر نظر پڑی، نیا نیا بنا تھا، اپنے ساتھیوں سے پوچھ لیا کہ یہ کب بنا؟ پوچھنے کو تو پوچھ لیا، زبان سے یہ سوال نکل گیا، ساتھ ہی ساتھ فوراً دل میں خیال آیا کہ میں نے بے کار سوال کر لیا، ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب اگر مل بھی جائے تو اس سے دنیا کا کیا فائدہ اور اس سے آخرت کا کیا فائدہ؟ فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا تو فوراً اپنے نفس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تو نے ایسا فضول سوال کیوں پوچھا، میں اس کی سزا میں ایک سال کے روزے رکھوں گا۔ حالاں کہ یہ کوئی گناہ کا جملہ نہیں تھا لیکن ان حضرات کے یہاں ایسی فضول چیزوں سے بچنے کا اتنا اہتمام تھا، اتنے زیادہ محتاط تھے، اپنے اوقات کو بالکل ضائع نہیں کرتے تھے، ان کی نگاہیں تک بلا ضرورت کسی چیز پر پڑتیں تو اس پر توبہ و ندامت کا اظہار کرتے تھے۔

مؤمن کامل کی تین علامتیں

بہر حال! ایک تو لایعنی بات ہوئی اور ایک ہوا لایعنی کام۔ آدمی جو کام کرتا ہے، اس

میں بعض کام ایسے ہوتے ہیں کہ جس کے اندر نہ تو دنیا کا کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ آخرت کا، وہ لایعنی کام کہلاتا ہے تو حاصل یہ ہوا کہ کسی بھی آدمی کے کامل مؤمن بننے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان دونوں چیزوں سے بچاوے بلکہ جیسا کہ میں نے کہا کہ تینوں چیزوں سے بچاوے: لایعنی باتوں سے بھی، لایعنی کاموں سے بھی اور لایعنی چیزوں سے بھی، جب تک ان سے اپنے آپ کو بچائے گا نہیں، وہاں تک اس کا اسلام اور اس کا ایمان کامل نہیں کہلائے گا۔ یہ میں نہیں، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

آپ کی ملاقات کی تمنا وہ کرے جس کو اللہ تعالیٰ سے فرصت ہو

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ میں ایک عجیب قصہ لکھا ہوا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خضر علیہ السلام - جن کو خواجہ خضر کہتے ہیں اور ہر شخص تمنا کرتا ہے کہ ان کے ساتھ ملاقات ہو جائے - حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لیے گئے، حضرت خضر علیہ السلام نے مصافحہ کیا، انھوں نے مصافحہ کیا اور پھر اپنی تسبیح لے کر کے بیٹھ گئے۔ حضرت خضر علیہ السلام سوچنے لگے کہ یہ عجیب آدمی ہیں کہ لوگ تو میری ملاقات کی تمنائیں کرتے ہیں اور میں خود ان کی ملاقات کے لیے آیا تو یہ مصافحہ کر کے اپنی تسبیح لے کر اس میں مشغول ہو گئے، میری طرف دھیان بھی نہیں دیتے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تم جانتے بھی ہو کہ میں کون ہوں؟ میں خضر ہوں اور لوگ تو میری ملاقات کی تمنائیں کرتے ہیں اور میں خود آپ کی خدمت میں ملاقات کے لیے آیا اور آپ ہیں کہ مصافحہ کر کے تسبیح لے کر کے بیٹھ گئے !!۔

جواب میں حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ کی ملاقات کی تمنا وہ کرے جس کو اللہ تعالی سے فرصت ہو!!۔ یہ ان حضرات کا حال تھا؛ اس لیے ضرورت ہے کہ ہم اپنے اوقات کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کا اہتمام کریں۔ یہ زندگی جو اللہ تبارک وتعالی نے ہمیں عطا فرمائی ہے، اس کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے۔

وقت کی بربادی مؤمنوں کا محبوب مشغلہ بن گیا ہے

اب ہمارا مزاج کیا بن گیا ہے، اس کو بھی دیکھ لیجیے کہ دو آدمی بیٹھ گئے، چار آدمی بیٹھ گئے تو بس چرچا ہو رہا ہے، سیاسی باتیں اور دنیا بھر کے مسائل کا چرچا ہوتا ہے کہ شام میں یوں ہو رہا ہے، عراق میں یہ ہو رہا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں، ہمیں اپنے بھائیوں کی ہمدردی ہونی چاہیے لیکن ایک ایک گھنٹہ یہ بحث تو کریں گے کہ شام میں یہ ہو رہا ہے اور فلاں جگہ یہ ہو رہا ہے لیکن ان بحث کرنے والوں سے یہ پوچھ لو کہ تم نے ان کے بارے میں بحث کرتے ہوئے ایک گھنٹہ نکالا لیکن ایک لمحے کے لیے ہاتھ اٹھا کر ان کے واسطے دعا کی؟ آپ کی اس ایک گھنٹے کی بحث سے ان کو کیا فائدہ پہنچا؟ اس کے بجائے اگر ایک منٹ کے لیے ان کے واسطے اللہ تبارک وتعالی سے دعا کرتے تو فائدہ پہنچتا، اللہ تعالی ہی سے عرض کرنا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نے اپنی زندگیوں کو بےکار کاموں میں لگا لیا ہے، ایک مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے اس کو دنیا کے اندر بھیجا تو وہ یہاں رہتے ہوئے ان ہی چیزوں کو اختیار کرے جو اس کے لیے ایمان کے اعتبار سے فائدہ مند سمجھی

جاتی ہوں۔

دنیاداروں کے یہاں کام کے اوقات کی قدر و قیمت

ایک تاجر اور دکان دار ہے، دکان کے ٹائم پر کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی آجائے تو اگر تجارت کی بات ہے، لین دین کی بات ہے تو وہ تو کرے گا لیکن اگر کوئی دوسری بات کرے گا تو وہ اس کی بات کو سنے گا بھی نہیں، جواب تو کیا دے گا۔ ایک تاجر کو اپنی تجارت کے اوقات میں کسی سے بے کار کی بات کرنے کی فرصت نہیں ہے۔

ایک اور آدمی ہے جو اپنے آفیشل کاموں کے اندر مشغول ہے اور کوئی اس کے کام کے وقت میں پہنچ جائے گا تو وہ بات کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔

سپریم کورٹ کے وکلاء کے وقت کی فیس

آج کل تو وکیل لوگ خالی پانچ منٹ کی کتنی فیس لیتے ہیں، آپ جانتے ہیں، ہزوروں اور لاکھوں کی فیس!!۔ ہمارے ایک دوست ہیں، ان کا کوئی معاملہ تھا تو وہ اس کو سپریم کورٹ کے اندر پیش کرنا چاہتے تھے تو انھوں نے یہاں کے ایک وکیل کے ذریعہ سپریم کورٹ کے اندر پریکٹس کرنے والے وکیل سے پوچھا تو اس نے کہا کہ میں آپ کو دس منٹ دوں گا لیکن اس کے آپ کو پانچ لاکھ روپئے دینے پڑیں گے، دس منٹ پر ایک منٹ بھی بڑھنے نہیں دوں گا، فون پر بھی آپ بات کر سکتے ہیں لیکن اتنی فیس آپ کو دینی پڑے گی۔

یعنی یہ حضرات اس طرح اپنے اوقات کو وصول کرنے کا اہتمام کرتے ہیں اور ہم

ہیں کہ اپنے اوقات کو ضائع کرتے ہیں، کرکٹ چل رہی ہے، میچ چل رہی ہے، ورلڈ کپ کا سلسلہ ہے، فٹ بال کا ورلڈ کپ چل رہا ہے تو دیکھو کہ ان کے تیور کیسے بدل جاتے ہیں۔ ایک ٹیم کا ایک حمایتی ہے دوسری ٹیم کا دوسرا حمایتی ہے، آستینیں چڑھا لیتے ہیں اور ایک دوسرے پر حملہ کرنے کی بھی نوبت آجاتی ہے

تخلیق انسانی کی غرض

میں تو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہی فرمانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالی کی دی ہوئی اس نعمت سے فائدہ اٹھالو۔ یہ زندگی اللہ نے اسی لیے دی ہے: ﴿الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ اللہ تعالی نے موت اور زندگی کو اس لیے پیدا کیا؛ تاکہ آزمالے کہ کون عمل کے اعتبار سے بہتر ہے اور کون اچھا عمل کرتا ہے۔

یہ دنیا آزمائش گاہ ہے

یہ دنیا آزمائش گاہ ہے اور ہر آدمی گویا اس وقت اللہ تعالی کے حضور امتحان دے رہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے جو نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں، اللہ تبارک وتعالی کی ان نعمتوں کے سلسلے میں وہ کیا معاملہ کرتا ہے، اللہ تعالی کی ان نعمتوں سے فائدہ اٹھا کر کیا وہ اللہ تعالی کی اطاعت اور فرماں برداری میں مشغول ہوتا ہے یا اللہ تبارک وتعالی کی ان نعمتوں سے قوت حاصل کر کے اللہ تعالی کی نافرمانی میں مبتلا ہوتا ہے۔ یہ ایک آزمائش ہے اور آزمائش کا یہ سلسلہ ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا ہے اور اس کے متعلق کل کو قیامت کے دن اللہ تعالی کو جواب دینا ہوگا، اللہ تبارک وتعالی نے سب سے بڑی نعمت جو ہمیں

عطا فرمائی ہے، وہ زندگی کی نعمت ہے۔

عقل مند و ناسمجھ کا شرعی پیمانہ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ، وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ: عقل منداور سمجھ دار آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کرے، قابو میں لاوے، اس کی خواہشات پر عمل نہ کرے اور موت کے بعد آنے والی زندگی کی تیاری کرے اور بے وقوف وہ ہے جو اللہ کے اوپر امیدیں قائم کرتا ہو اور یوں سوچتا ہو کہ اللہ معاف کرنے والے ہیں، غفور رحیم ہیں، ہمارا حال تو یہ ہے کہ گناہ کرتے جاتے ہیں اور کوئی تنبیہ کرے، ٹوکے تو کہتے ہیں کہ اللہ معاف کرنے والے ہیں، غفور رحیم ہیں۔

عذرِ گناہ بدتر از گناہ

اگر یہی اصول ہے تو کوئی کافر ہے، آپ اس سے کہیں کہ بھائی! اسلام لے آؤ، مسلمان ہو جاؤ، وہ تم سے یوں کہے کہ اللہ غفور رحیم ہیں۔ تو آپ کیا کہیں گے؟ یہی کہ اللہ تعالیٰ نے مغفرت کے لیے کچھ اصول مقرر کر رکھے ہیں اور اس کے یہاں یہ اصول ہے کہ کافر کی مغفرت نہیں ہوتی، ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ﴾[النساء: ۱۱۶] تو جیسے آپ اس کو یہ جواب دیں گے تو آپ سے بھی تو یوں کہا جائے گا کہ اللہ کے یہاں میزان عمل قائم ہونے والا ہے، نیکیاں اور گناہ تولے جائیں گے، جس کی نیکیاں غالب ہوں گی، اس کے لیے جنت کا فیصلہ ہوگا، آپ نے گناہ کرتے کرتے کیسے یہ تجویز کر لیا کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں۔

قیامت کے دن بندوں کی دنیا میں دوبارہ بھیجے جانے کی درخواست

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ یہ جو ہم نے اپنی زندگی کے لیے وطیرہ اختیار کر رکھا ہے، ہم جس انداز سے زندگیاں گذار رہے ہیں، یہ وہ طریقہ نہیں جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا ہے۔ ہماری زندگی گذرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی تو اس پیشی کے بعد وہاں جو حساب کتاب ہوگا، آدمی تمنا کرے گا: ﴿رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ﴾: اے اللہ! ہمیں دنیا میں دوبارہ بھیج دے تاکہ ہم وہاں جا کر نیک اعمال کریں، دنیا میں جیسے عمل کیے تھے، اب دوسری مرتبہ ایسے عمل نہیں کریں گے، ہم نیک اعمال کریں گے۔

مذکورہ درخواست پر باری تعالیٰ کا جواب

باری تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا: ﴿اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ﴾ [فاطر: ۳۷]: ہم نے تم کو اتنی زندگی نہیں دی تھی کہ اگر اس میں کوئی آدمی سُدھرنا چاہتا، نیک بننا چاہتا، اپنی اصلاح کرنا چاہتا، نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو وہ سُدھر سکتا تھا، نیک بن سکتا تھا، نصیحت حاصل کر سکتا تھا اور ہماری طرف سے ڈرانے والے بھی آئے تھے، یعنی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے اور دوسرے ڈرانے والے بھی تھے۔

ملک الموت سے ایک آدمی کی شکایت اور ملک الموت کا جواب

کتاب التذکرہ میں علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: ملک الموت کے ساتھ کسی کی ملاقات ہوگئی۔ اس نے کہا کہ حضرت آپ کا معاملہ بھی عجیب ہے کہ دنیا میں کوئی

حکومت کسی کے خلاف جب کوئی وارنٹ (warrant) جاری کرتی ہے تو پہلے اس کو نوٹیس (notice) بھیجتی ہے اور آپ تو اچانک آدھمک کر جان لے کر کے چلے جاتے ہیں تو ملک الموت نے کہا کہ نہیں بھائی! میں بھی نوٹیس بھیجتا ہوں اور اتنے نوٹیس بھیجتا ہوں کہ دنیا کی کوئی حکومت اتنے نوٹیس بھیجتی نہیں ہوگی لیکن کیا کروں کہ میری نوٹیسوں کا کوئی نوٹیس نہیں لیتا۔

باری تعالی کی طرف سے ایامِ زندگی ختم ہونے کی نوٹیسیں

بالوں کی یہ سفیدی ایک نوٹیس ہے کہ اب بال سفید ہو گئے، اب جانے کا وقت آ گیا، کہاں آپ دنیا کے اندر غفلت میں پڑے ہیں، اب آخرت کی تیاری کیجیے۔ آنکھوں کی روشنی کم ہوتی جارہی ہے، یہ اللہ کا نوٹیس ہے۔ گھٹنوں میں درد چالو ہوگیا، نوٹیس ہے۔ نواسے آگئے، پوتے، پوتیاں آگئے، اب دوسری نسل تو آ گئی، آپ کب تک یہاں ڈیرا ڈالے پڑے رہیں گے۔ آپ کب تک ویزا (visa) بڑھواتے رہیں گے، یہ سب نوٹیسیں ہیں، اس کے بعد بھی آپ اپنا حال درست نہ کریں تو اس کا کیا علاج ہوسکتا ہے!۔

جس کو ساٹھ سال کی زندگی ملی، اس کا عذر ختم ہو گیا

حدیث میں آتا ہے، بخاری شریف کی روایت ہے کہ جس کو اللہ تبارک وتعالی نے ساٹھ سال کی عمر دی ہو، فَقَدْ أَعْذَرَ: اس کا عذر اللہ تبارک وتعالی نے ختم کر دیا[۱]۔ یعنی

---

[۱] صحيح البخارى، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ، باب مَنْ بَلَغَ سِتِّينَ سَنَةً فَقَدْ أَعْذَرَ اللّٰهُ إِلَيْهِ فِي الْعُمُرِ.

کل کو قیامت کے دن اللہ تعالی کے حضور اس کو یہ کہنے کا عذر نہیں رہے گا کہ مجھے کچھ موقع دیا جاتا تو میں کچھ کرتا۔ باری تعالی کہیں گے کہ ارے میرے بندے! دنیا میں رہنے کے لیے تجھ کو ساٹھ سال تو دیئے تھے، تو نے اس میں کچھ نہیں کیا تو اب اس میں کسی کا کیا قصور ہے؟۔

شہید کے بعد وفات پانے والے صحابی اور دونوں کے درجات کا فرق

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے ہمیں یہ زندگی عطا فرمائی، اس زندگی کا ایک ایک دن بہت قیمتی ہے۔ ابوداود شریف کے اندر حضرت عبید بن خالد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو صحابیوں کے درمیان عقد مواخات کرایا، بھائی چارگی کا رشتہ قائم کیا۔ اب جن دو میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ عقد قائم کرایا تھا، ان میں سے ایک کا انتقال ہوگیا، وہ جہاد کے اندر شریک ہوا اور شہید ہوگیا، اس کے آٹھ دن کے بعد دوسرا جو تھا، اس کا بھی انتقال ہوگیا، گھر کے اندر بستر پر وفات پائی۔

حضرات صحابہ اس کی نمازِ جنازہ کے اندر شریک تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے اپنے بھائی کے لیے کیا دعا کی؟۔ انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! اپنے اس بندے کو اپنے بھائی کے ساتھ ملا دے؛ کیوں کہ وہ شہید ہوا ہے اور یہ شہید نہیں ہوا ہے۔ یہ حضرات گویا یہ کہنا چاہتے تھے کہ اس کو بھی شہید والا مرتبہ حاصل ہو جائے۔

اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا، وہ نوٹ کرنے کے قابل ہے، حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ارے بھائی! اس کی شہادت کے بعد یہ آدمی آٹھ دن تک زندہ رہا: فَأَيْنَ صَلَاتُهُ بَعْدَ صَلَاتِهِ، وَصَوْمُهُ بَعْدَ صَوْمِهِ؟(شَكَّ شُعْبَةُ فِي صَوْمِهِ)وَعَمَلُهُ بَعْدَ عَمَلِهِ، إِنَّ بَيْنَهُمَا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ کہ: بھائی! اس کے مرنے کے بعد یہ آٹھ دن نمازیں پڑھتا رہا، روزے رکھتا رہا، نیک اعمال کرتا رہا، وہ کہاں گئے؟ - پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ- اس کے اور اس کے درمیان درجے اور مقام کے اعتبار سے اتنا فاصلہ ہے، جیسا زمین اور آسمان کے درمیان ہے[1]۔ وہ تو شہید تھا، اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرماتے ہیں!!۔

بہرحال! دنیا کی ایک ایک گھڑی قیمتی ہے، ہمیں جو وقت اللہ تعالی نے عطا فرمایا ہے، اس کی قدر کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت ابنِ عمرؓ کا قبر کے پاس سے گذرنے پر وہاں نماز پڑھنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ تشریف لے جا رہے تھے، ایک قبر پر سے گذرے، سواری پر سے اتر گئے، دو رکعت کی نیت باندھ لی، نماز سے فارغ ہوئے۔ آپ کے ساتھ جو صاحب تھے، انھوں نے سمجھا کہ شاید صاحبِ قبر کے ساتھ آپ کا کوئی تعلق ہوگا، آپ کا کوئی عزیز ہوگا، پوچھا: حضرت! آپ نے اس قبر کے پاس اتر کر دو رکعت نماز پڑھی تو کیا اس صاحبِ قبر سے آپ کا کوئی تعلق ہے، یہ آپ کا کوئی عزیز ہے؟ تو فرمایا کہ نہیں، مجھے تو اس قبر کو دیکھ کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد یاد آ گیا:

---

① سنن أبي داود، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ خَالِدٍ السُّلَمِيِّ رضى الله عنه، بَابٌ فِي النُّورِ يُرَى عِنْدَ قَبْرِ الشَّهِيدِ.

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب آدمی مرجائے گا اور قبر میں ہوگا تو تمنا کرے گا کہ کاش مجھے دو رکعت پڑھنے کا وقت مل جائے !۔اس قبر کو دیکھ کر مجھے یہ ارشاد یاد آیا تو میں نے سوچا کہ میں تو زندہ ہوں، مجھے اللہ تعالی نے موقع دیا ہے تو کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھالوں؛ اس لیے میں نے اتر کر دو رکعت نماز پڑھ لی۔

یہ حال تھا ان حضرات کا۔ دیکھیے! اس طرح کی چیزیں جب سنیں نا تو فوری طور پر عمل کر لینا چاہیے، اس کی برکت سے اللہ تعالی بہت کچھ عطا فرماتے ہیں۔

عذابِ قبر کی وحشت نا کی

حضرت مولانا عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم کے خطبات میں ایک قصہ لکھا ہوا ہے کہ ایک اللہ والے تھے، ان کو کشفِ قبور ہوتا تھا، کشفِ قبور یعنی قبر کے اندر جو حالات مردے پر طاری ہوتے ہیں، وہ حالات کھل جاتے ہیں، ویسے آدمی کو پتہ نہیں چلتا، برزخ کے حالات ہر ایک پر کھلتے نہیں ہیں۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ قبر میں میت کو جو عذاب ہوتا ہے، اس کو انسان کے علاوہ ہر جاندار سنتا ہے، اگر انسان سن لے تو وہ مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دے[۱]۔

ایک صاحبِ کشفِ قبور کا عجیب واقعہ

بہرحال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالی اپنے بعض بندوں کو مردوں پر جو حالات گذرتے ہیں، اس سے واقف کر دیتے ہیں، اس کو کشفِ قبور کہتے ہیں تو ایک اللہ

---

[۱] صحیح البخاری، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تعالى عَنْهُ، بَابُ مَا جَاءَ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ.

والے تھے، ان کو کشفِ قبور کی یہ کرامت حاصل تھی، وہ ایک قبر کے پاس سے گذرے تو ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کشفِ قبور کے طور پر بتلایا گیا کہ یہ قبر والا اپنی قبر کے اندر قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہا ہے۔ انھوں نے اسی حالتِ مکاشفہ میں صاحبِ قبر سے بات چیت کی کہ میں نے تو سنا ہے کہ آدمی جب مر جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے۔

مسلم شریف کی روایت ہے: إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ[1]: آدمی کا جب انتقال ہوتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔ تو اب اعمال کا اور ثواب کمانے کا سلسلہ بند ہو گیا تو ہم نے تو یہ سنا ہے کہ موت کے بعد اعمال کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے اور میں تمھیں دیکھ رہا ہوں کہ تم قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہے ہو!۔

قبر میں منکر نکیر کے سوالات کا منظر

مردہ جواب میں یوں کہتا ہے کہ بات اصل میں یہ ہے کہ میرا انتقال ہوا اور مجھے قبر میں دفن کیا گیا تو دونوں فرشتے، منکر نکیر - جن کا حدیث میں تذکرہ آتا ہے، نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے، ترمذی میں بھی وہ روایت موجود ہے کہ آدمی کو اس کی موت کے بعد جب دفن کیا جاتا ہے اور لوگ جانے لگتے ہیں تو ابھی تو وہ مردہ ان کے جانے کے وقت ان کے جوتوں کے کھڑکنے کی آوازیں سنتا ہے کہ اس کے پاس دو فرشتے آتے

① پوری حدیث اس طرح ہے: إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ.(صحيح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله تعالى عنه، بَابُ مَا يَلْحَقُ الْإِنْسَانَ مِنَ الثَّوَابِ بَعْدَ وَفَاتِهِ.)

ہیں، ایک کا نام منکر ہے اور دوسرے کا نام نکیر ہے ① اور وہ اس کو اٹھاتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں اور مؤمن کے پاس جو آتے ہیں، ان کو مبشر، بشیر کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے ② اور میت سے سوال کرتے ہیں: مَنْ رَبُّكَ؟: تمھارا رب کون ہے؟ مَا دِينُكَ؟: تمھارا دین کیا ہے؟ مَنْ نَبِيُّكَ؟: تمھارے نبی کون ہیں؟ ③۔ اگر وہ مؤمن صالح ہے تو وہ برابر جواب دیتا ہے اور اس کے ٹھیک جواب دینے پر فرشتے کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم تھا کہ تو اسی طرح صحیح جواب دے گا اور اس کو کہتے ہیں: نَمْ كَنَوْمَةِ العَرُوسِ الَّذِي لاَيُوقِظُهُ إِلاَّ أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ کہ: اس طرح سوجا جس طرح دلہن سوجاتی ہے کہ اس کے محبوب کے علاوہ اس کو کوئی اٹھاتا نہیں ④۔

تین عالموں کی پہچان

بہر حال! وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس قبر میں فرشتے آئے، انھوں نے سوالات کیے اور میں نے صحیح صحیح جوابات دئے، باری تعالی کی طرف سے مجھ سے کہا گیا کہ تم نے ٹھیک ٹھیک جوابات دئے ہیں؛ اس لیے تم کامیاب ہو لیکن چوں کہ ابھی تو قیامت قائم ہونے میں وقت باقی ہے، جب قیامت قائم ہوگی تو حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام

---

① سنن الترمذی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله تعالی عنه، بَابُ مَا جَاءَ فِي عَذَابِ القَبْرِ.

② وذكر بعض الفقهاء أن اسم اللذين يسألان المذنب منكر و نكير وأن اسم اللذين يسألان المطيع مبشر وبشير. (فتح الباری، ۳/ ۲۳۷، باب ما جاء في عذاب القبر، رقم الحديث: ۱۳۷٤،

③ السنن الكبرى للنسائی، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله تعالی عنهما، قَوْلُهُ تَعَالَى: {يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ} [إبراهيم:۲۷]، رقم الحديث: ۱۱۲۰۱.

④ سنن الترمذی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله تعالی عنه، بَابُ مَا جَاءَ فِي عَذَابِ القَبْرِ.

سے لے کر قیامت تک کے سارے مردوں کو پھر اٹھایا جائے گا لیکن قیامت کے قائم ہونے تک تو وہیں پر قبر میں ہیں جس کو عالمِ برزخ کہتے ہیں، یہ عالمِ دنیا ہے اور موت کے بعد عالمِ برزخ شروع ہوتا ہے اور اس کے بعد عالم آخرت ہے تو گویا یہ عالمِ برزخ، عالمِ دنیا اور عالمِ آخرت کے درمیان ویٹنگ روم ہے۔

قبر میں مؤمنِ صالح کے ساتھ حسنِ سلوک

اب آپ کو قیامت کے قائم ہونے تک اسی ویٹنگ روم، اسی قبر میں، عالمِ برزخ میں رہنا ہے، البتہ تم نے چوں کہ صحیح جوابات دیئے ہیں؛ اس لیے تم کو یہاں آرام سے رکھا جائے گا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جب مردہ صحیح جوابات دے دیتا ہے تو اس کے لیے باقاعدہ قبر میں جنت سے ایک کھڑکی کھول دی جاتی ہے جہاں اسے جنت کی راحتیں محسوس ہوتی ہیں①۔

صاحبِ قرآن کو قبر میں تلاوتِ قرآن کی اجازت

تو وہ کہتے ہیں کہ میں نے صحیح جوابات دیئے؛ اس لیے مجھے کہا گیا کہ اب تم اسی قبر میں آرام سے رہو اور اگر تم قیامت تک کے لیے اس قبر میں کوئی مشغلہ چاہو تو ہماری طرف سے اس کی اجازت دی جائے گی، تم کیا چاہتے ہو؟ صاحبِ قبر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے باری تعالی! دنیا میں مجھے قرآن کے ساتھ بڑی مشغولی اور بڑا

---

① وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ. (سنن أبي داود، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی الله تعالی عنه، بَابٌ فِي الْمَسْأَلَةِ فِي الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ، رقم الحديث: ٤٧٥٣.)

شغف تھا اور مناسبت تھی؛ اس لیے مجھے قرآن پڑھنے کی اجازت دے دی جائے، چنانچہ مجھے اس کی اجازت دے دی گئی، میں جب سے دفن ہوا ہوں، تب سے لے کر آج تک میں نے ۷۰/ ہزار قرآن ختم کیے ہیں!۔

ایک سبحان اللہ کے عوض میں ۷۰/ ہزار قرآن

اس کے بعد وہ صاحبِ قبر اس بزرگ سے کہتا ہے کہ اگر آپ اپنا ایک سبحان اللہ مجھے دے دیں تو میں آپ کو یہ ۷۰/ ہزار قرآن آپ کو دینے کے لیے تیار ہوں۔ بزرگ کہنے لگے کہ کیا بات ہے؟ ایک سبحان اللہ کے عوض تم مجھے ۷۰/ ہزار قرآن دے دو گے۔ صاحبِ قبر نے کہا کہ ہاں! یہ ۷۰/ ہزار قرآن میں نے مرنے کے بعد پڑھے ہیں، زمین کے نیچے پڑھے ہیں۔ میرے مرنے کے بعد میرے ثواب اور گناہ کا سلسلہ تو بند ہو گیا، نامۂ اعمال بند ہو گیا، اس ۷۰/ ہزار قرآن پر مجھے ایک نیکی بھی نہیں ملی، ٹائم پاس ہوا، نیکی نہیں ملی۔ تم چوں کہ ابھی دنیا میں ہو، زمین کے اوپر ہو؛ اس لیے تم جو سبحان اللہ پڑھ رہے ہو، یہ بڑا قیمتی ہے، اس پر بہت بڑا اجر و ثواب تمھیں ملتا ہے؛ اس لیے میں کہہ رہا ہوں کہ تم ایک سبحان اللہ دے دو، میں ۷۰/ ہزار قرآن تمھیں دینے کے لیے تیار ہوں۔

زندگی ہر حال میں اللہ تعالی کی نعمت ہے

اس لیے ہمیں جو زندگی اور اس کے اوقات ملے ہوئے ہیں، اس کی قدر کر لینے کی ضرورت ہے، یہ زندگی جیسی بھی ہے لولی لنگڑی، بہر حال! اس میں آدمی کا فائدہ ہی ہے،

نقصان کچھ نہیں ہے، ایک آدمی بستر پر پڑا ہوا ہے، نہ چل سکتا ہے، نہ پھر سکتا ہے، زبان تو حرکت کرتی ہے، زبان سے سبحان اللہ، الحمدللہ تو پڑھ سکتا ہے؟ یہ زندگی کتنی قیمتی ہے کہ اس سبحان اللہ، الحمدللہ کے بدلے میں اس کو جو ثواب حاصل ہوگا، ساری دنیا اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

حضرت سلیمانؑ کا ایک عظیم معجزہ اور ان کی بے مثال بادشاہت

حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو اللہ تبارک وتعالی نے ایک معجزہ عطا فرمایا تھا کہ ہوا کو حکم دیتے تھے تو پورے دربار کے ساتھ ہوا آپ کو جہاں چاہتے تھے، لے جاتی تھی، یوں سمجھئے کہ گویا پورا پلیٹ فارم فضا میں اڑ رہا ہے، جہاں چاہتے تھے، جاتے تھے، اللہ تبارک وتعالی نے آپ کو یہ نعمت عطا فرمائی تھی، آپ کی بادشاہت بھی ایسی تھی کہ صرف انسانوں ہی پر نہیں بلکہ جنوں پر، چرند، پرند، تمام جانوروں کے اوپر آپ کی بادشاہت چلتی تھی۔

حضرت سلیمانؑ کی سواری کو دیکھ کر ایک مؤمن کا رشک کرنا

ایک مرتبہ آپ اسی طرح اپنے پورے دربار کے ساتھ فضا میں جا رہے تھے، اس منظر کو دیکھ کر ایک بندۂ مؤمن کی رال ٹپکی- ایسا منظر جب آدمی دیکھتا ہے نا تو دل میں رشک پیدا ہوتا ہے کہ اس کو اللہ نے کیا دیا ہے، کاش ہمیں بھی یہ چیز مل جاتی!- تو اس بندۂ مؤمن کو ان کا یہ منظر دیکھ کر دل میں رشک آیا۔ اللہ تبارک وتعالی نے حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو اس کے اس تصور اور خیال سے واقف کیا۔

ایک سبحان اللہ کی قیمت آلِ داود کی سلطنت سے بڑھ کر ہے

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا کہ نیچے اتارو۔ اتارنے کے بعد اس بندۂ مؤمن کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ کسی بندۂ مؤمن کا ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنا آلِ داود (اس سے خود حضرت سلیمانؑ مراد ہیں کہ خود سلیمان) کی سلطنت سے بڑھ کر ہے، ایک سبحان اللہ کی قیمت اتنی زیادہ ہے کہ ساری دنیا مل کر بھی ادا نہیں کرسکتی۔

تو میں نے عرض کیا کہ کچھ نہیں تو پڑے پڑے سبحان اللہ، الحمد للہ تو پڑھ سکتا ہے، یہ بھی اتنا قیمتی سرمایہ ہے کہ ساری کائنات اس کی قیمت ادا نہیں کرسکتی۔

قاری صدیق باندوی رحمۃ اللہ علیہ اور اوقات کی قدر دانی

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ہمیں یہ زندگی عطا فرمائی ہے، اس کے اوقات اور لمحات بہت زیادہ قیمتی ہیں۔ میں نے اپنے بزرگوں کو دیکھا کہ وہ ایک لمحہ ضائع کرنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ حضرت قاری صدیق باندوی نور اللہ مرقدہ کو ہمیشہ دیکھا کہ سفر میں خالی بیٹھے ہیں تو قرآنِ پاک کی تلاوت کررہے ہیں۔

ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت کے ساتھ ایک سفر میں جا رہا تھا اور ٹرین میں بیٹھے بیٹھے حضرت سے عرض کیا کہ دیکھئے! وہ منظر کتنا اچھا ہے! یہ سن کر حضرت کو اتنی زیادہ ناگواری ہوئی کہ فرمانے لگے کہ مولوی صاحب! تم کو یہی سوجھتی ہے! بیٹھے بیٹھے قرآن پڑھو، اللہ کا نام لو، یہ منظر کتنا حسین ہے، اس سے تم کو کیا فائدہ پہنچے گا، یہ حضرات تھے جو اپنی زندگی کے اوقات کی صحیح قیمت وصول کرتے تھے؛ اس لیے ہم بھی

اپنی زندگی کے اوقات اور لمحات کی قیمت کو صحیح طریقے پر وصول کرنے کا اہتمام کریں:

ہر دم اللہ، اللہ کر، نور سے اپنا سینہ بھر
جیئے تو اس کا ہو کر جی، مرے تو اس کا ہو کر مر

ہر دم اللہ، اللہ کر، نور سے اپنا سینہ بھر

حقیقت تو یہ ہے کہ ہماری زبان پر ہر وقت اللہ کا ذکر جاری رہنا چاہیے، صوفیہ کے یہاں پاس انفاس ایک اصطلاح ہے کہ سانس جب اندر جاتی ہے تو اللہ اور باہر آتی ہے تو ''ہُ'' کہتے ہیں: اللّٰہُ، اللّٰہُ۔ گویا ہر سانس کو وصول کرنے کا ایک طریقہ تجویز کیا ہے تو ضرورت ہے کہ ہم اپنی زندگی کے لمحات کی قدر کریں۔

سراسر نقصان کا سودا

اور اگر ہم اپنی زندگی کے ان لمحات میں نیکی نہ کریں بلکہ گناہوں میں صرف کریں تو یہ تو بہت خطرناک چیز ہو جائے گی۔ اگر زندگی کے ان لمحات کو کوئی نیکی میں نہ استعمال کرے، خالی جائز کاموں میں استعمال کرے جس پر نہ کوئی گناہ ہوتا، نہ ثواب ملتا تو بھی بہت بڑا گھاٹا تھا۔

ایک آدمی کے پاس موتی، جواہرات ہیں، وہ اس سے ڈھیلے اور پتھر خریدتا ہے تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ ڈھیلے، پتھر نقصان دینے والی چیزیں نہیں ہیں، یہ الگ بات ہے کہ اس نے گھاٹے کا سودا کیا لیکن خدانخواستہ اگر وہ ان موتی اور جواہرات سے زہر خریدتا ہے تو اس سے بڑا نادان اور کون ہوگا۔

ہم زندگی کے ان اوقات کو اللہ کی نافرمانیوں میں استعمال کریں گے، گناہوں میں استعمال کریں گے تو یہ اتنا بڑا گھاٹا ہے کہ جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

ماشاء اللہ! جنت کی طرف کیسی چھلانگ لگائی ہے

ایک بزرگ گذرے ہیں، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا واقعہ احیاء العلوم میں ذکر کیا ہے، نام حضرت توبہ بن الصمہ ہے: ایک مرتبہ وہ اپنی زندگی کا جائزہ لے رہے تھے، انھوں نے سوچا کہ میری زندگی کے ۶۰ ر سال گذر گئے-اسلامی اور قمری حساب سے سال کے ۳۵۴ ر دن ہوتے ہیں-اگر ہر دن میں نے ایک گناہ کیا ہے تو ۶۰ ر سال میں مَیں نے ساڑھے اکیس ہزار گناہ کیے، چہ جائے کہ میں نے ہر دن دس ہزار گناہ کیے ہوں، میں اتنے بڑے گناہوں کا بوجھ لے کر اللہ کے دربار میں کیسے حاضر ہوں گا؟۔ بس یہ سوچنا تھا کہ ایک چیخ ماری اور اسی وقت ان کی روح پرواز کرگئی، غیب سے آواز آئی، لوگوں نے سنا: یا لك ركضة إلى الفردوس الأعلى: ماشاء اللہ! جنت کی طرف کیسی چھلانگ لگائی[1]۔

لوگوں میں سب سے بہتر آدمی حدیث کی روشنی میں

ہمیں اپنی زندگی کا بار بار جائزہ لیتے رہنا چاہیے، جس کو اللہ تبارک وتعالی نے جیسی صلاحیت دی ہے، اس کے مطابق اس کو استعمال کرے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ؟ کہ: لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

(۱) إحياء علوم الدين ٤/ ٤٠٦، كتاب المراقبة والمحاسبة، المقام الأول من المرابطة: المشارطة.

نے فرمایا: مَنْ طَالَ عُمُرُہُ، وَحَسُنَ عَمَلُہُ کہ: سب سے بہتر وہ ہے جس کی عمر لمبی ہو اور اعمال اچھے ہوں۔ پوچھا گیا: فَأَيُّ النَّاسِ شَرٌّ؟ کہ: لوگوں میں سب سے بدتر آدمی کون ہے؟ تو نبیٔ کریم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: مَنْ طَالَ عُمُرُہُ وَسَاءَ عَمَلُهُ کہ: جس کی عمر لمبی ہو اور اس کے اعمال خراب ہوں①۔

نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں: خِيَارُكُمْ أَطْوَلُكُمْ أَعْمَارًا وَأَحْسَنُكُمْ عَمَلًا② کہ: تم میں سب سے بہتر وہ ہیں کہ جن کی عمر اور زندگیاں سب سے طویل اور لمبی ہوں اور جن کے اعمال سب سے اچھے ہوں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زندگی کے اوقات کو صحیح طریقے پر استعمال کرنے کا اہتمام کریں۔

کامیاب مؤمنین کا ایک وصف: لغو کاموں سے اعراض کرنا

قرآنِ پاک میں بھی اللہ تبارک وتعالی نے جہاں ان ایمان والوں کی خوبیوں کو بیان کیا ہے جو فلاح یاب ہیں، جو دنیا اور آخرت کی خوش حالی کو حاصل کرنے والے ہیں، وہاں ایک وصف یہ بھی بیان فرمایا ہے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ﴾: وہ ایمان والے کامیاب ہیں جو اپنی نمازوں میں خشوع کا اہتمام کرتے ہیں اور فضول اور بے کار چیزوں سے

---

① سنن الترمذی، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، رضی اللہ تعالی عنہما، بَابُ مَا جَاءَ فِي طُولِ العُمْرِ لِلْمُؤْمِنِ، رقم الحدیث: ۲۳۳۰۔

② السنن الکبری للبیہقی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابُ طُوبَى لِمَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ.

اعراض کرتے ہیں اور آگے ارشاد ہے:﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ﴾: اور جو زکوۃ ادا کرتے ہیں۔

سوائے دو مقامات کے قرآن میں نماز اور زکوۃ یکجا مذکور ہے

علماء فرماتے ہیں کہ قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالی نے جہاں نماز اور زکوۃ کا ایک ساتھ تذکرہ فرمایا ہے، سب جگہ ایک ساتھ ہے، صرف دو مقام ایسے ہیں کہ جن میں ان دونوں کے بیچ میں کوئی دوسری چیز آ گئی ہے، ان میں سے ایک مقام تو یہ ہے:﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ اور آگے فرمایا:﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ﴾ اس میں نماز کے بعد اور زکوۃ سے پہلے، دونوں کے بیچ میں ان ایمان والوں کا تذکرہ آیا جو اپنے آپ کو لغویات سے بچاتے ہیں۔

دوسرا مقام سورۂ شوری میں ہے کہ جہاں مشورے کی اہمیت کو جتلانے کے لیے پہلے نماز اور پھر مشورے کو اور اس کے بعد زکوۃ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:﴿وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ [الشوریٰ:۳۸] ان دو مقامات کے علاوہ آپ جہاں بھی دیکھیں گے، وہاں آپ کو یہ دونوں ٹوین (tween) جوڑا ہی نظر آئے گا۔

نماز و زکوۃ کے درمیان لغو کاموں سے اجتناب کے ذکر کی حکمت

جہاں نماز اور زکوۃ کے درمیان لغو کاموں سے بچنے کا تذکرہ کیا، اس میں بڑی حکمت ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو، فضول کاموں سے اور فضول باتوں سے دور رکھتے

ہیں، ان ہی کو اللہ تبارک وتعالی نماز کا خشوع عطا فرماتے ہیں، یہ بھی یاد رکھئے، اس میں بھی بڑی حکمت ہے۔

موبائل فون کا عالم گیر اور ہمہ گیر فتنہ

آج کل موبائل کی مشغولیت اتنی بڑھ گئی ہے کہ ہماری مسجدیں خشوع سے خالی ہوگئیں، اس سے بڑا الغو کام اور کیا ہوگا؟ ایک تو آدمی ضرورت کی وجہ سے فون وغیرہ رکھتا ہے تو ٹھیک ہے کہ ضرورت ہے لیکن آپ بس اسی میں لگے رہیں، آپ کسی کو بھی دیکھیں: جوان ہو، بوڑھا ہو، بچہ ہو، مرد ہو، عورت ہو، سب کے ہاتھوں میں یہ نظر آتا ہے، ہم تو وہاں حرم میں جاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ جس کو دیکھو، سب کے ہاتھ میں یہ موجود ہے، عجیب کھلونہ ان کے ہاتھ میں دے دیا ہے، جوان، بچہ بوڑھا، سبھی اس کھلونے سے دل بہلانے میں مشغول ہیں۔ ضرورت کے بقدر استعمال کیا جائے تو حرج نہیں لیکن بلاضرورت اس کے استعمال سے بچا جائے اور اپنے اوقات کا صحیح استعمال کیا جائے۔

قرب قیامت سب سے پہلے نماز کا خشوع اٹھالیا جائے گا

وقت زیادہ قیمتی ہے، اسی لغویت کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہماری نمازوں سے خشوع ختم ہوگیا ہے، ویسے تو قرب قیامت میں دین اٹھالیا جائے گا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جو چیز اٹھائی جائے گی، وہ نماز کا خشوع ہوگا، پوری مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہے لیکن ایک بھی نماز خشوع والی نہیں ہے[1]۔

---

(۱) المصنف لابن أبي شيبة، كَلَامُ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، رقم الحديث:۳۴۸۰۸

ہماری نمازوں کی بدحالی

آج غفلت کا یہ عالم ہے کہ آدمی خود نماز پڑھتا ہے کہ آپ خود نماز پڑھ رہے ہیں، ابھی آپ نے مغرب کی نماز پڑھی اور اس کے بعد سب نے دو رکعت سنت پڑھی، کسی نے اس سے زیادہ بھی پڑھی ہوگی۔ جو دو رکعت آپ نے پڑھی، اگر آپ سے پوچھا جائے کہ اس میں آپ نے کون سی سورت پڑھی تھی؟ تو بڑی تعداد وہ نکلے گی جو بتا نہیں سکتی۔ آج امام صاحب نے مغرب کی نماز پڑھائی، اس کی پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد کیا پڑھا؟ اور دوسری میں کیا پڑھا؟ تو کوئی بتا نہیں سکے گا، سب ایک دوسرے کے چہرے کو دیکھیں گے، غفلت کا یہ عالم ہے۔

باحضورِ دل نہ کردم طاعتے

ہمارے یہاں مدرسوں میں ''پند نامہ'' کے نام سے فارسی کی ایک کتاب پڑھائی جاتی ہے، اس میں فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ جو کہ بہت بڑے صوفی بزرگ گذرے ہیں، انھوں نے مناجات میں جو کہ بڑی پیاری مناجات ہے، حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے جزاء الاعمال کے اخیر میں لکھا ہے کہ اس مناجات کو پڑھتے رہنے سے دل میں خشوع پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالی کی طرف رجوع کی توفیق ہوتی ہے، اس مناجات کا ایک شعر ہے، وہ فرماتے ہیں:

بے گنہ نہ گذشت برمن ساعتے	باحضورِ دل نہ کردم طاعتے

کہ: اے اللہ! رات اور دن کی کوئی گھڑی گناہ کے بغیر مجھ پر نہیں گذری اور کبھی

دل کی حضوری کے ساتھ آج تک کوئی عبادت میں نے انجام نہیں دی۔

من اپنا پرانا پاپی ہے، برسوں میں نمازی بن نہ سکا

آج ہم یہاں جتنے بھی بیٹھے ہیں، میں اپنے آپ کو بھی پہلے نمبر پر خطاب کر کے کہتا ہوں کہ میری عمر جو ۷۰ رسال ہے، اس کے اعتبار سے میں یوں کہوں کہ پچاس سال یا ساٹھ سال سے میں نماز پڑھتا ہوں لیکن کل کو قیامت میں اگر اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے یہ سوال ہو جائے کہ ایک سجدہ ایسا جو حضورِ دل کے ساتھ کیا ہو، پیش کر و تو کیا میں اور آپ اس کے لیے تیار ہیں؟۔

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

ہماری زندگیاں نماز پڑھتے ہوئے گذر گئیں اور پھر کمال تو یہ ہے کہ اس کمی کا ہمیں احساس بھی نہیں ہے:

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

زندگی بھر سے نمازیں پڑھتے جارہے ہیں بغیر خشوع کے لیکن بھولے سے بھی کبھی اس کا خیال نہیں آتا۔ اگر دو دن، تین دن تک کھانے کی لذت بخار یا کسی اور بیماری کی وجہ سے غائب ہو جائے تو بے چین ہو کر ڈاکٹر یا حکیم کے پاس جائیں گے کہ حکیم صاحب! تین دن ہو گئے، کھانا کھا رہا ہوں لیکن کوئی مزا نہیں آرہا ہے، ذرا دوا دے دو اور جتنے چاہے پیسے لے لو، اس کو ہم بیماری سمجھ رہے ہیں۔

وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی

لیکن ساٹھ سال سے نماز پڑھ رہے ہیں اور اس میں لطف اور مزا نہیں آرہا ہے، اس کو ہم کوئی مرض اور بیماری نہیں سمجھتے اور اس کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ اس کا بھی کوئی علاج اور معالج ہے، بقول علامہ اقبالؒ:

وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
ترستے ہیں آج اس کو منبر و محراب

زندگی کو قیمتی بنانے کی دو نوعیتیں

اللہ تبارک وتعالی نے ہمیں یہ زندگی عطا فرمائی ہے، ابھی اپنی زندگی کو قیمتی بنانے کا موقع ہے۔ اب آپ جیسا چاہے، قیمتی بنا سکتے ہیں: ایک تو یہ ہے کہ اپنی ذات کی حد تک قیمتی بنائیں، یعنی آپ اعمالِ صالحہ کا اہتمام کریں، آپ کا فائدہ آپ کی ذات تک محدود رہے اور ایک یہ ہے کہ آپ دوسروں کو دین سکھلا دیں۔

ایک آدمی کو آپ نے نماز سکھلا دی، اس نے دو کو سکھلائی، ان دو نے چار کو سکھلائی، ان چار نے آٹھ لوگوں کو سکھلائی، اب جب تک کہ یہ سلسلہ جاری رہے گا، یہ ثواب آپ کو ملتا رہے گا۔

دین کی نسبت سے یہ جتنے بھی کام ہیں: تعلیم و تعلم کا، پڑھنے پڑھانے کا، دین کے سیکھنے سکھانے کا۔ دین کی ایک ایک چیز کسی دوسرے کو سکھلائے تو وہ جب تک عمل کرے گا، اس کا ثواب اس کو بھی ملتا رہے گا۔

وہ قیمتی اعمال کہ موت کے بعد بھی جن کا ثواب ملتا رہتا ہے

حدیث میں آتا ہے: إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَه: آدمی کے انتقال کی وجہ سے اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے لیکن تین چیزوں کا ثواب جاری رہتا ہے: کوئی ایسی نیکی کی کہ بعد میں بھی لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں، جس کو صدقۂ جاریہ کہتے ہیں: مسجد بنوادی، مدرسہ بنوادیا، مسافر خانہ بنوالیا، نیکی کا کوئی اور کام کرلیا، بعد میں بھی لوگ اس سے فائدہ اٹھارہے ہیں تو اس کو ثواب ملتا رہے گا۔ یا علم ہے کہ جو لوگوں کو سکھایا اور لوگ اس سے فائدہ اٹھارہے ہیں۔

تو اگر ہم اپنے اعمال کو درست کرلیں اور ساتھ میں یہ چیزیں بھی کرلیں تو اندازہ لگائیں کہ ہماری زندگی کتنی قیمتی بن جائے گی۔ اللہ نے ہمیں موقع دیا ہے تو ہم اپنی زندگی کو قیمتی بنانے کے لیے جتنا اہتمام کریں گے، اتنا اس کو قیمتی بنایا جاسکتا ہے۔ ایک آدمی پر، دو آدمی پر، تین آدمی پر، دس آدمی پر، پانسو، ہزار آدمی پر محنت کریں گے اور جتنا ان پر محنت کریں گے اور آگے چل کر وہ جتنے آدمیوں کو تیار کریں گے اور یہ سلسلہ آگے تک جاری رہے گا تو قیامت کو تو گویا ہمارے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہوگا۔

وہ پانچ چیزیں جن کے متعلق قیامت کے دن سوال ہوگا

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد میں نے نقل کیا تھا، آپ فرماتے ہیں کہ قیامت کے

روز انسان کے قدم اللہ کے حضور سے ہٹ نہیں سکیں گے، یہاں تک کہ پانچ چیزوں کے متعلق اس سے پوچھا جائے گا اور اس کو جواب دینا پڑے گا: عَنْ عُمُرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ: زندگی کے متعلق کہ زندگی کہاں گنوائی، عَنْ شَبَابِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ: اور جوانی کے متعلق کہ جوانی کی صلاحیتوں کو کہاں استعمال کیا، وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَا أَنْفَقَهُ: اور مال کے متعلق کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا، وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ: اور جو جانا، اس پر کتنا عمل کیا۔ ابھی جو ایک گھنٹہ بیٹھے، دو گھنٹہ بیٹھے، مجالس میں بیٹھنے کی جتنی بھی نوبتیں آتی ہیں، وہ جاننے کے لیے ہی ہوتی ہیں، ایسا مت سمجھئے کہ جو چاہے کر لیجیے، ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیں گے، یہ سب سنا ہوا بھی آپ پر حجت ہے، پوچھا جائے گا کہ سنا تھا، اس پر کتنا عمل کیا۔

ضرورت ہے کہ ہم آج اپنی زندگی کے اوقات صحیح طریقے سے گذارنے کا عہد اور اس کا اہتمام کریں، اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے، آپ کو، سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم کے دیگر افادات

نمبر شمار	اسمائے کتب
۱	حدیث کے اصلاحی مضامین اول
۲	حدیث کے اصلاحی مضامین دوم
۳	حدیث کے اصلاحی مضامین سوم
۴	حدیث کے اصلاحی مضامین چہارم
۵	حدیث کے اصلاحی مضامین پنجم
۶	حدیث کے اصلاحی مضامین ششم
۷	حدیث کے اصلاحی مضامین ہفتم
۸	حدیث کے اصلاحی مضامین ہشتم
۹	حدیث کے اصلاحی مضامین نہم
۱۰	حدیث کے اصلاحی مضامین دہم
۱۱	حدیث کے اصلاحی مضامین یازدہم
۱۲	حدیث کے اصلاحی مضامین دوازدہم
۱۳	حدیث کے اصلاحی مضامین سیزدہم
۱۴	حدیث کے اصلاحی مضامین چہاردہم

۱۵	حدیث کے اصلاحی مضامین پانزدہم
۱۶	محمود الفتاویٰ اردو مکمل ۸/جلدیں
۱۷	محمود الرسائل
۱۸	محمود المواعظ اول
۱۹	محمود المواعظ دوم
۲۰	محمود المواعظ سوم
۲۱	محمود المواعظ چہارم
۲۲	محمود المواعظ پنجم
۲۳	محمود المواعظ ششم
۲۴	محمود المواعظ ہفتم
۲۵	فتح اللہ الاحد شرح الادب المفرد اول
۲۶	فتح اللہ الاحد شرح الادب المفرد دوم
۲۷	فتح اللہ الاحد شرح الادب المفرد سوم
۲۸	فضلا سے اہم خطاب
۲۹	مکاتب دینیہ کے اساتذہ سے خطاب
۳۰	اپنی نمازوں کو صحیح اور جاندار بنائیں
۳۱	ہم رمضان المبارک کیسے گزاریں؟

۳۲	بیعت ہونے والوں کو ہدایات
۳۳	آسان درس قرآن جلد اول
۳۴	نصیحت گوش کن برجاناں
۳۵	تسہیل السراجی
۳۶	کاروباری مسائل (متعلقہ ہوٹل)
۳۷	مولانا علی میاںؒ کی مقبولیت کا راز
۳۸	نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت
۳۹	اصلاح معاشرہ
۴۰	دعا ایسے مانگیں
۴۱	محمود الفتاویٰ گجراتی ۵ رجلدیں